اورینٹل کالج میگزین

حصہ اوّل

ایڈیٹر

محمد شفیع

(پروفیسر پنجاب یونیورسٹی)

اورینٹل کالج میگزین

جلد ۱۲- عدد ۲ | بابت ماه فروری سنہ ۱۹۳۶ء | عدد مسلسل ۴۶

فہرست مضامین

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر طبع ہوا اور این این مترا نے دفتر اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا۔

اورینٹل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض و مقاصد۔ اس رسالہ کے اجرا سے غرض یہ ہے کہ احیا و ترویج علوم مشرقیہ کی تحریک کو تاحدامکان تقویت دیجائے اور خصوصیت کیساتھ ان طلبہ میں شوق تحقیق پیدا کیا جائے جو سنسکرت۔ عربی۔ فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں ؛

کس قسم کے مضامین کا شایع کرنا مقصود ہے کوشش کیجائیگی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شایع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں، غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شایع کئے جائینگے ؛

رسالے کے دو حصے۔ یہ رسالہ دو حصوں میں شایع ہوتا ہے حصہ اول عربی، فارسی، اردو اور پنجابی (بحروف فارسی)

وقت اشاعت یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر۔ فروری۔ مئی۔ اگست[1] میں شایع ہوگا ؛

قیمت اشتراک۔ سالانہ چندہ حصہ اردو کے لئے عـہ ۱۲ ر اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کالج کے وقت وصول ہوگا ؛

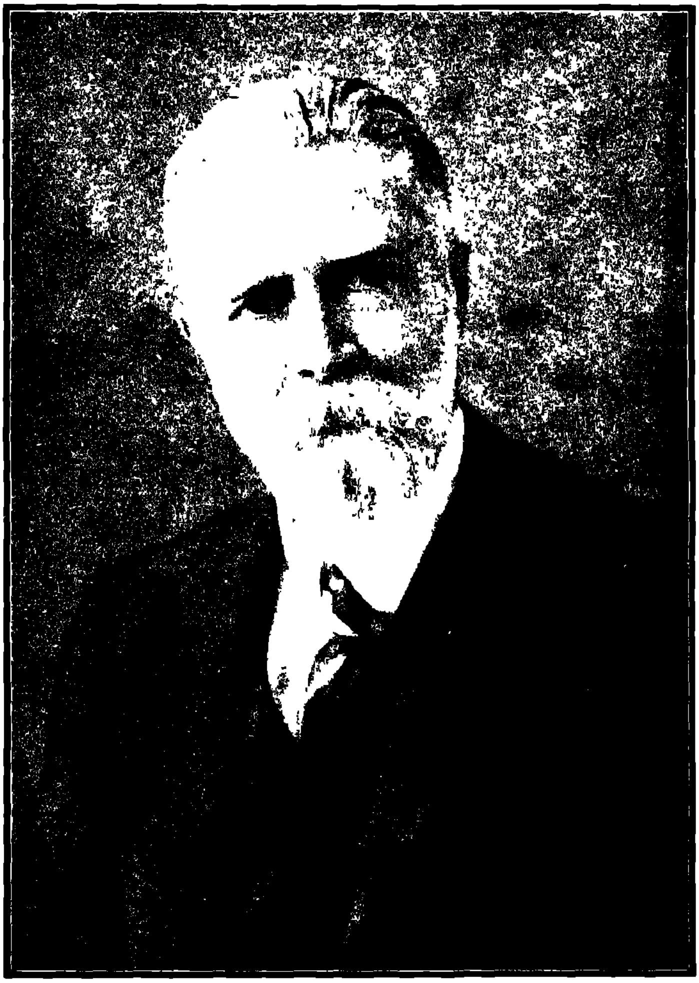
خط و کتابت و ترسیل زر۔ خرید رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہیئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں ؛

محل فروخت۔ یہ رسالہ اورینٹل کالج لاہور کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے ؛

قلم تحریر۔ حصہ اردو کی ادارت کے فرائض پروفیسر محمد شفیع ایم۔ اے اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے پی۔ ایچ۔ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے ؛

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے۔ اسلئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شایع ہوتا ہے ؛



Principal A. C WOOLNER, M. A., D. LITT., C. I. E., F. A. S. B.
Vice-Chancellor, University of the Panjab.

Born, May 13, 1878. *Died, January 7, 1936*

MANOHAR ELECTRIC PRESS, LAHORE

مرحوم ڈاکٹر اے سی وولنر

قارئین کرام کو نہایت افسوس سے اطلاع دی جاتی ہے کہ ۷ جنوری ۱۹۳۶ء کو قریباً ۳ ہفتہ کی علالت کے بعد ڈاکٹر اے سی وولنر ایم۔ اے۔ سی آئی ای پرنسپل اورینٹل کالج اور وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی فوت ہو گئے۔ موصوف ۳۲ سال اور چند ماہ اس کالج کے پرنسپل رہے۔ پنجاب یونیورسٹی کی مجلس منتظمہ (سنڈیکیٹ) نے ۱۰ جنوری ۱۹۳۶ء کو ایک قرارداد تعزیت منظور کی۔ صاحب وائس چانسلر نے اس موقعہ پر مرحوم ڈاکٹر وولنر کے بعض حالات مجلس کے سامنے پیش کئے۔ انکا ترجمہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:۔

اپنا رزولیوشن پیش کرتے وقت صاحب وائس چانسلر نے فرمایا کہ ڈاکٹر وولنر ۱۹ اپریل ۱۹۰۳ء کو پنجاب یونیورسٹی کی خدمت پر بحیثیت مسجّل (رجسٹرار)، یونیورسٹی و پرنسپل اورینٹل کالج لاہور تشریف لائے اور جنوری ۱۹۲۱ء میں یونیورسٹی تعلیمات کے پہلے ڈین بنے۔ فروری ۱۹۲۳ء میں انکو یونیورسٹی کا زبان سنسکرت کا پروفیسر مقرر کیا گیا اور اکتوبر ۱۹۲۸ء میں وہ وائس چانسلر کے منصب جلیلہ پر فائز ہوئے۔

۱۹۰۴ء سے ڈاکٹر وولنر برابر یونیورسٹی کے فیلو اور سنڈیکیٹ کے رکن بنتے چلے آئے۔ ۱۹۲۸ء میں انکی خدمات مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کی ہیئتِ تنظیمی کی اصلاح و درستی کی غرض سے گورنمنٹ آف انڈیا نے دو ماہ کیواسطے مستعار لی تھیں۔ ایک عرصۂ دراز تک یونیورسٹی کے کتبخانہ کے ناظم اور یونیورسٹی کی تقرریوں کے بورڈ[1] کے معتمد۔ محکمۂ[2] اطلاعات خارجہ کے مہتمم اور یونیورسٹی کی ڈبل کمپنی کے ایجنٹ کے طور پر کام کرتے رہے۔ انکے عہد میں یونیورسٹی نے ایک قابل حیرت توسیع پائی ہے جسکا اندازہ اس بیان سے ہو سکتا ہے۔

کہ ۱۹۰۳ء میں صرف سینٹ ہال یونیورسٹی کی واحد جائداد تھا۔ اٹھارہ کالج اسکے ساتھ ملحق تھے۔ تیرہ ہزار چارسو اٹھتر طلبہ شریک امتحانات اور دو لاکھ دس ہزار چارسو سینتالیس روپے سالانہ آمدنی تھی۔ اسکے مقابلہ میں ۱۹۳۵ء میں یونیورسٹی ایک بیش بہا جائداد کی مالک ہے جسمیں عمارات کتبخانہ۔ سینٹ ہال ہیلی ہال۔ لا کالج۔ اورینٹل کالج۔ ڈی مونٹ مورینسی ہال۔ یونیورسٹی ہال۔ یونیورسٹی کیمیائی معمل۔ ہیلی

[1] University Appointment Board. [2] Foreign Information Bureau

کالج تجارت ۔ رصد گاہ ۔ میچوں اور کھیلوں کا میدان ۔ لا کالج کے کھیلوں کی زمین اور یونین کلاب کی عمارت وغیرہ شامل ہیں ۔ ملحق شدہ کالجوں کی تعداد چوّن ہے اور ۱۹۳۵ء میں شریک امتحانات امیدواروں کی تعداد سینتیس ہزار چھ سو ترسیٹھ اور ۱۹۳۵ء کی آمدنی کی رقم مبلغ پندرہ لاکھ دس ہزار اور آٹھ روپے تک پہنچ گئی ہے ۔

ترقیاں

ان کی وائس چانسلری کے زمانہ میں شعبۂ تاریخ و طبعیات میں آنرز اسکولز کا افتتاح ہوا فلسفے کی ڈاکٹریٹ ۔ صنعت و حرفت میں ماسٹر آف سائنس اور دنداں سازی میں بیچلرشپ کی ڈگریاں دی جانے لگیں ۔ اسی طرح لارنگولوجی اور آٹولوجی کا ڈپلوما دیا جانا شروع ہوا ۔ یونیورسٹی توسیعی لیکچرز کے سلسلہ کی تاسیس ہوئی ۔ اسکے علاوہ دیگر امور متعلقۂ امتحانات میں مختلف قسم کی اصلاحات عمل میں آئیں طلبہ کے افادے کی غرض سے پبلک سروس کے امتحانات کا درجہ کھولا گیا ۔ طلبہ کی نگرانی[۱] کے نظام کی ترویج ہوئی اور یونین سوسائٹی اور کلب کی بنیاد رکھی گئی اور کلب کیواسطے معقول عمارت مہیا کرنے کیلئے ضروری اقدام کیا گیا ایک مفصلاتی بورڈ اس مقصد سے وجود میں لایا گیا کہ وہ مفصلات کے کالجوں اور انکی تعلیمی مشکلات کے متعلق یونیورسٹی کی متعلقہ جماعتوں کو مفید مشورے دیتا رہے ۔ مشرقی تالیفات کے ایک فنڈ کی بنیاد ڈالی گئی ۔ ڈاکٹر ولنر کی تصنیفات ذیل اسی سلسلہ میں طبع ہو چکی ہیں:

(۱) مدخل پراکرت (۲) کتبات اسوک ، متن و فرہنگ (۳) بھاس سے منسوب ناٹکوں کا ترجمہ (بشرکت ڈاکٹر سروپ) (۴) کنڈ مالا کا ترجمہ ،

یونیورسٹی تعلیمات کے ڈین کی حیثیت سے انہوں نے یونیورسٹی کی آنرز اور بی ۔ اے بالائی تعلیمات کو بالکل مرتب و منظم کر دیا اور بتدریج مگر استقلال کیساتھ اسکی تعلیمی تحریکات کو توسیع دی اور یہ بیان مبالغہ کے شائبہ سے بری سمجھا جائے کہ پنجاب یونیورسٹی جس حالت میں کہ آج ہم اسے دیکھتے ہیں آنجہانی موصوف کی ان دراز خدمات کا نتیجہ ہے جو انہوں نے اس صوبہ کی اعلٰے تعلیم کے واسطے انجام دیں ۔

ہر وہ شخص جسکے ساتھ بحیثیت استاد و شریک کار و ناظم امور ، انکا واسطہ پڑتا تھا انکے علمی تبحر شرافت طبع اور پاک سیرتی کے اوصاف کی بنا پر انکے ساتھ محبت و عقیدت و احترام کے جذبات محسوس کرنے لگتا تھا ۔ آیندہ نسلوں کیواسطے انکی یہی باقیات ہیں جو انکی بیش قیمت یادگار کا کام دینگی ۔

---

۱ Proctorial System.

انگریزی ترجمہ خزائن الفتوح امیر خسرو

از

(پروفیسر محمد حبیب بی۔ اے (آکسن)، پروفیسر تاریخ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ)

(سلسلہ کے لئے دیکھو رسالہ بابت نومبر ۱۹۳۵ء)

The malik-i-Sahkash ordered that such booty as was fit for the troopers should be given to them. p.52. l.5.

اور حاشیہ ذیل اضافہ ہوا ہے :-

'Malik Kafur, so called because he had, till then, led three expeditions to the Deccan.

نیز ص۵۷ پر حاشیہ ۲ یوں دیا ہے :-

"The malik naib Kafur Hazardinari. He was the Regent of the Empire and Commander-in-Chief of the invading army. The author finds every kind of laudatory title for him. He is often referred to as the 'Sahkash,' winner of three campaigns and sometimes simply as the Malik.

(۲) ص۱ آخری سطر :- و مستعد جہاد اکبر ۔ی بہ محراب آورد ۔ یہ کش مجاہد نیز قامت تعبد را با قامت فرض خدای راکع و ساجد گردانید They were ready for prayer & turned their faces towards God. The Sah-Kash also bowed in the obligatory prayer 67.7.

اس ترجمہ کی اغلاط سے قطع نظر کر کے اور مثالیں عرض کی جاتی ہیں -

(۳) صفحہ ۱۲۰ چون سہکش یگانہ بر سر ہندو خراجی بیرون از حساب وضع میکرد

When the singular sah-kash had fixed on the Hindu a tribute that surpassed all computation. 78.5 (bottom)

(۴) صفحہ ۱۵۱ سطر چہارم از آخر:- سہکش پیل حملہ گرفتن آن پیلان را فالی بزرگ گرفت۔

The sah-kash considered the acquisition of the elephants a very good omen. 94. l1.

(۵) صفحہ ۱۶۹ بعد آن سہکش اسلام با فوجی از غزاۃ متجہد بعزیمت قلع معبدہ کفرہ وقمع عبدۂ اصنام در بتخانۂ زرین در آمد۔

Next, the muslim sah-kash came with a body of holy warriors to destroy the golden temple in which the idols were kept. 102. l. 7 (bott.)

(۶) صفحہ ۱۸۲ بندۂ سہکش پادشاہ کہ شرط بندگی چنانچہ در تحریر نگنجد بجای آوردہ بود۔

The Emperor's servant, the sah-kash, who had performed more services than can be described. 109. l 14.

میں اس لفظ پر کافی غور کرکے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس موقعہ پر فاضل پروفیسر کو ایک مضحک مگر نہایت فاحش مغالطہ پیش آیا ہے۔ یہ امر یقینی ہے کہ سہکش ایک مہمل لفظ ہے اور جو معنے اسکی طرف پروفیسر نے منسوب کئے ہیں بالکل بے بنیاد

ہیں - اس لفظ کو با معنے بنانے کے لئے ہمیں اسے بہ صورت سپہ کش بمعنی سپہ سالار پڑھنا چاہئے'

سپہ کش' امیر خسرو کے کلام میں بے شمار موقعوں پر ملتا ہے مثلاً دول رانی خضر خاں:-

(۱) سپہ کش بود الغ خان معظم ۔۔۔ کہ بر ہر فتح فتحے میشدش ضم ص۵۹

دیگر

سپہ کش پنجمیں نزدیک تر بود ۔۔۔ رسید و در عنانش پنجہ زد زود ص۸۷

اور مثنوی نہ سپہر سے یہ مثالیں :-

(۱) صواب آنچنان دید خان سپہ کش ۔۔۔ کہ سوی خسان حملہ آرد چو آتش

دیگر

بزرگان روئین تن تہمتن وش ۔۔۔ شدند انجمن پیش خان سپہ کش

مثنوی تغلق نامہ سے یہ شعر ؎

چو بردآن جملہ در پیش سپہ کش ۔۔۔ سپہ کش گشت از آن فتح گران خوش

اس عنوان کے ذیل میں بخوفِ طوالت ہم انہی چند مثالوں پر اکتفا کرکے اور امور کی طرف توجہ دیتے ہیں :-

کعبہ و مکّہ

کعبہ و مکّہ میں جو فرق ہے وہ ہر مسلمان جانتا ہے مگر ہمارے محترم پروفیسر اس فرق سے بالکل اعراض کرتے ہیں - ان کے نزدیک نہ صرف کعبہ و مکّہ بلکہ قبلہ، بیت العتیق اور بیت المعمور تک سب ایک دوسرے کے مرادف ہیں اور ان سے مراد مکّہ ہے - امیر خسرو جہاں کہیں یہ الفاظ لائے ہیں پروفیسر نے

ان کا ترجمہ "مکّہ" کیا ہے - پروفیسر کے نزدیک یہ عقیدہ کہ کعبہ بیت اللہ کا نام ہے
اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ اس کے بانی ہیں اور عمارت کعبہ کہ مکّہ معظمہ میں تعمیر
ہوئی - چنداں قابل التفات نہیں - ان کا بیان ہے کہ یہ مکّہ ہے جسے حضرت
ابراہیم نے تعمیر کیا تھا - بعض امثال حوالۂ قلم ہیں :-

(۱) صفحہ ۲۵/۸ کہ سپہر چہارم دوم بیت معمورش خواند

That the fourth heaven may call it a second Mecca. p 14. par 2. l. 9.

(۲) صفحہ ۵۲/۲ پس بتخانۂ سومنات را سوی کعبۂ معظم در سجود آوردند

So the temple of Somnath was made to bow towards the holy Mecca. 35 l. 3 (bott.)

(۳) صفحہ ۵۲/۴ و آن بتان را کہ در نیم راہ بیت الخلیل خانہ گیر شدہ بودند
و رہزن گمراہان گشتہ ' سنت خلیل بہ شکستن ایشان درست کردند

The idols, who had fixed their abode midway to the House of Abraham (Mecca), and there waylaid stragglers, were broken to pieces in pursuance of Abraham's tradition[2]. 36. 1.

اس عبارت پر دو حاشیے ہیں - پہلا حاشیہ کسی اور مقام پر ترجمہ کی شکل میں نقل
ہو چکا ہے - یہاں دوسرا حاشیہ درج ہوتا ہے :-

[2] Allusion to Qibla (Mecca) & Abraham. The Holy Mecca was built by the Prophet

Abraham.

(۴) ص ۶۶/۳ اما عیسیٰ از بیت المعمورش نوید عمارت دین محمدی میداد

But Jesus from the Baitul Ma'mur (Mecca) sent the good news of the build-ing of Mohammad's faith. 48.2.

بیت المعمور کے سلسلہ میں یہ عبارت جو ایک قدیم تفسیر سے نقل کی جاتی ہے یاد رہے -

"ابن عباس را گفتند که ضراح چه باشد گفت خانه ایست اندر آسمان که او را بیت المعمور گویند و ضراح گویند و نهر النور پیش درگاه ضراح روان است۔"

(۵) ص ۸/۲ پنداری سحابی است باد قبله سوی دریاش می برد -

You would think it was a cloud, which Mecca-going winds were carry-ing towards the sea. 56. 14

(۶) ص ۹/۱۰ آفتاب که قبلۂ ہندوان است

The sun the Mecca of the Hindus. 57.2.

(۷) ص ۱۲۱/۵ ع بین نسبت کعبۂ معظم

[4] Allusion to holy Mecca p 79. note 4.

(۸) ص ۱۲۱/۱۰ محرمان بندگی در نائب بیت العتیق یعنی بحرم <u>من دخله کان آمنا</u> پیوستند

The Imperial officers reached Delhi, the Deputy of the sacred Mecca, & whoever

enters it shall be secure 79. l 11.

گویا یہ جو پنج وقتہ نمازوں میں نیت باندھتے وقت مسلمان " منہ میرا طرف کعبہ شریف کے " کہتے ہیں - پروفیسر کے نقطۂ نظر سے غلط ہے - ان کے حسابوں منہ میرا طرف بیت معمور شریف کے کہنا مناسب ہوگا ' بلکہ طرف مکّہ شریف کے کہنا زیادہ صحیح ہوگا '

سنگ

یہ لفظ فارسی زبان میں اس کے مشہور معنوں پتھر کے علاوہ وزن اور وقار کے معنے بھی دیتا ہے - مگر پروفیسر حبیب صرف پہلے معنے تسلیم کرتے ہیں اور پچھلے دونوں معنوں سے تجاہل برتتے ہیں - امثال

(۱) ص ۱۵/۱۲ پیلان گرانبار را فرمود تا در کشتی وزن کردند و ہمسنگ آن زر بسائل دادند" اس عبارت میں سنگ بمعنی وزن ہے مگر مترجم کا ذہن اس طرف منتقل نہیں ہوا - چنانچہ

He has ordered large elephants to be weighed in boats. and the gold - bricks used in weighing them have been given away to the poor. 9.5.

(۲) و ہر سیہ دلے کہ بسنگ قلب سودا می کرد ' بزخم دِرّہ بی سنگش کردند ص ۱۵

یہاں سنگ قلب سے مراد کھوٹے باٹ اور بے سنگ سے مطلب بے وقار و بے حرمت ہیں - اس ترجمہ کی باقی اغلاط سے مجھے سروکار نہیں '

Every dishonest (seller), who used his own black heart for his stone, had all

hardness knocked out of him. p.10 l.2

(۳) ص ۲۹/۴ و در محل و غیر محل فروتنی می نمود و نمی توانست کہ با سنگ خود باشد

سنگ اس جملہ میں بمعنی عزت و وقار ہے

It had fallen down in place & out of place; quite unable to keep its stones together, 17 para 3, l.6.

(۴) ص ۲۹/۱۰ فرمان داد کہ از خزانۂ معمورہ ہم سنگ خاک و خشت زر برکشیدند

The Emperor ordered stones and bricks of gold to be taken out of the flourishing excchequer. 18. 6.

(۵) ص ۴۶/۴ "بدان بنیاد با سنگ خویش می بود" (سنگ بمعنی عزت و وقار ہے)

Consequently the stones of the building remained intact 48.4.

(۶) ص ۹۱/۱۴ راوتان جنگی با ہمہ سنگ گران خود را در فلاخن بلا نہادہ بودند۔

سنگ گران سے مقصد اقتدار عظیم ہے۔ مگر ترجمہ

The warlike rawats with all their heavy stones, had thrown themselves into the sling of destruction. 62. l.6 (bott.)

(۷) ص ۱۱۱/۵ آخر بندہ سنگ رایان دارد نہ ترازوی بقالان

After all I hold the stout heart of a Rai and not the balance of a grocer. 73.

مرکب الفاظ

ایک عجیب خصوصیت اس ترجمہ کی قابل ذکر یہ ہے کہ اس میں فارسی کے معمولی معمولی مرکب الفاظ و اسماء کا لفظی ترجمہ کر دیا گیا ہے جسکو مصنف کے مطلوبہ معنوں سے کوئی تعلق نہیں - مثلاً گلبانگ جس کے معنے چہچہاہٹ اور سریلی آواز وغیرہ کے آتے ہیں - مترجم نے اس مرکب کو دو مختلف لفظ مانکر ان کا لفظی ترجمہ گلاب اور فریاد کر دیا - علی ہذا بیستون (ایران کے ایک مشہور پہاڑ کا نام) کا ترجمہ 'ستون بغیر' کیا - پنج پایہ کا جو آبی جانور ہے - اور جسے اردو میں کیکڑا - عربی میں سرطان اور انگریزی میں کریب کہتے ہیں - 'پانچ ٹانگ والا' ترجمہ کیا - ہزار پایہ یعنی کنکھجورے کا ترجمہ 'ہزار ٹانگ والا' - ہندوی سبز رنگ کا ترجمہ 'ہرا ہندو' کمان رستم (قوس قزح - دھنک) کا 'رستم کی کمان' آب مروارید (موتیا بند) کا 'پانی کا موتی' ترجمہ کیا - اسی طرح مردم گیاہ (ایک قسم کی گھاس جسے استرنگ بھی کہتے ہیں) کا ترجمہ 'آدمی اور گھاس' اور گرد کوہ (دامغان میں ایک پہاڑ کا نام) کا ترجمہ گنبد اور پہاڑ کر دیا - بعض امثال یہاں درج کی جاتی ہیں :-

(۱) صفحہ $\frac{55}{3}$ " و مغربیہای سلطانی از بینی سارہا کوہ [بینی کوہسارہا؟] خرطوم بر آوردہ و ہر کروہہ پرسان گرد کوہے سوی آن قلعۂ ملحد روان گشت "

The Imperial westerners (maghrabis) appeared like the trunk of an elephent on its summit and shot large earther balls. A mountain moved against the infidel fort. 34. 12.

(۲) صفحہ ۵۷ سطر آخر :- چون رای آنجا رسید مطربی بلبل نوا برابر او می آمد گلبانگی زد

The melody of the bulbul accompanied the Rai as he advanced. The rose raised a cry. 41.5.

(۳) صفحہ ۶۶/۱ مصرع دست را ساز دستون در زیر کوہ بیستون

Made his hand a pillar for the hill that had no pillar. 48.13.

(۴) صفحہ ۱۱۴/۶ "بی ستونے روان وایستادش بر چہار ستون"

بیستون سے یہاں مراد وہی مشہور پہاڑ ہے کیونکہ یہ فقرہ ہاتھی کے وصف میں ہے مگر ترجمہ -

It moved without props and yet stood on four colums. 75.6.

(۵) صفحہ ۶۸/۷ و فرمان داد کہ ہندوی سبز رنگ را ہر جا کہ دریابند چون سبزۂ [تر] وکاہ خشک بدروند

He ordered that whenever a green Hindu was found he was to be cut down like dry grass. 49.10.

ہندوؤں میں لال تو اکثر سنے جاتے ہیں - مگر ہرے ہندوؤں کا پتہ پروفیسر حبیب نے نکالا - لیکن یہ شعر ملاحظہ ہوں ،

دول رانی خضر خان ؎

بے زیبا کنیزے سبز فام است   کہ صد چون سرو آزادش غلام است (ص ۱۳۳/۱۳)

غنی کشمیری ؎

سبزرنگی بخط سبز مرا کرد اسیر دام ہمرنگ زمین بود گرفتار شدم

(۶) صفحہ ۶۸/۵ "چنانکہ تمامی سبزہ زار خضر آباد بران گونہ نمود کہ گوئی مردم گیا رستہ است"

It seemed that the meadows of Khizr-abad had grown men instead of grass. 49 par. II. l 10.

(۷) صفحہ ۸۳/۷ وچہار پایان چون پنجپایہ در آب می غلطیدند

The quadrupeds rolled like five footed animals. 58. 21.

(۹) صفحہ ۸۴/۱ خسرو اردشیر غلام شیرو یہ چاکر ملک کمال الدین گرگ را کہ گرگین این عہد است بہ نخچیر کردن گرازان آن بیابان نصب فرمود '

The interpid Emperor ordered his lion-hearted slave Kamal-ud-din Gurg, to hunt the beasts of the forest 55. 1.

اس فقرہ میں اگرچہ کوئی اشکال نہیں لیکن دیکھا جاتا ہے کہ حضرت مترجم نے ' اردشیر' کو جو ساسانی خاندان کا مورث اعلےٰ ہے۔ دو مختلف لفظ سمجھ کر ارد کو خسرو کی صفت قرار دیکر اس کا ترجمہ ' نڈر بادشاہ ' اور "شیر غلام" کا ترجمہ 'شیر دل غلام' کیا ۔ حالانکہ ' اردشیر غلام ' اور ' شیرو یہ چاکر ' خسرو کی صفت میں لائے گئے ہیں یعنے اردشیر کو غلام اور شیرویہ کو چاکر رکھنے والا بادشاہ الخ

(۱۰) صفحہ ۸۶/۱۱ ہنوز عقرب زین بر پشت اسپان نیش میزد '

عقرب زین وہ تسمہ ہے جو زین اور دمچی کے درمیان واسطہ ہے ۔ مگر پروفیسر اس

کا ترجمہ بچھو اور زین کرتے ہیں

The saddles were still stinging like scorpions on the backs of the horses.

60 par II l. 10 (bott.).

(۱۱) ص۸۸/۱۱ چون بیرون حصار از سوختہ شدن آن کندہای جہنم روشن شد'
یہاں کندہ بالضم انہی معنوں میں ہے۔ جن معنوں میں اُردو میں عام طور پر مستعمل ہے۔ جیسے کندۂ ناتراش اور دوزخ کاکندہ وغیرہ۔ حضرت مترجم نے اسے بالفتح پڑھ کر خندق یا غار کے معنوں میں لیا ہے

The exterior of the fort became bright owing to this illumination of the pit of hell. 61. 5.

(۱۲) ص۹۲/۵ "رایت آسمان سای ملک الشرقی بعزیمت کوچ ارتفاع یافت"۔
ملک الشرق (شاہ شرق) ایک قدیم خطاب ہے جو سلاطین خراسان کے لئے مخصوص تھا۔ چنانچہ سلطان محمود غزنوی کو بھی ملک الشرق کہا جاتا تھا۔ لیکن اس عہد میں یہ خطاب امرا کے لئے مخصوص ہے اور کئی امیر اس خطاب کے مالک ہیں اور یہاں بھی اسکی حیثیت خطاب کی ہے لیکن ترجمہ

The sky-towering standard of the Eastern Empire was raised up. 63. 2.

(۱۳) ص۹۶ سطر آخر:- ہر روز دیوانہ سواران لشکر را در پئے مقدمان لدر دیو تاختن فرمودہ بود"
یہاں دیوانہ سوار بمعنی دیوسوار (دیو مانند) ہے۔ دیو جامہ ایک خاص پوستین ہے۔ جسے الٹ کر پہنتے ہیں۔ پشم اوپر آجاتی ہے۔ اس کا پہننے والا دیو سوار

کہلاتا ہے۔ مگر پروفیسر نے تحت اللفظی "مست سوار" ترجمہ کیا ہے۔ چنانچہ

He ordered his enthusiastic men to go on playing the game against the muqa-ddams of Laddar Deo, day after day. 65. par. II. l. 2.

(۱۴) صفحہ ۱۰۲/۴ کمان ترکان اگر بہ خنک پی بود از بلندی بآسمان پہلومی زد، کہ کمان رستم" (کمان رستم = قوس قزح)۔

The excellent bow of the Turks rubbed its sides with the sky and claimed to be the bow of Rustam. 67. Par. II. l. 15.

(۱۵) صفحہ ۱۰۶/۱۴ واز تصور جواہر بسیار آب مروارید درون دیدۂ باطنش فرود آمد

آب مروارید = موتیا بند

And watery pearls tricked down his inner eye at the thought (of losing his enormous treasures). 70. 17.

(۱۶) صفحہ ۱۰۸/۱۲ بندہ لدّر دیو ناچار روئیں تنِ خویش را در گوشہ نہاد

The servant Laddar Deo, has been forced to lay aside his own bronze body in a corner. 71. 4.

یہاں روئیں تن کا لفظی ترجمہ جیسا کہ پروفیسر نے کیا ہے۔ ٹھیک نہیں۔ روئیں تن اسفندیار کا لقب ہے۔ اس لئے اس کے معنی پہلوانی بہادری و دلاوری کے آنے لگے

اور یہی معنی اس فقرہ میں مقصود ہیں'

(۱۷) صفحہ ۴۲/۱۲ "و علی بیگ و ترتاق کہ دو شہ شطرنج بودند' از استخوان کلان ملک آخر بیگ بر سرایشان حریفے درشت افتادہ بود"

یہاں استخوان ایک ہتیار کا نام ہے (ارۂ پشت نہنگ) لیکن پروفیسر نے اس کا ترجمہ بڑی ہڈی والا کیا ہے۔ یعنے

Ali Beg & Tartaq, the two kings of the chess board, were checkmated by their large-boned enemy, the Malik Akhur Beg. 28.2.

(۱۸) صفحہ ۶۴/۵ "پادشاہ بینا کہ میان سیاہی چتر بالعین انسان عین است"

انسان عین بمعنی مردمک چشم (آنکھ کی پتلی) ہے۔ پروفیسر اس کا ترجمہ "خیال انسان' کرتے ہیں

The wise king under the shadow of his canopy is like the "Idea of Man". 46.6 (bott).

(۱۹) صفحہ ۶۴/۱۰ و یصون من عین الکمال کمالہ

عین الکمال بمعنی نظر بد و چشم زخم ہے۔ پروفیسر نے 'چشم کامل' (کامل آنکھ) اس کا ترجمہ کیا ہے چنانچہ

And guard his perfection with a perfect eye. 46. last line.

الفاظ

بعض نہایت آسان آسان الفاظ کا ترجمہ بالکل غلط دیا گیا ہے۔ پروفیسر کے

کے نزدیک سیمرغ بمعنی شتر مرغ اور عنقا بمعنی عقاب ہے۔ نیز دیکھا گیا ہے کہ لفظ مشترک کو پروفیسر اس کے غیر مرادی معنوں میں لکھتے ہیں مثلاً غل (جمع اغلال) کو زنجیر کے بجای 'شور' کے معنوں میں لانا۔ نقل (بالضم) بمعنی گزک کو بالفتح پڑھ کر نقل ترجمہ کرنا۔ گل بالکسر کو بالضم پڑھنا۔ سہم فارسی بمعنی خوف کو عربی تصوّر کر کے تیر کے معنوں میں لینا۔ کشتی بالکسر کو کشتن بالضم پڑھنا۔ گز بمعنی درخت (جھاؤ) کو ماپنے کے گز کے معنوں میں لانا۔ ہندی جوہر کو فارسی جوہر تصوّر کرنا۔ خشت (نیزۂ کوچک) کو اینٹ کے معنوں میں لینا وغیرہ وغیرہ

(۱) صہ ۲۴/۴ سے

بین گنبد و حوض کش بہ تشبیہ صواب شد نیمۂ از بیضۂ سیمرغ خطاب

If you see the dome and the tank rightly, you will say that the former is like an ostrich egg. 20.3 (bott).

سیمرغ کا ترجمہ شتر مرغ صحیح نہیں۔ گنبد اور حوض کے درمیان واو غلط معلوم ہوتی ہے'

(۲) صہ ۳۸/۱۱ طوق آہنیں کہ مشتاق آن گردنہا بود بتواضع تمام شان معانقہ بہ غل میکرد' یہاں غل بمعنی زنجیر ہے۔ حضرت مترجم یا تو اس لفظ کو ترجمہ سے اڑا جاتے ہیں یا غلط ترجمہ کرتے ہیں'

The iron collar, which loves the mugh-als' necks, enclosed them with the greatest affection 24.16

بعض اور مثالیں دی جاتی ہیں :-

(۱) ص ۴۰/۱ س ۵

نمودار فتح دگر بر مغل علی بیگ و تر تاق بستن بہ غل

یہ شعر ترجمہ[1] سے چھوٹ گیا ہے۔ غُل یہاں زنجیر کے معنوں میں لایا گیا ہے۔

اس شعر سے لفظ مغل کے تلفظ پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اگلے مصنّف مغول بضم اوّل و دوم لکھتے ہیں جس سے قدرتاً مغل بضمتین آنا چاہئے نہ بفتح دوم جیسا کہ فی زماننا مروّج ہے۔ فیضی ایک شعر میں لکھتا ہے :۔

فتادند گجراتیان و مغل زمین گشت سرسبز و بشگفت گل

امیر خسرو کا شعر آئندہ بھی اسی عقیدہ کی تائید کر رہا ہے

(ب) ص ۴۳/۱۴ س ۵

شرح فتح دگر و قتل تمنہا ی مغل وان بہ حلق کپک سگ صفت افگندن غل

اس شعر میں غل بمعنی زنجیر ہے نہ بمعنی شور۔ پچھلے مصرع کا مطلب ہے۔ سگ صفت کپک کے گلے میں زنجیر کا ڈالا جانا۔

Account of another victory and the slaughter of the Mughal tumans, who had raised an uproar under the dog Kapak. 29. l1.

(۳) ص ۳۹/۸ وطبقهٔ اسارا را کہ نُقل دندان پیلان مست بوده اند' درجُرعہ گاہ قصاص ... یہاں نَقل بمعنی گزک ہے۔ حضرت مترجم نے بالفتح پڑھ کر بمعنی مثال و نمونہ استعمال کیا ہے۔

The prisoners, who looked like the teeth of mad elephants, were put to death. 25.7.

---

[1] دیکھو انگریزی ترجمہ ص ۲۶/۱ '

(۴) صفحہ ۲۴/۸ سہم بیلک زنان غزا در دل گذرانید و ہم از عقب خلہ کرد'

اس جملہ میں سہم بمعنی خوف ہے نہ بمعنی تیر'

But he was at last shot by an arrow, which penetrated his heart passed to the other side. 26 . 9 .

یہ ترجمہ ہمارے خیال میں بالکل غلط ہے۔ لیکن اس کے متعلق آیندہ۔

(۵) صفحہ ۲۴/۹ وگل خوشبوی ناگور را کہ از چندن سودہ حکایت میکند متن گردانید'

یہاں گَل بکسر ہے نہ بضم۔ سعدی ؎

گِل خوشبوی در حمام روزی رسید از دست محبوبی بدستم

The sweet nagori rose, which smells like rubbed sandalwood, turned fetid. 29.11.

(۶) صفحہ ۲۷/۱ و در آن کشت زار اجل سر میکشتند و گردن می درودند'

یہاں کشتن (بونا) بہ کسر اوّل ہے۔

In that garden of death heads were struck off and necks were cut open. 31 . 7 .

(۷) صفحہ ۲۷/۸ موکلان مالک

مالک داروغۂ دوزخ کا نام ہے۔ پروفیسر خدا کے معنوں میں لائے ہیں'

Angels of the Lord . 31 . 17 .

(۸) صفحہ ۲۷/۱۰ دران عرصۂ عرصات چون کافر بے حساب را بدوزخ فرستادند

اس عبارت میں عرصات بمعنی قیامت ہے نہ وسیع علاقہ جیسا کہ جناب مترجم نے سمجھا ہے'

Countless infidels having been sent to hell in that extensive territory. 31. 20.

(۹) ص۵۱/۶ سہ تا دران شادی کہ ہندو جملہ قربان گشتہ بود
دام و دد خوردند تنبول و حنا بستند دست
شادی بمعنی کتخدائی و بیاہ اُردو زبان میں آتا ہے نہ فارسی میں

In the marriage banquet, at which the Hindus were sacrificed, animals of all kinds ate them to their satisfaction. 35. 20.

(۱۰) ص۵۳/۴ "شہر نہر والہ کہ دران دیار دریای دیگر است و شہر کنبایت کہ دریا بپا شستن آن سرفرازی می نماید" - چونکہ کنبایت دریا کے کنارہ پر واقع ہے اور سمندر میں مد و جزر ہوتا رہتا ہے - اس سے مصنف کے یہ نکتہ ہاتھ آیا کہ دریا اس شہر کے پانو دھونے آتا ہے - صنعت حسن تعلیل ہے - مگر ترجمہ

As to the city of Nahrwala and the city of Kambayat (Cambay), which the sea raises its head to swallow up. 36. 19.

(۱۱) ص۶۱/۱۵ کالحمار فی الوحل
حمار، گدھے کو کہتے ہیں - فارسی والے اس ضرب المثل کا ترجمہ "چون خر در گل" کرتے ہیں - انوری سہ
ع گاو پا اندر میان وادد مران خر در خلاب - اور ترجمہ :-

Like black earth in the mire. 44. 6.

(۱۲) ص ۶۱/۲ مهندسان بینا

مهندس، ہندسہ دان و معمار و انجینیر کو کہتے ہیں ۔ لیکن پروفیسر نے اس کا ترجمہ جغرافیہ دان کیا ہے ۔ چنانچہ :-

Even clearsighted geographers 44 para II l. 1.

(۱۳) ص ۶۲/۲ ترا از عین عتاب ما تغیر چشم باید داشت

یہاں تغیر، تبدیلی اور منصب میں کمی کے مفہوم میں آیا ہے ۔ مگر پروفیسر اسے ' غصہ ' کے معنوں میں لائے ہیں

You are to expect nothing but anger from me 45.6.

(۱۴) ص ۶۵/۱ وا از جوش جیش تا سواحل بحرین زلزلہ درافگند

بحرین خلیج فارس میں چند جزیروں کا مجموعہ ہے اسکے علاوہ عربستان کا مشرقی سواحلی علاقہ جس میں الحسا بھی شامل ہے مع جزائر مذکور کے بحرین کے نام سے پکارا جاتا تھا ۔

The enthusiasm of the army shook the two seashores like an earthquake 47.10.

(۱۵) ص ۶۹/۱۰ اگر درین عہد برای نام رافض حقے طلب کنند، سنیان پاک را بر روی این خلیفۂ بحق سوگند یاد باید کرد ،

رافض حق = منکر خدا ' نہ رافضی جیسا کہ جناب مترجم سمجھے ہیں ۔ مطلب یہ ہے کہ اگر فی زماننا کسی ایسے شخص کی تلاش کی جائے جو برای نام بھی منکر خدا ہو تو تمام سنیوں کو اس خلیفۂ برحق کی خدمت میں قسم کھا کر یہ گواہی دینی پڑیگی ؎

لعمرک عاص لا یری فی زماننا بسیفک ان یزید فی الہند عصیانا

That should muslim schismatics (ra-fizis) in these days even nominally demand their rights, the pure sunnis would swear in the name this rightful caliph of God. 50. 4.

(۱۶) ص ۸۵/۹ و ہر رودی چنان ناہموار کہ رفتن آن بر بط بلکہ بر عنقا دشوار

مترجم نے عنقا کا ترجمہ عقاب کیا ہے :-

The river-banks were so steep that it would have been difficult for a duck, or even an eagle. 59. 19.

(۱۷) ص ۸۶/۴ درین اثنا ابر سیہ روی در مزلّات خلق گوہر ناتمام خویش پیدا میکرد۔

مزلّات بمعنی لغزش ہے۔ گوہر ناتمام سے مراد فطرت ناقص و خام طبعی ہے مگر ترجمہ

Furthermore, as the dark-faced cloud brought forth its unfinished pearls to worry the people of the army 59 l. 9 (bott).

(۱۸) ص ۸۶/۹ از غایت خامی جوہر آتش را سر بہ اثیر برکشیدند

مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اپنی حماقت سے آگ اتنی بلند روشن کی کہ کرۂ اثیر تک پہنچ گئی۔

In the excess of their folly, they drew the fire on to themselves. 61. 2.

(۱۹) صفحہ ۸۸-۸۹ مقدمان باقی ماندۂ حصار نیز خواستند کہ بقار خود را فداء جوہر کنند۔

The remaining muqaddams of the fort also wished to sacrifice themselves in the same element 61.14.

جوہر ہندی لفظ ہے جس سے مراد وہی جوہر کی رسم ہے'

(۲۰) صفحہ ۹۰ ہنگام نصب علم طوبیٰ شکوہ ملک نائب باربک طولی کہ کارفرمای بہشتیاں است

While the pious standard was being planted, the malik naib, commander of the army of heaven 62.3.

اس فقرہ میں 'طوبیٰ شکوہ' کا ترجمہ 'متقی' درست نہیں۔طوبیٰ بہشت کے درخت کا نام ہے۔طولیٰ بمعنی بلند قد و عالی مرتبہ ہے جو ترجمہ سے خارج کر دیا گیا ہے۔

(۲۱) صفحہ ۹۰ سطر آخر۔ از تیغ کوہ نظر تیز میکردند کہ چہار تیزی سوار ہندو در نظر آمد۔

تیغ کا ترجمہ پہاڑ کی چوٹی اور تیزی بمعنی اسپ تازی ہے۔

On looking carefully from the hill four swift Hindu horsemen came into sight. 62.13.

(۲۲) صفحہ ۹۱ سطر آخر۔ و بعضی کہ بی سنگ بودند خشت و تزوپین می انداختند

Others, who had no stones were busy in

throwing bricks and javelins 62. l. 4 (bott.)

خشت اس فقرہ میں اینٹ کے معنوں میں نہیں بلکہ بمعنی 'نیزۂ کوچک' "کہ" درمیان حلقۂ ابریشم یا ریسمان بافتہ بہ بندند و انگشت سبابہ دران کردہ بجانب دشمن اندازند - نظامی

؎ یکی خشت پولاد الماس رنگ برآورد و زد بر دلاور نہنگ

(۲۳) صفحہ ۹۳ حصار را کہ ہندوان درو چون برسان گز پای در دامن استراحت دراز کردہ بودند و خفتہ بیداران لشکر بہ گز بیداری می پیمودند'

عبارت بالا میں پہلا گز ایک درخت کا نام ہے جسے اُردو میں جھاؤ کہتے ہیں اور جو زمین پر پھیلتا جاتا ہے۔ دوسرا گز ماپنے کا آلہ ہے مگر ترجمہ :-

Inside the fort the Hindus slept at ease, like reclining yard measures; outside the watchmen of the Imperial army were wide awake. 63 Par. II l. 12.

(۲۴) صفحہ ۹۴ چون شام ہندو چہرہ بر آفتاب شبخون آورد و خواب شبر و بر دروازہای چشم تاختن برد و حصار دیدہ در بندان شد

When the Hindu faced evening had made a night-attack on the sun and sleep had closed portals of the eyes and besieged the fort of the pupil. 64. 5.

شام ہندو چہرہ کا ترجمہ 'ہندو کے سے چہرہ والی شام' ٹھیک نہیں۔ یہاں ہندو بمعنی سیاہ ہے۔ در بندان بمعنی دربندی ہے۔ یعنے حصار چشم کی دربندی ہو گئی۔

(۲۵) ص ۹۴/۱۲ چون نزدیک دل شب شد و شهاب سوی دیوان ظلمت تیر انداز گشت و ماه کامل سپر کوکب بر سر آورد

Near midnight, when the meteors had begun to shoot towards the besieged demons and the moon had brought forth its full shield 64. 10.

دیوان ظلمت کا ترجمہ تاریکی کے دیو ہونا چاہیئے۔ کامل ماہ کی صفت ہے یعنے پورا چاند چودھویں کا چاند۔ حضرت مصنف اس سے پیشتر فرما چکے ہیں کہ شاہی لشکر منتصف شعبان میں ارنگل پہنچا ہے۔ کوکب (کوکبی۔ ستارہ دار) سپر کی صفت ہے)'

(۲۶) ص ۱۰۲/۲ کاوندگان سخت بازو بہ کاوکاو تمام در قلع حصار درنشستہ بودند

Powerful diggers, with the greatest noise, sat down to open a way into the fort. 67 par. II l 7 (bott.).

'کاوکاو' مصدر کاویدن کا حاصل مصدر ہے۔ جسکے معنے محنت و کاوش و جستجو وغیرہ ہیں۔ پروفیسر صاحب نے نہ معلوم کس سند پر اسکے معنے 'شور' دیے ہیں۔ قلع کے معنے کھودنے اور بیخ کنی کے ہیں نہ راہ پیدا کرنے کے۔

(۲۷) ص ۱۰۲/۲ نردبان چوبین ہر فروتری را از سوی اسلام' برای درجۂ جہاد پایۂ ہرچہ بالاتر میداد

The wooden ladders raised their feet to the highest elevation from the greatest depth for the sake of Islam 68. 3.

'ہر فروتری را' (یعنے ہر ادنٰے سپاہی کا) پروفیسر نے 'بڑی گہرائی' ترجمہ کیا ہے جو درست نہیں۔ اور 'از سوی اسلام' کا ترجمہ 'برای اسلام' درست نہیں بلکہ 'اسلام کی طرف کے' مطلب یہ ہے کہ زینۂ چوبیں اسلام کے ادنٰے ادنٰے سپاہی کو جہاد میں درجہ حاصل کرنے کے لئے پایۂ بلند دیتا تھا۔

(۲۸) صفحہ ۱۱۳ شعر ہے شب ہمانجا بہ زبر دستی خود بنشستند زیر دست آمدرا پای شدن بشکستند

That night they established themselves there in force, and broke the legs of those who wanted to dislodge them p 68. Par I, last line.

'بزبردستی' کا ترجمہ (in force.) ٹھیک نہیں بلکہ زبردستی سے۔ دوسرا مصرع ترجمہ میں بالکل غلط ہوگیا ہے۔ شاعر کا مطلب ہے کہ جو انکے قابو چڑھ گیا اس کے جانے کا پانو توڑ دیا یعنے جانے نہیں دیا بلکہ وہیں مار رکھا۔

(۲۹) صفحہ ۱۱۳ بہ کیمیائی گشتند بعد ازان مشغول کہ چون دہند زری راکہ کردہ اند قبول

کیمیا اس شعر میں بمعنی چارہ و تدبیر ہے۔ شاہنامہ میں بکثرت آتا ہے ے

یکی آنکہ گفتی کہ کین نیا بجستم من از چارہ و کیمیا

Next they busied themselves with alchemy in order to pay the gold they had promised 74.21.

(۳۰) صفحہ ۱۱۴ برنج خواری برنج بر دندانش ماندہ حوض آشامی چشمہا از بینی بیرون راندہ

Contented to live on rice, in its anger it could, never-theless, drink up a whole pond. 75. 13.

یہ فقرہ ہاتھیوں کے ذکر میں ہے اور پروفیسر اسکے ترجمہ میں راہ راست سے بھٹک گئے ہیں۔ امیر کہتے ہیں وہ چاول کھاتا ہے اور پیتل (برنج) اسکے دانتوں پر چڑھا ہوا ہے۔ حوض پی جاتا ہے لیکن چشمہ اسکی ناک (سونڈ) سے جاری ہو جاتا ہے۔

مُحاورات

فارسی زبان محاورات میں خصوصیت کیساتھ مالا مال ہے۔ اس زبان میں اگر کوئی مشکل چیز ہے تو یہی محاورے ہیں۔ مگر پروفیسر حبیب شروع ہی سے انکے وجود کے قائل نہیں معلوم ہوتے اور نہ ان تغیرات کو جو عبارت کے معانی و مطالب میں انکی وجہ سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ تسلیم کرتے۔

(۱) صہ ۱۶ و بعضے ازان بسرتازیانہ چابک پیچان را میدہد کہ ہنگام سواری' تازیانہ چابکی' بپای خیزرانی آہو رسانند'

اس عبارت میں' بسرتازیانہ' محاورہ ہے جس کے معنے درحال و معاً ہیں۔ انوری ؎

خسرو بہ سر تازیانہ بخشد   چون ملک عراق ارہزار باشد

پروفیسر نے اسکا ترجمہ' تازیانہ کی ضرب' کیا ہے جو بالکل ناواجب ہے۔

Some of these horses he gives to the horse-breakers, so that with the strokes of their whips they may make the horses run as swift a deer. 9.16.

اس ترجمہ میں اور غلطیاں بھی ہیں لیکن ہم یہاں ان سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔

(۲) صہ ۱ چون محترفہ آن حدّت معاینہ کردند از میزان آہن نگذشتند۔

' از چیزی گذشتن' کنایہ' از ترک آن چیز کردن' ہے۔

When the shop-keepers saw this severity, they did not meddle with the iron-weights, 10.9

مطلب یہ ہے کہ جب دکانداروں نے یہ سختی دیکھی لوہے کے باٹ اختیار کر لئے اور پتھر کے باٹ ترک کر دیے۔ پروفیسر کا یہ خیال کہ دکانداروں نے لوہے کے باٹوں سے کوئی سروکار

نہیں رکھا بروی سیاق و سباق درست نہیں '

(۳) ص ۳۲/۱ امسال خود باشتعال سخون فلک متحرک یکبار کہ بروی گرم شد بی آبش کرد' چنانکہ درونہ حوض ازین بی آبی بتر قید و پارہ پارہ گشت '

اردو میں 'حرکت' اور 'حرکتی' بمعنی شرارت و شریر اب بھی مستعمل ہیں۔ یہ استعمال غالباً تورانی اثر کی بنا پر فارسی سے ہماری زبان میں آیا ہے۔ عبارت بالا میں 'متحرک' بمعنی شریر آیا ہے۔ اسکو خواہ استعمال ہند کہو یا جیسا میں نے اوپر عرض کیا ہے تورانی اثر کہو مگر یہ یقینی ہے کہ آٹھویں اور نویں صدی ہجری میں 'متحرک' بمعنی شریر ہندوستان میں عام طور پر رائج ہے۔ برنی کی تاریخ میں اس قسم کا محاورہ موجود ہے۔ اگرچہ متحرک بمعنی حرکت کنندہ و گردش کنندہ ہے۔ لیکن فقرۂ بالا میں بحیثیت محاورہ بمعنی شریر استعمال ہوا ہے۔ مگر ترجمہ :-

This year the revolving sky flared up all of a sudden and the water of the tank evaporated thoroughly that its bottom cracked and broke into pieces. 19 par III, l. 9.

اس فقرہ میں فاعل آفتاب ہے نہ آسمان جیسا پروفیسر سمجھتے ہیں

(۴) ص ۳۹/۱ وشکالان دشت را برلب آب عشرت فرمودند و شیر گیر گردانیدند

The jackals of the forest collected together and held a feast by the river side. 24. II 2.

پچھلا فقرہ ترجمہ میں چھوٹ گیا ہے 'شیر گیر' سے مراد 'دلیری بحالت مستی' ہے۔ شیر گیر تلمیح ہے ایک کفش دوز کے قصّہ کی طرف جو شراب کے نشہ میں شیر پر سوار ہو گیا تھا۔ جب بہرام گور نے شراب خواری کی ممانعت کر رکھی تھی۔ اسوقت سے یہ مثل بنی ہے "شراب نہ چندان باید خورد کہ افتد و کلاغ چشم آدمی را برآورد بلکہ آنقدر باید خورد کہ مست و شیر گیر شود۔ خسرو

در سلطان نامہ ؎

پذیرفتہ بر شیر پایہ سریر   شد از بس طرب مشتری شیرگیر

(۵) ص ۲۳/۱۴ ؎ منصوبۂ لعب او چنان راست افتاد   کو جان عزیز برد بازی بازی

یہاں بازی بازی محاورہ ہے جو ہمارے اردو محاورہ سے بہت قریب ہے یعنی کھیل کھیل میں۔ ہنسی ہنسی میں۔ مفت میں۔ صائب ؎

بنای طاقت من گرچہ بود از بیستون افزون   ببازی بازی آخر پایمال نے سواران شد

The Emperor was so successful in the sport that he took their lives in one game after another 28. (*last line*).

(۶) ص ۲۵/۸ بر سر آب علی داہن موجی از جیوش دریا جوش مسلمانان در رسید و کپک لعین میان تیزاب تیغ افتاد و دست و پا زدن گرفت '

'دست و پا زدن' محاورہ ہے اسکے معنے ہاتھ پاؤں مارنا - جد و جہد کرنا اور کوشش کرنا۔ اردو میں اسی محاورہ کا لفظی ترجمہ کر لیا گیا ہے۔

On the banks of the ab-i-ali the mughals were overtaken by a weak wave from the swelling stream of muslim enthusiusm. The accursed Kapak fell into a rushing torrent of swords and began to strike out his hands & feet. 30.2.

(۷) ص ۲۵/۱۱ تا آن سگ آبی را با آبیان دیگر بدرگاہ دولت مآب اعلی رسانند -

'آبی' بمعنی سرکش و منکر - دول رانی ص ۲۶/۱۳ ؎

منم سنبل ترا یک بندہ داغی   نہ آن سنبل کہ شد آبی و باغی

اور خزائن الفتوح صفحہ ۹/۵ "دریکدم آن ہمہ مردم آبی میان سیل خون غرق گشتہ بودند" مگر ترجمہ

In order to send the water-dog with the other aquatics to the Imperial Court. 30.7.

(۸) صفحہ ۵/۳۵ ع کنون گویم فتوح ہند و از گجرات گیرم سر

از سر گرفتن' از سرِ نو شروع کرنا اور تجدید کرنا مگر ترجمہ

I come to the conquest of the Hindus of Gujrat 35.4.

مصرع کا اصل مطلب ہے - اب میں فتح ہند کی داستان لیتا ہوں اور گجرات سے شروع کرتا ہوں

(۹) صفحہ ۶/۴۹ و رعایای خوشہ چین را کہ از ایشان خار خاری سر بر نزند نہال کرد

خار خار کے معنے خلش و داغ و دغدغہ و خدشہ ہیں۔ نہال کردن' مالامال کرنا۔ کامیاب کرنا وغیرہ مگر ترجمہ

And helped the raiyats, the cultivators of the land, among whom no thorn raises its head, to grow 49 par. II. l. 13.

خار خار کا ترجمہ 'کانٹا' اور نہال کرد کا ترجمہ 'مدد دی' دونوں غلط ہیں

(۱۰) صفحہ ۷/۵۱ سی ہزار چابک پیچان را بہ سر تازیانہ برای ارتیاض شموسان آن لشکر برابر او روان کرد

With him were sent thirty thousand horse-breakers, scourge in hand, to train the haughty horses of the rebel army. 51.10.

سرِ تازیانہ' پروفیسر صاحب نہیں سمجھے۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ چابک سوار چابک ہاتھ میں لئے
ں بلکہ یہ مقصد ہے کہ پادشاہ نے باشارۂ تازیانہ یا فوراً روانہ کر دیا۔ یہ محاورہ پہلے
ی آچکا ہے'

(١١) ص۵۵ تا آن ہمہ بزان باگر را از خار خارِ [کرگان] آن زمین باز رہاند۔
رخار کے معنے وہی تشویش و دغدغہ ہیں۔ باگر (باگڑ) علاقہ کا نام ہے

In order that he may guard the young she-goats from the thorns of the territory. 55.

(١٢) ص۵۷ "واز ہر دزی صد ہزار جوال دوز سر بر زدہ"
رز = دراڑ۔ جوال دوز = سُوا۔ بوری ٹاٹ وغیرہ سینے کی موٹی سوئی۔ سر بر زدن =
بھرنا۔ سر نکالنا۔ مطلب یہ ہے کہ زمین کے شگافوں سے سوے کی طرح موٹے موٹے
کھوں کانٹے سر نکالے ہوئے تھے۔ مگر ترجمہ :-

Every mound had a hundred thousand pointed thorns stuck to its head. 57. 10.

(١٣) ص۵۷ 'واز جنبش بارکشان سم شگافتہ زہرہ زمین شگافتہ می شد'
زہرہ شگافتہ می شد" = پتہ پھٹ جاتا تھا

The movement of cloven footed baggage bea despoiled the earth of its bloom. 57. l. 6 (bott.)

زہرہ شگافتہ می شد' سے پروفیسر یہ سمجھے کہ زمین کی بہار ماری گئی۔ وہ زہرہ کو کلی کے
معنوں میں سمجھ رہے ہیں'

(١۴) ص۵۸ زمینی پر از سنگلاخہای درشت کہ ہندوان را بارہا در گذشتن آن دل افتادہ بود
دل افتادن = دل چھوٹنا۔ دل بیٹھنا۔ سلطان نامہ سے

چو ہندو زبیلک بگل می فتاد غزان را ازان زخم دل می فتاد

مطلب یہ ہے کہ زمین سخت پتھریلی تھی اور ہندو بھی اسکے طے کرتے وقت اکثر جی چھوڑ بیٹھتے تھے۔ ترجمہ :-

The ground was overlaid with hard rocks, which the Hindus had often vainly attempted to cross, 59.10.

(۱۵) صفحہ ۸۹/۵ "وحالی آن چراغ مردۂ ہندوان را برای زندگانی زبان دادند"

زبان دادن = قول دینا۔ زبان دینا۔ خسرو در سلطان نامہ سے

امان دادش از خنجر لاابالی بپاداش تیغش زبان داد حالی

But next, this low-burning lamp of the Hindus (i-e. Ananir) was given a tongue to ask, for his life 61.13. (Bott.)

(۱۶) صفحہ ۹۰/۷ "تا بیدینی چند را اگرچہ خنجر چون برگ بید بر دست گرفتہ باشد زبان گیر گیرند و اخبار آن زمین پرسند"

And capture a few infidels, though the daggers of the latter may be as numerous as the leaves of a willow, in order to make inquiries from them about the condition of the country. 62.6.

"زبان گیر" ترجمہ میں ترک کر دیا گیا ہے۔ اسکے معنے ایسا شخص ہیں جو دشمن کی فوج سے گرفتار کیا جائے اور اپنی فوج کی تعداد و نقل و حرکت کے متعلق مفید اطلاع دے سکے۔ ظہوری

۵ باآن ہمہ جاسوسی خود گوش گرفتم   خاموشی ما را چہ زبان گیر برآورد

(۱۷) ص ۹۱/۱ یکی را بہ تیر چہار پری سپری کردند و کاچکش بخدمت سرلشکر فرستادو او خود
فالی دید درین پوست باز کرده

They succeeded in knocking down one of the four with a four-feathered arrow and sent him to the Commander-in-chief. The latter took it as a good omen. 62. 15.

سپری کردن بمعنی ختم کردن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک کو کھیت رکھ لیا اور اسکا سر (کھوپڑی)
سپہ سالار کی خدمت میں بھیجدیا۔ پوست باز کرده = صریح و علی الاعلان ترجمہ سے چھوٹ گیا ہے

(۱۸) ص ۹۲/۱۲ و دران شب خواجہ نصیر الملک سراج الدولہ اضاء اللہ برات عمره بذات خویش
چراغ بر کرده لشکر را قسمت میکرد

On that night Khwaja Nasirul Mulk Sirajuddoulah (may God illuminate the night of his life!) personally arranged the troops with alighted lamp. 63. par. II. l 3.

اور امور سے قطع نظر، چراغ برکردن، چراغ روشن کرنے کے معنوں میں آتا ہے۔ مگر یہاں بحیثیت
محاورہ استعمال میں آیا ہے یعنے 'کمال تحقیق و تدقیق اور غور و احتیاط' مراد ہے۔ برنی کے ہاں
یہ محاورہ استعمال ہوا ہے چنانچہ " و ہر سال در ایام زمستان بالشکر خاص خود از دیبالپور بیرون
آمدی و تا سرحدہای مغل برفتی مغل را چراغ برکرده طلب کردے و مغل را مجال نمانده بود کہ بر
سرحدہای خود بر طریق گشت بیایند" (ص ۳۲۳/۲ تاریخ فیروز شاہی)

(۱۹) ص ۹۷/۴ سر تازیانہ بالای مرد (کذا) [تازیانہ بالا مردی؟] کہ در لشکر بود بجاہکی براسپ

می پیچید و بازی بازی ازان سربازان گوی می برد

Every horsemen in the army whipped his animal and in several matches brought away the 'balls' of those desperate Hindu warriors

65. Par. II. l. 9.

اس ترجمہ کو صحیح تو نہیں کہا جا سکتا - تازیانہ بالا مرد = تازیانہ کے سے قد والا آدمی - بہ چابکی = چالاکی سے' - بر اسپ می پیچید = گھوڑے سے لپٹ گیا - چپک گیا - مطلب یہ کہ سوار ہو گیا - بازی بازی = کھیل کھیل میں - آسانی سے - گوی می برد = غالب آتا تھا

(۲۰) صفحہ ۱۱/۱ واگر در سیاست معاندان فرمان نفاذ یابد' از بن دندان در پذیرند' خدای شان پیشانی داده است کہ خاص خدمت درگاہ سلطنت را شاید'

'از بن دندان' مراد از کمال رغبت و رضا - مجد ہمگر ؎

گر شبی بر لب شیرین تو فرمان بدہم — جان شیرین بہ مسرت کہ ز بن دندان بدہم

علیٰ ہذا پیشانی' یہاں بمعنی اہلیت و شائستگی ہے۔" و اینکہ میگویند فلانی پیشانی این کار ندارد مراد آنست کہ شائستگی و لیاقت این کار ندارد - صائب ؎

مشکل کہ کشاید گرہ از رشتۂ کارم — ابروی تو پیشانی این کار ندارد

And if order for the punishment of rebels is given the elephants would execute it with their teeth. God has given them a forehead peculiarly fitted to render obedience at the Imperial Court. 72.22

(۲۱) صفحہ ۱۱۲/۱۵ رای نیز چون برگ زر لرزان گشت' ہر چند روی سخن را ملمع کردند تو اش

And he too began to shake like
a gold leaf. The ambassadors ornamented
their speech, but the Rai could not regain
his stability. 74.17.

نمی آمد

برگ زر کی جگہ برگ زر دزیادہ موزوں ہے۔ سخن را ملمع کردند یعنے بات بنائی۔ استوار آمدن = یقین آنا '

عام اغلاط

اس عنوان کے ذیل میں ہر قسم کی اغلاط شامل ہیں مگر یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ فہرست تمام غلطیوں پر حاوی ہے۔ کیونکہ اوّل تو بہت سے مقامات مجھ کو خزائن الفتوح کے متن کی نادرستی کی بنا پر چھوڑنے پڑے۔ اگرچہ عبارت متن کی درستی میں حتیٰ الامکان کوشش کی گئی۔ اسی طرح خفیف خفیف غلطیوں کو بھی ترک کر دیا گیا ہے

ص۳ و جواہری کہ بحتری و ابوتمام را عطانہ فرمودہ بود در ذیل صحیفۂ انشاء من ریخت اگرچہ ہر دری ازانہا بود کہ مشتری قیمت آن نداند معہذا نہ در آن نمی بود کہ نثار درج آن جناب فلک مآب را شاید '

Gems such as had never been bestowed
on Bukhtari and Abu Tamam were show-
-ered on my pages; though every one of them
was as Venus could not afford to purchase,
yet none was worthy of being used in praise
of the celestial monarch. 2.9.

بحتری غلط - صحیح بُحتُری بضم یا وسکون حاء حلقی - علیٰ ہذا ابو تمام بتشدید میم اوّل ہے نہ بہ تخفیف - پروفیسر صاحب کو ان ناموں پر حاشیہ دینا چاہیے تھا - مشتری کا ترجمہ انگریزی میں ' جوپیٹر ' (Jupiter) ہے نہ وینس (Venus) جیسا کہ پروفیسر نے لکھا ہے لیکن مشتری کے معنی یہاں ' خریدار ' زیادہ مناسب ہیں '

صہ و ہر نظمی کہ بنادہ پیش می برد اگرچہ ہمہ دروی جز بحر خشک نمی باشد از عین عواطف آن را آبی تمام بحاصل می آید چنانک سفائن نفائس بندہ بمدد این موج الطاف در خشکی و تری روان می گردد '

For every poem I present to the Emperor, though it may be nothing else but a dried up river, is yet filled with water through the stream of his kindness, and aided by the favourable current, boats of my mind can float through all regions of land and sea. 2. para II. l.3.

امیر نے اس فقرہ میں صنعت ایہام سے کام لیا ہے - چنانچہ بحر سے مراد عروضی اوزان کا باب ہے نہ دریا - عین تخصیص کے واسطے آیا ہے نہ بمعنی چشمہ - آب بمعنی رونق و آب ہے نہ پانی کے معنوں میں - سفائن سے مراد بیاضین ہیں نہ کشتیاں حضرت مصنف کا مطلب یہ ہے - کہ جو نظم میں پیش کرتا ہوں اگرچہ خشک وزن کے سوا اس میں کچھ نہیں ہوتا لیکن پادشاہ کی خاص مہربانی سے اسکو رونق مل جاتی ہے چنانچہ (میرے کلام کی) بیاضیں شاہی لطف کی بنا پر بحر و بر میں جاری ہیں '

صہ خواستم کہ برای سدّہ والا نثری نیز بیارایم '

I also wished to adorn some pages of prose for the high festival 2.7 (bottom).

اس جملہ میں سدّہ بتشدید دال بمعنی آستانہ ہے نہ بمعنی جشن۔ پروفیسر کو ایرانیوں کے جشن 'سدہ' کے ساتھ التباس ہو گیا ہے '

ص۱۴/۴ و سلسبیل سخن نیز ہمان قدر [است] کہ تا لب گور زبانی بدان تر کنند

The fountain of my words will only enable the reader to moisten his lips. 3.4.

یہ جملہ معطوف ہے ایک اور جملہ پر جسکا مطلب ہے کہ سرمایۂ حیات بس اسی قدر ہے کہ انجام کار اس سے ہاتھ دھو لیں اور جملۂ بالا کا مطلب ہے کہ سلسبیل نطق بھی بس اتنا ہی ہے کہ کنارۂ گور پہنچنے تک اس سے لب تر کئے جا سکیں '

ص۱۱/۵ و اگر از بی ہنری صیقلی گر طبع چیزی از تصویر آتش برعکس افتادہ بود اشارت راند کہ بحد امکان راست کردہ شود امّا ازین آئینہ روی نگرداند کہ خیال ذو وجہین کان لم یکن گردد '

But if from inartistic or crooked execution, there is anything in it contrary to the picture of fire, he will signify so, in order that I may correct it so far as possible. I hope, however, that he will not turn away his face from it, for then my images will vanish as if they had never been 3.19.

یں 'صیقلے گر طبع' کی جگہ 'صیقلی گر طبع' اور 'تصویر آتش' کی جگہ 'تصویر آتش' پڑھتا

ہوں۔ حضرت مصنّف کا منشا یہ ہے کہ اگر میری طبیعت کے صیقل ساز کی ناقابلیت
کی بنا پر اسکی تصویریں درست نہ ہوں تو مہربانی کرکے ارشاد کر دیا جائے تاکہ انکی
درستی کر دی جائے۔ لیکن اس آئینہ (خزائن الفتوح) سے اعراض نہ کیا جائے۔ تاکہ
اس کے تعلق میں دو رائیں پیدا ہونے کا سوال معدوم ہوجائے'

صفحہ ۱۲ شعر "تا ازین نور و دخان احداب دین روشن کنند
فضل رحمٰن و تبارک در حق این شاہ عصر

So that the success of the faith may be estimated from the light and the smoke. May the kindness of the merciful bless the Emperor. 3.3 (bottom)

احداب کی جگہ میں 'احزاب' بمعنی گروہ پڑھتا ہوں۔ رحمٰن اور تبارک کے درمیان واو
غلط معلوم ہوتی ہے۔ نور۔ دخان۔ احزاب۔ رحمٰن اور تبارک قرآن مجید کی سورتوں کے
نام ہیں۔ روشن کردن = معلوم کردن اور شعر کا مطلب ہے کہ اس نور اور دخان سے
اصحاب دین خدای تبارک و تعالےٰ کی مہربانی اس شاہ عصر کے حق میں معلوم کرلیں۔

صفحہ ۱۲ کہ عثمان وار آیات رحمت رحمانی را در جلد مصحف وجود چگونہ جمع آوردہ است

How like Usman, he has brought the benevolent words of God into the book of realisation 4.3.

مصنف کا مقصد ہے کہ حضرت عثمان کی طرح (پادشاہ نے) رحمت الٰہی کی آیتوں کو اپنے
وجود کے مصحف میں جمع کر دیا ہے'

صفحہ ۱۱ و ہر جا کہ در جنگلہا مواسات خاری و بائی بود یا در کرانہای آب خود رستہ
آبی ہمہ را پایمال لشکر کرد۔

Whenever in the forest or by the bank of the river, there was a mavasa, whether in cultivated land or wilderness, he trod it underfoot with his army. 5.6.

مواس (= جائے پناہ وحصن) تاریخ فیروز شاہی میں بھی آتا ہے۔ "وہم دران نزدیکی مواسی بود دران خزیدند و بعد چند روز مقدم آن مواس اورا بہ سلطان جلال الدین فرستاد" (ص۱۸۱ فیروز شاہی از برنی)۔ مواس ہندی لفظ ہے۔ خاری = فتنہ ساز و آزار رسان۔ باغی سے مراد باغ نہیں ہے بلکہ بغاوت کرنے والا۔ خودرستہ = آزاد و سرکش، آبی = منکر و باغی۔ مطلب ہے کہ جنگلوں میں جہاں جہاں فتنہ پردازوں اور باغیوں کی گڑھیاں تھیں یا دریا کے کنارے خود سرو سرکش تھے۔ سب کو اسنے اپنے لشکر سے پامال کر دیا۔

ص۹ برسان باد تند کہ بر شاخسار زند تاختن آورد و از برگ و منالش خالی فرمودہ ورای رامدیو را کہ دران ریاض شجرۂ بود بس عالی اصل و ہیچ گاہ صرصر حوادث بروی آسیبی نیاوردہ اول بعاصف قہرش مستاصل گردانید و بار دیگرش از سر نہال کرد تا بخت آزاد گشت (فاعل علاء الدین ہے)۔

And striking its branches like a storm, cleared them of their leaves and fruits. Ram Deo, a tree of noble origin in that garden, had never before been injured by tempestuous wind of misfortune; but (the Sultan) in his anger first uprooted him and then planted

him again, so that he once more grew into a green tree 5.10.

اس فقرہ میں بھی صنعت ایہام ہے۔ برگ یہاں بمعنی بعید 'سامان و رخت' ہے اور نہال بمعنی 'مالا مال' ہے۔ مترجم کے بیان کردہ معانی یہاں چسپاں نہیں'

ص ۲۵ بعد ازین تاریخ خیراتی کہ ازین تاجدار عالی مآثر بر طبقات زمین ظاہر شود امید از حضرت ملک بخشی کہ آثار تاجوران دیندار را بر صحائف روزگار رقم خلود بخشد چنانست کہ تحریر آن بر نمطی در قلم آید کہ عزیز السیر سلاطین آفاق گردد

I hope from almighty God that he will for ever preserve the memory of pious kings on the page of time. And may the excellent virtues of the Emperor be recorded (in this book) in such a way as to become famous throughout the world. 5.25.

اس فقرہ کا ترجمہ ہے کہ اس تاریخ کے بعد جو خیر و خیرات اس تاجدار معالی آثار سے زمین کے پردے پر ظاہر ہوگی خدای ملک بخش سے (جو دیندار سلاطین کے آثار کو زمانہ کے صحیفوں میں پایندگی کی رقم بخشتا ہے)، امید ہے کہ اس کا بیان اس طرح حوالۂ قلم کروں کہ شاہان عالم کے مطالعہ میں مقبول ہو'

ص ۲۵ و سخن بمثابتے بلند گفتہ شود کہ آوازۂ نوبت سنجری را فرو پوشد و غلغل کوس محمودی را مغلوب گرداند۔ اگرچہ ہر مقامۂ حکایتی ازین مغازی در تدبیر جہانبانی و کشورستانی رای آرای شاہان گیتی دار و خسروان ظفر شعار است

And may the pitch of my voice rise high

enough to drawn the drums of Sanjar and Mahmud, though in affairs of Government and conquests they were great and successful monarchs. 5.1, (from bottom).

اس فقرہ کا پچھلا حصّہ قابل اعتراض ہے جس کا مطلب ہے کہ اگرچہ اس جنگ نامہ کا ہر مقامہ (فصل)، ملک داری اور ملک گیری کی تدبیریں شاہان عالم کی آرا کی تہذیب و تزئین کرتا ہے'

ص ۱۱/۲ کہ این محمد موسیٰ قوت نیل شمشیر از سر جبلّی فراعنۂ کفر بگذارد و گنجہائی قاروُنی رایان از زیر زمین برکشد و جانب کشندگان کافرعون فرماید

That this moslim moses was to seize their powerful swords from all infidel Pharaohs and dig out of the earth the immense (Qaruni) treasures of the rais. 6.5.

محمدؐ علاءالدین کا نام ہے۔ پہلے فقرہ کا ترجمہ یوں ہونا چاہیے کہ یہ موسےٰ کی سی قوت والا محمد اپنی نیلی تیغ کفر کے فرعونوں کے سر پر چلائیگا۔ آخری فقرہ ترجمہ سے چھوٹ گیا ہے

ص ۱۳/۱۲ آنکہ بگیرد و نتواند داشت آن گرفت بروی گرفتہ بود و واجب است کہ جہانی بروی گرفت کند تا آواز آن گرفت جہان گیرد۔

The man who conquers but can not retain, is in fact himself conquared. And it is inevitable that when he seizes the world, the world should seize him. 7.20.

یہ ترجمہ قابل گرفت ہے۔حضرت مصنّف کا تو یہ مطلب ہے کہ جو شخص ملک گیری
کرتا ہے۔مگر ملک داری سے ناواقف ہے۔ایسی ملک گیری قابل گرفت ہے۔سب
کو لازم ہے کہ اسپر اعتراض کریں تاکہ اس اعتراض کی آواز سے تمام عالم گونج اٹھے

صفحہ ۱۵/۴ و بمیزان سنبله زرمی بخشد تا ہر کہ صفراست حوت وار غرق تنگۂ زر
و سیم می شود'

He gives away treasures by the balance of virgo, so that, people, who only possessed copper, are drowned under tankas of gold and silver like the Pisces. 8. l 5 (from bottom)

صفر سے مراد خالی اور نادار ہے یعنے جو غریب ہے۔اہل تنجیم کے ہاں صفر برج حمل
کی علامت ہے'

صفحہ ۱۶/۵ و این وافر جود ہر روز چندین جواد را بمحتاجی می بخشد

And the Emperor every day gives away fortunes to the necessitous 9.12.

یہاں جواد گھوڑے کے معنوں میں ہے نہ دولت کے معنوں میں کیونکہ اس عبارت
میں گھوڑوں کا ضلع چل رہا ہے'

صفحہ ۱۶/۷ وبعضی ازان [بسر] تازیانہ چابک پیچان را میدہد کہ ہنگام سواری تازیانہ
چابکی بپای خیزرانی آہو رسانند و بعضی تیزی یانی و ہندی بپایکیان احاد روا میدارد
تا بموافقت تیغ زیر رکابی سپرکش ایشان میگردد

Some of these horses he gives to the horse-breakers, so that with the strokes of their whips

۱۱۳۸۱۵۹

they may make the horses run as swift as deer. Others are given to the paiks (footmen) so that they may ride on them with the help of their sharp stirrups. q. 16.

بسر تازیانہ = باشارۂ تازیانہ - فوراً و معاً - تازیانہ چابکی = تازی گھوڑے کی سرعت
خیزران = بید - تیزتگی = تازی (مجازاً اسپ) - تیپرکش - ڈھلیت - بارکش -
تیغ زیر رکابی = تیغی کہ زیر دامن زین ہمراہ اسپ سواری باشد - وحید ؎
بہ پیش ابروی پرچین تو زبان ختاب چو تیغ زیر رکابی ہمیشہ بیکار است
مطلب یہ ہے کہ بعض ان میں سے فوراً چابک سواروں کے حوالہ کردیتا ہے - تاکہ شاہی
سواری میں اسپانہ تشب بید کے سے پاؤں والے ہرن کی برابر پہنچادیں اور بعض
تازی و یمنی و ہندی اسپ پیدل نفروں کے لئے روا رکھتا ہے تاکہ تیغ زیر
رکابی کی موافقت میں انکی ڈھلینی کا کام انجام دے -

۱۶/۱۲ وبعضی پای کوب وجستہ زن گلہ برگلہ بمطربان میدہد تا امیرانے کہ پیش
ازین اسپان دست زن بی اصول داشتند بغایتے کہ معروفک رباب خفتہ از ایشان
تنگ بردی درین وقت ہمہ بر رہ نوردانی دفک می نہند کہ در طریق بایا دسخن گویند

Some horses are given to the amirs, who formerly owned unbroken colts but now ride horses swift as the wind. q. Par. II l. 14.

پای کوب = قدمباز - جستہ زن = جست باز - امیر = مطرب وقوال - گویّوں کو آج
کل بھی میر صاحب کہا جاتا ہے - دست زن = تال دینے والے - معروفک = گھوڑی؟
رباب خفتہ = رباب خاموش - اور بعض قدمباز اور چھلانگ مارنے والے گھوڑوں

ئے گلّے کے گلّے مطربوں کو بخش دیے جاتے ہیں حتیٰ کہ ایسے گویّے جو اس عہد سے قبل بے اصول تال دینے والے گھوڑے رکھتے تھے جن سے نہ بجنے والے رباب کی معرفت بازی لے جاتی اب ایسے ایسے گھوڑوں پر اپنے دف باندھتے ہیں جو چلنے میں ہوا کا مقابلہ کرتے ہیں۔

ص ۱۸/۳ زہی عادل کہ از مہابت عدل او پیلان مست در راہ موریف کنان پای بر زمین نہادہ،

Wonderful, indeed is his justice when from fear of his punishment mad elephants kneel down before panting ants. 10. 20.

اس جملہ میں 'پف کنان' حال ہے جس کا ذوالحال 'پیلان مست' ہیں نہ مور جیسا کہ مترجم نے خیال کیا ہے 'پای بر زمین نہادن' کا ترجمہ 'جھکنا' ہمارے خیال میں بالکل ناہموار ہے 'زمین پر قدم رکھنا' درست ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ مست ہاتھی اسکے عدل کی ہیبت سے چیونٹی کے راستہ میں پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں

ص ۱۸/۸ ع ذکر اصلاح امور خاص و عام،

Reforms of the affairs of nobles and commons. 10. Para III.

امور خاص و عام سے مقصد امور رفاہ عامہ ہیں،

ص ۱۸/۱۱ باز از انجا کہ آب دادن عین شریعت خاصۂ آن ذات مطہر است

Though the giving of water (to the thirsty) is one of the most noble virtues of the pious Emperor. 10. 29

آب دادن = رونق دادن ۔ عین = چشمہ ۔ مطلب یہ ہے کہ چشمۂ شریعت کی آبیاری
یعنی ترویج شرع پادشاہ کی ایک شخصی خصوصیت ہے ۔

صفحہ ۲/۸ سحرۂ خون آشام یعنی کفتاران آدمی خوار کہ در گوشت و پوست اولاد و
اطفال مردمان دندان بی خردی تیز میکردند'

Blood-sucking magicians, who by the use of (magical) words sharpened their unwise teeth on the flesh of other people's children 11. Par III l. 2.

کفتار = بجو ۔ مطلب یہ ہے کہ خون پینے والے جادوگر یعنی آدم خوار بجو جو انسانوں کی
اولاد کے گوشت میں بے خردی کے دانت تیز کرتے رہتے تھے '

صفحہ ۲/۱۰ و از ناگوارائی آب ہم ایشان را فرو [نمی برد] در خاک شان تا حلق فرومی بردند

Were buried in the earth up to their neck. 11. (last line).

یہ انہی جادوگروں کا ذکر ہے ۔ مطلب ہے کہ بسبب کراہت پانی بھی انہیں غرق کرنے کے
لئے تیار نہیں تھا ۔ زمین میں انہیں گلے تک دفن کر دیا گیا ۔

صفحہ ۲/۱۲ ے ہمی شدند خراب اندران دم سکرات
ولی خورندۂ آن می چنین خراب ۔ بود

All men have to suffer the agonies of death, but those who drink this wine (i-e, human blood) are thus destroyed. 12. 2.

ہمی شدند کے فاعل وہی جادوگر ہیں جنکا ذکر ہو رہا ہے ۔ حضرت مترجم مصرع اوّل

کی ترکیب سمجھنے سے قاصر رہ کر اسکو ایک منطقی کلیّہ مانتے ہیں یعنے یہ کہ تمام انسانوں کو سکرات موت کی چاشنی چکھنا ہے۔ یہ کلیّہ بجائے خود صحیح ہے لیکن امیر خسرو کا یہ مقصد نہیں وہ تو یہ کہتے ہیں کہ وہ جادوگر سکرات موت کی حالت میں نہایت خراب ہوتے تھے اور بعد میں اضافہ کرتے ہیں کہ بیشک ایسی شراب کا پینے والا ایسا ہی خراب ہوا کرتا ہے'

ص ۲۳/۳ و ہر قماش و رختی کہ کشادکار مردم بدان بربستہ است فرمان داد کہ از اطراف بہ بندند و جز آنجا نکشایند۔ چنانکہ آن کشاد را بربستی نباشد نظم

ہر کسی کان کشادہ۔ بربندد بندبندش بہ تیغ بکشایند

He ordered that all packages of cloth brought from the provinces were to be opened here and nowhere else; and once opened, they were not to be tied up again. And if any-one opened his packages elsewhere, the joints of his body were to be opened with the sword.

13. Par. II l. 4.

مطلب یہ ہے کہ پادشاہ نے حکم دیا کہ جنس جنس کا کپڑا جسکے ساتھ انسانوں کی ضرورت وابستہ ہوتی ہے اور اطراف سے فراہم کیا جائے اور یہاں کے سوا کہیں فروخت نہ کیا جائے۔ چاہیئے کہ اس اجرائی حکم سے کوئی سرتابی نہ کرے نظم جو شخص اس نفاذ یافتہ حکم کی بندش کریگا اسکا جوڑ جوڑ تلوار سے جدا کر دیا جائیگا۔

ص ۲۵/۱۹ کہ قواعد الصلوٰۃ عماد الدین دروے از سر اقامت یافت

So that they once more became the 'pillar of

faith, and prayers were said in them. 15.7.

الصلوٰۃ عماد الدین (نماز دین کا ستون ہے) مطلب یہ ہے کہ ان مسجدوں میں قواعد نماز از سر نو قائم ہو گئے۔ یعنے نمازیں پڑھی جانے لگیں،

ص ۲۶/۱۳ بیک اشارت والا جملگی گردونہای سیّارہ کہ دوگان گاو فلک در زیر داشتند بکار آمدند،

On a sign from the Emperor, the planets, who are the shop-keepers of the sky, began to move their chariots. 16.11.

گردونہای سیّارہ = چلنے والی گاڑیاں نہ سیارہ ٔ گردوں جیسا کہ جناب مترجم سمجھے۔ دوگان = دو دو۔ نہ دکان۔ مطلب :- اشارۂ عالی سے ساری کی ساری چلتی گاڑیاں جن میں دو دو بیل (آسمانی) جُتے تھے کام میں لگ گئیں۔

ص ۲۷/۱۴ و بارکشان آہنین اندام نیز ربودۂ سنگ شدہ سنگ می ربودند۔ از بتکدہای صد فرسنگ تا فرسنگ مسجد پشت سنگین بارکشان گران بار سنگ بود۔ بگردون سنگ می کشیدند کہ گردون نکشد

And labourers with bodies of steel brought these stones from temples a hundred farsangs away. The stony back of the mosque had a large mass of stones put upon it; stones, such as the sky could not have drawn to itself, were taken to the sky. 17.4.

ربودۂ سنگ شدہ = پتھر پر فریفتہ ہو کر۔ پہلے گردوں کے معنے گاڑی، مطلب ہے

کہ آہنیں جسم مزدور پتھر پر رکھ کر پتھر ڈھونے لگے ۔ سوسو فرسنگ فاصلہ کے پتھانوں سے لیکر مسجد سے ایک ایک فرسنگ تک بوجھ ڈھونیوالوں کی پیٹھ پتھروں سے لدی نظر آتی تھی ۔ گاڑیوں میں ایسے ایسے پتھر لدے تھے جنہیں خود آسمان نہ اٹھا سکے ۔

صفحہ ۲۸/۱۲ و آب و گل بندہ را نیز اگر درین منظر ست چند گاہ بستگی باشد' باشد کہ کتابۂ این منارہ را بشرف تمام مطالعہ کند و دعاء بانی خیر بخواند نظم

وگر نظارۂ من تا نہایتش نرسد بسا کسا نکہ رسند و نگہ کنند و روند

And though I wish to see it finished, my life will have to be long before I am able to witness its completion and send my blessing to its pious founder.

Besides my sight cannot reach its end; I am one of those who come and see and de-part. 17. Par. II. l. 13.

آب و گل = وجود ۔ منظر ست = دنیا ۔ بستگی = ترکیب ۔ بندش ۔ کتابہ = کتبۂ تاریخی ۔ اگر میرے وجود کی کچھ عرصہ اور دنیا میں ترکیب عنصری قائم رہے یعنے زندہ رہوں تو ممکن ہے کہ اس منارہ کا کتبہ مطالعہ کر سکوں یعنے اسے تکمیل شدہ حالت میں دیکھ سکوں ۔ اور بانی خیر کے حق میں دعای خیر کروں نظم

اگر میری نگاہ اسکے خاتمہ پر نہ پڑے یا لفاظ دیگر اسکے اختتام تک زندہ نہ رہوں تو اور بہت لوگ ہونگے جو آئینگے اور اسے (مکمل شدہ) دیکھیں گے اور رخصت ہو جائینگے

صفحہ ۲۹/۱۱ و دست بدست حصاری دیگر قائم مقام آن اقامت کردند کہ ساعد برجیش با صابع کنگرہ با کف خضیب ثریا پنجہ کرد'

A new fort was quickly built in place of the old. The new fort with its strong forearm and seven towers shakes hands with the coloured Pleiades. 18 9.

ساعد برج = برج کا پونچا - اصابع کنگرہ = کنگرہ کی پوریں - کف خضیب = کف رنگین
متن میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس کے معنے سات برج ہوں -

صـ۳۲ "وحوض از گرمیہای او برخود خشک می شد امسال خود باشتعال سخون
فلک متحرک یکبار که بروے گرم شد و بے آبش کرد چنانکہ درونۂ حوض ازین بی آبی
بترقید و پارہ پارہ گشت"

گرمی = تیزی - غصّہ - متحرک = شریر - حرکتی - اردو میں "حرکت" آج بھی شرارت
کے معنوں میں آتی ہے - خسرو کے عہد میں ہم دیکھتے ہیں کہ حرکت بمعنی شرارت استعمال
میں آرہی ہے - شمس سراج عفیف اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں "یا ما آن قلندران
حرکت کردہ لشکر مارا بہ تعبیہ از درون حصار بیرون آوردہ" صـ۱۱۵-۱۶ تاریخ فیروز شاہی
اور مفرح القلوب :- "ای ہدہد ہر کہ سخن متحرک استوار دارد ہمان معاینہ کند چنانچہ
ملتانی" صـ۲۱۵ بے آب = بی آبرو - بی آبی = بی آبروئی

اس جملہ کا مطلب ہے کہ حوض (آفتاب کی) شدت کی بنا پر خشک ہوگیا - اس
سال شریر آسمان کی اشتعال انگیز باتوں سے پھر (آفتاب) حوض پر بگڑا اور اسے
بے آبرو کر دیا - چنانچہ اس آبرو ریزی سے حوض کا دل شق ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا

And the tank dried up from fear. This year the revolving sky flared up all of a sudden, and the water of the tank evaporated so thoroughly

that its bottom cracked and brake into pieces
19 par III. l 8.

صفحہ ۳۲ س ۵ چون در خشک کردن حوض اشتعال آفتاب از فلک بود - بمجازات فلک گنبدی بنا کردند کہ آفتاب را از دیدن او دوران آورد '

And as the sun from on high had been drying up its water, a dome such as put that luminary into falling fits, was built over it 19.7. (from bottom).

مطلب یہ ہے کہ چونکہ حوض کے خشک کرنے میں آسمان نے آفتاب کو اشتعال دلایا تھا۔ اس لئے اسکی سزا میں بادشاہ نے حوض پر ایک گنبد تیار کرایا جس کے دیکھنے سے آفتاب کو چکر آ گیا '

صفحہ ۳۳ س ۱ بادشاہی کہ شمشیر نیلگون او فراعنۂ کفر را در آب نیل فرو برد بلکہ نیل تیغ را در خون زرد قبایان یہودی مزاج غرق گردانید ازین عطش عام چون الٰی بود خشک آورد اما کلیم وار ید بیضا باستسقا برداشت

The Emperor, whose sharp sword has thrown the Pharaohs of infidelity into the Nile, or to put it differently, whose Nile-like sword has been drowned in the yellow blood of Jewish tempered tunic-wearers - in this general scarcity of water, when even the Jamna had become dry, raised up his

'white hand' like Moses to pray to God for water. 20.8.

نیلِ تیغ = بلحاظِ رنگ تلوار کو "نیل" سے تشبیہ دی ہے ؎

نیلِ تیغش چون سکاہن سوختہ خیلِ خزر   لاجرم ہندوستان زان دو وہان انگیختہ

دریای نیل مقصد نہیں ہے۔ خونِ زرد قبایان۔ اس ترکیب میں زرد قبا کی صفت ہے نہ خون کی۔ خون زرد نہیں ہوا کرتا یعنے زرد قبا پہننے والوں کے خون میں۔ آزین عطش عام چون الٰہی بود۔ متن میں چون ہے نہ جون (جمنا)۔ اسلئے یہ مطلب نہیں۔ کہ جمنا خشک ہوگئی بلکہ اُس امساکِ باران سے جو خدا کی طرف سے تھا۔ خشک آوردن = کنایہ از تن زدن و خاموش بودن۔

صہ ۳۵/۱۴ ؎ فتحِ اوّل کہ ظفر یافت سپاہ منصور
بر بلاعینِ کدر در حدِ جارن منجور

The first victory of the (Imperial) army over gluttons of Kadar in the confines of Jaran manjur 23.1.

مصرعِ آخر میں پروفیسر نے 'بلاعین' کا ترجمہ (gluttons) کیا ہے۔ مگر ہم سمجھتے ہیں کہ یہ لفظ 'بلاعین' نہیں ہے بلکہ 'ملاعین' (جمعِ ملعون) ہے۔

جارن منجور یا جالندھر

پروفیسر حبیب کی جلد بازانہ نظریہ بازیوں میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ وہ جارن منجور اور جالندھر کو جو صریحاً دو مختلف مقامات معلوم ہوتے ہیں۔ ایک کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں جارن منجور کو جالندھر کے ساتھ شناخت کرنے میں بر فی بلکہ

اسکے مرتّب کے ساتھ اتفاق رکھتا ہوں (ص۲۶ حاشیہ)'

برنی (ص۲۵۱) بذیل ۶۹۶ھ مغلوں کے ایک حملہ کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مغل دریائے سندھ سے گذرے اور ولایت(؟) میں آئے۔ الغ خاں اور ظفر خاں انکی سرکوبی کے لئے مقرر ہوئے۔ حدود جالندھر میں لشکر اسلام کا ان سے مقابلہ ہوا اور مغل کثرت سے مارے گئے اور ان کے سر دہلی میں لائے گئے۔ برنی کا یہ بیان بہت نامکمل ہے۔

اس کے برخلاف امیر خسرو کا بیان زیادہ واضح اور مفصل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سب سے پہلی فتح ہے جو علاء الدین کی تیغ کو مغلوں پر ہوئی۔ مغل سردار کا نام کدر ہے۔ انکا بیان ہے کہ تاتار کوہ جودی کی طرف سے آکر بیاہ وجیلم وستلدر کی طرف بڑھے۔ کھوکھروں کے دیہات میں آگ لگادی حتیٰ کہ قصور کو بھی نقصان پہنچا۔ اسپر الغ خان مع تمام امراے دست راست ان کے دفعیہ کے لئے تعین ہوئے۔ روز پنجشنبہ ۲۲ ربیع الآخر ۶۹۷ھ کو حدود جارن منجور میں جنگ ہوئی۔ جس میں بیس ہزار کے قریب مغل کام آئے (خزائن الفتوح ص۳۵-۳۷)'

دول رانی میں امیر پھر اسی مہم کا ذکر کرتے ہیں ؎

تخت اندر حد منجور جارن الغ خان بر مغل زد ہمچو قارن (ص۶۱)

اور ہمیں مترجم کے ساتھ اتفاق ہے کہ ضرورت شعری کی بنا پر یہاں اس نام میں تقدیم و تاخیر ہو گئی ہے۔ لیکن یہ خیال کرنا کہ صحیح لفظ جالندھر ہے جو بگڑ کر جارن منجور ہو گیا درست نہیں۔ امیر کے ہاں یہ لفظ چار جگہ آتا ہے تین مرتبہ اسی خزائن الفتوح میں (ص$\frac{35}{14}$، ص$\frac{36}{2}$ اور ص$\frac{37}{1}$) اور ایک مرتبہ دول رانی میں اور ہر جگہ جارن منجور ملتا ہے۔ چونکہ قافیہ میں بھی جارن منجور آتا ہے۔ اس لئے اس نام کی صحت کے متعلق رہا سہا شک بھی جاتا رہتا ہے'

مترجم کو اعتراف ہے (حاشیہ ص۳۲) کہ طبقات اکبری میں یہ لفظ بشکل ' قار
میخور ملتا ہے جو جارن منجور کی بگڑی شکل ہے ۔ اسکے باوجود جارن منجور کو جالندھر
کے ساتھ شناخت کرنا نہایت حیرت آفریں ہے ۔ ہم تو یہ بھی کہنے کے لئے تیار
ہیں کہ برنی کے مطبوعہ متن میں کوئی تعجب نہیں ۔ اگر کسی نے جارن منجور کا جالندھر
بنا دیا ہو ۔ برنی یوں تو بہت کم واقعات کی تاریخ دیتا ہے لیکن اس مہم کی وہ تاریخ
۶۹۶ھ دیتا ہے ۔ ادھر امیر خسرو اس واقعہ کی تاریخ ۲۲ ربیع الثانی ۶۹۵ھ
بتاتے ہیں جس سے یہ سوال پیدا ہونے کی گنجائش ہے کہ برنی کی بیان کردہ اور
خسرو کی بیان کردہ مہیں ایک نہیں ہیں بلکہ مختلف ہیں ۔ جارن منجور کی جنگ دریائے
ستلج کے کنارہ پر ہوتی ہے جسکو علائی فوجیں تیر اندازی کرتی ہوئی عبور کرتی ہیں
جالندھر ہرگز ہرگز دریائے ستلج پر واقع نہیں ہے '

ص۲۳ وموج آن دوزخیان آتش درنے بست تلوارہا کھوکھر بزد

The advancing wave of the hellites burnt down all the villages (talwarah) of the Khokhars 23.8.

اس جملہ میں 'نے بست' قابل تشریح ہے جس طرح کانٹوں کی باڑ 'خار بست' اور
پتھر کی سنگ بست کہلاتی ہے ۔ سرپتی کے جھونپڑے 'نے بست' کہلائے ۔

ص۲۳ ۔ گذشتند ازان آب بیلک زنان
بران گونہ کز بیل کشتی بر آب

They swam over the river, striking out their hands like oars impelling a boat 23.24.

بیلک = تیر ۔ یعنے تیر اندازی کرتے ہوئے انہوں نے دریائے ستلج کو عبور کیا ۔

ص۲۳ درچشم زدنی بعضی را بزخم تیر دیدۂ سنگین چون جزع [از] الماس

سفتہ شدہ بود

In the twinkling of an eye, they had sewn up the stony eyeballs of some Mughals as you might sew up the eyes of a hawk. 24.3.

"دیدۂ سنگین" = دیدۂ منحوس نہ پتھر کی آنکھ جیسا کہ پروفیسر نے ترجمہ کیا ہے۔ جزع کو پروفیسر نے چرغ پڑھ کر اسکا ترجمہ (hawk) کیا ہے۔ یہاں صحیح لفظ جزع بمعنی 'مہرۂ سلیمانی' ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انکی منحوس آنکھیں تیر کے زخم سے اس طرح چھیدی گئیں جس طرح مہرۂ سلیمانی کو الماس سے چھید دیتے ہیں'

صفحہ ۲۸/۴ ۔ بسینہ کہ زبس زنگ قفل او نکشاید
کشادن دل او جز بدین کلید نکشاید

When a breast, like a rusty lock refuses to open it should be opened in no other way than this 24.6.

مطلب یہ ہے کہ جس سینہ کا قفل (دل) بوجہ کثرت زنگ نہیں کھل سکتا اسکے دل کی کشایش اس کنجی کے سوا نہیں ہو سکتی۔

صفحہ ۴/۹ ترغی سر اصلع خود را بر سر نیزۂ شجاعان اسلام طاس پرچم میدید و یک دو بار از صدمت شمشیر غازیان بحیلہ جستہ بود اگرچہ دل آہنین داشت اما پیش سندان شگافان جہاد دل نتوانست نہاد۔ سہم بیلک زنان غزا در دل گذرانید و ہم از عقب خلہ کرد'

Targhi, who had once or twice fled away from the attacks of the victors, already saw his bald

head on the spears of the champians of Islam, like a wine cup placed over a ladle. Although he had an iron heart, yet he dare not place it within the reach of the anvil-breaking warriors of God. But he was, at last shot by an arrow, which penetrated his heart and passed to the other side. 26. 5.

پروفیسر نے غالباً 'طاس برچم' کا ترجمہ کفچہ پر جام شراب 'کیا ہے جو بالکل غلط ہے۔ لیکن میں اپنے ناظرین کی توجہ خط کشیدہ عبارت کی طرف منعطف کرنا چاہتا ہوں۔ پروفیسر کا خیال ہے کہ ترغی ایک ایسے تیر سے جو اس کے دلکو چھیدتا ہوا پشت کے پار نکل گیا ہے مارا گیا۔ 'مارا گیا' کا لفظ میرا اضافہ ہے کیونکہ جس شخص کا دل تیر سے چھد جائے اور تیر پشت توڑکر نکل جائے اسکا مارا جانا یقینی ہے '

امیر خسرو کا بیان ہے کہ علی بیگ اور ترتاق اور ترغی ترکستان سے دریاے سندھ تک آئے۔آگے بڑھے اور جیلم بھی پار کر گئے۔ترغی جو ایک دوبار پہلے بھی غازیان اسلام کی تلوار کا مزا چکھ چکا تھا انکے خوف سے واپس بھاگ گیا۔مگر علی بیگ اور ترتاق پچاس ہزار سواروں سے بڑھتے ہوئے چلے آئے۔ہمیں انکی باقی سرگذشت سے تعلق نہیں۔ دول رانی خضر خاں میں امیر کا صاف بیان ہے کہ ترغی کفار کے ہاتھ سے مارا گیا ع

کشانیدش زمانہ ہم ز کفّار

ترغی کا ذکر تاریخ ہند میں سب سے پہلے قتلغ خواجہ کی مہم میں آتا ہے۔اس مہم میں وہ قتلغ خواجہ کی فوج میں شامل ہے اور اپنے تمن کا افسر ہے۔اور ظفر خاں کو گھیر لینے میں حصّہ لیتا ہے (صفحہ ۲۶۰ فیروز شاہی)'

اسکے بعد بارہ تمن لیکر ترغی آتا ہے اور حوالی دہلی میں آکر دم لیتا ہے۔ کچھ عرصہ تک دہلی کو گھیرے پڑا رہتا ہے۔ علاءالدین فتح چینوڑسے لوٹا ہی تھا اسے اپنی فوجیں طلب کرنے کا موقعہ نہیں ملا (ص ۳۰۰ فیروز شاہی)

تیسری مرتبہ وہ علی بیگ اور ترتاق کیساتھ آتا ہے لیکن دریاے جہلم ہی سے لوٹ جاتا ہے (ص ۴۲ خزائن الفتوح)

اب میں اصل فقرہ کو لیتا ہوں:- سہم = خوف - بیلک زنان = تیر اندازان در دل گذرانیدن = در دل آوردن - خلہ کردن = خالی کردن - چھوڑنا - تغلق نامہ سے
چو نا صر گشت بے نصرت زتقدیر خلہ کرد از سنان و تیر چون تیر (ص ۱۴۵ ' شعر ۲۸۰۱)
مخزن اسرار سے خانۂ غولند بہ پرداز شان درخلہ دان عدم انداز شان (ص ۱۸ طبع مبارک علی - لاہور ۱۹۲۲ء)

اور فقرہ کا مطلب ہے کہ تیر انداز مجاہدوں کا خوف اس کے دل میں آیا اور وہ پیچھے ہی سے اپنی جگہ خالی کر گیا یعنے واپس چلدیا -

ص ۴۲/۱۴ و علی بیگ و ترتاق کہ دو شہ شطرنج بودند از استخوان کلان ملک آخر بیگ بر سر ایشان حریفی درشت افتادہ بود

Ali Beg and Tartaq, the two kings of the chess -board were checkmated by their large boned enemy, the Malik Akhur Beg. 28. 2.

استخوان - ایک ہتھیار کا نام ہے یعنے اژدہ پشت نہنگ مگر پروفیسر نے 'استخوان کلان' کا ترجمہ 'بڑی ہڈی والا' کر دیا ہے

ص ۴۳/۱۱ پادشاہ ابو المظفر کہ فواتح اخلاق او نافۂ آہوست رغم الانف آن گندہ داغان از بیضۂ معنبر اسلام برچنود غالیۂ مصاف فرمان داد کہ اشہبان عنبر غبار را نوردراہ

برنہجی فرمایندکہ این آوازہ نشر نگردد نباید کہ تابوی گندہ بروت از ہیبت صندلی آلودہ کند وسوی مشک بیدہای خراسان[1] فرار نماید

[The victorious Emperor] whose virtues are fragrant like the naval of a musk-deer. In abhorrence of those men with stinking brains, he ordered the muslim army to proceed against them; but the news was to be kept a secret, lest in fear of the approaching sandal, the horrid stench should fly back to the fragrant willows of Khorasan. 29. 13.

میں بعض فقروں کی یہاں درستی کرتا ہوں :- رغم الانف آن گندہ دماغان ' = ان سرکشوں کے برخلاف - اشہبان عنبر غبار را نوردراہ برنہجی فرمایند- یعنے عنبر کے سے غبار والے گھوڑوں کو اس طریقہ سے روانہ کریں- نباید کہ تابوی گندہ بروت از ہیبت صندلی آلودہ کند- ایسا نہ ہو کہ گندہ بروت تالبو[2] خوف سے اپنی کرسی میلی کردے '

ص۲۹ تا بمقصد غزا بر طریق پلنگان در پے نخچیر بوی کنان در رسیدند

Till they reached their stinking prey. 29. 22.

مطلب یوں چاہئے کہ چیتوں کی طرح شکار کی بو لیتے چلے '

---

[1] اس عہد کی اصطلاح میں تمام ایران کو خراسان کہا جاتا ہے [2] اس جملہ میں تین مغل سردار متحد ہوکر آئے تھے - پہلا مذکور الصدر تالبو جسے تیبو بھی کہتے ہیں - دوسرا اقبال- تیسرا کبک - دول رانی خضر خان سے

یکی تالبو دگر اقبال مدبر کبک سویم برزم وکین مدبر (ص۶۲) '

ص۴۵/۱۴ لشکرِ دیگر از آن اقبال مدبر و مدابیر تائی بو

Another Mughal army under Iqbal Mudbir and Mudabir Tai Bu, 30. par. II. l. 1.

مدبر اور مدابیرؔ اقبال اور تائی بو کی صفت ہیں - پروفیسر کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ ان ناموں کا حصّہ ہیں ' مدابیر کی جگہ مُدَابِر چاہیئے'

ص۴۶/۷ سہ درکہ و غار ہمی رفت فرو پرشر و شور ہمچو سیلی کہ نگونسار فتد در لرولور

That goes over mountains and caverns with tumult and noise. 30.5 (bott).

پچھلے مصرع کا ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے -

ص۴۶/۱۴ درحال بہ فرمان سرلشکر چیرہ دست قوی بازوان غزا دست درمشت تیغ بردند

So by the firman of the commanders of the army, bold and strong armed warriors took their swords in hand 31.4.

درحال = فوراً ' چیرہ دست ' سرلشکر (واحد) کی صفت ہے نہ قوی بازوان غزا کی - دست درمشت تیغ بردند = یعنے قبضۂ تیغ پر ہاتھ ڈالا '

ص۴۸/۱۳ و از آمیزش قرونہ و مغل در ہر برجی قران زحل و مریخ معائنہ شد

Owing to the mixture of the mughal bodies with the material of the towers, the confluence of Mars and Saturn was witnessed. 32.10

قرونہ - ایک مخلوط النسل قوم جو ہندی ماں اور ترک باپ کی آمیزش سے وجود میں آئی - خاندان تغلقیہ اسی قوم سے تعلق رکھتا تھا - جملۂ بالا میں زحل سے مراد قرونہ اور مریخ سے مراد مغل

ہیں۔ مطلب ہے کہ قرونہ اور مثل کے اجتماع سے ہر برج میں زحل اور مریخ کا قران نظر آتا تھا

صفحہ ۵ ع کنون گویم فتوح ہند و از گجرات گیرم سر

I now come to the conquest of the Hindus of Gujrat. 35

'ہند' کے بعد 'واو' عاطفہ ہے نہ جزو کلمہ جیسا کہ پروفیسر سمجھے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میں اب (علاء الدین کی) فتوحات ہند کا ذکر کرتا ہوں اور فتح گجرات سے شروع کرتا ہوں'

صفحہ ۵/۹ س یعنی چہار شنبہ وز اولیٰ جماد بست تاریخ سال ششصد و ہشت و نود شدہ

On wednesday, the 20th Jamidiul Awwal, 699 A.H. 58

یہاں ۶۹۸ھ چاہیئے نہ ۶۹۹ھ جیسا کہ پروفیسر صاحب نے تحریر کیا ہے'

صفحہ ۵/۱۱ درین تاریخ خجستہ [شاہ یم یمین] عارض والا را فرمان فرمود

He issued a firman to the Ariz-i-Wala[2]. 35.8

فرمان کا ترجمہ انگریزی میں موجود ہے۔ اس لئے اصل فارسی لفظ کا ادخال مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ یہی حالت عارض کی ہے۔ پروفیسر انگریزی میں بجنسہ 'عارض والا' لکھ رہے ہیں۔ حالانکہ 'والا' صفت ہے 'عارض' کی۔ میرا مطلب ہے کہ 'عارض' عہدہ کا نام ہے۔ نہ 'عارض والا' اس لفظ پر حسب ذیل حاشیہ دیا گیا ہے۔

[2] Minister of war. The office was then held by Hizhabrud Din Zafar Khan. 35.

'عارض' بخشی کو کہتے ہیں نہ وزیر جنگ کو'

صفحہ ۵/۱۵ ص وان نقطہا و نیمہ ہمی شد ز سہم راست مانند دائرہ کہ شود از و تر دو نیم

یہ شعر ترجمہ سے چھوڑ دیا گیا ہے'

صفحہ ۵۲/۲ و چون خیال بتخانہ سر نگوسار در دریا انداختند

As the temple lowered its head and jumped into

the sea. 35.30

مطلب تو یہ ہے کہ جس طرح بتخانہ کا عکس پانی میں اوندھا نظر آتا ہے اسی طرح اسے دریا میں اوندھا گرا دیا گیا'

ص۳۴ شہر نہرواله که دران دیار دریای دیگراست وشهر کنبایت که دریا بپاشستن آن سرفرازی می نماید

As the city of Nahrwala and the city of Kambayat (cambay), which the sea raises its head to swallow up. 36.19.

'نہرواله' کو نہر کی رعایت سے دریا کے ساتھ مثال دی یعنے شہر نہرواله که اس ملک میں بمنزلہ دوسرے دریا کے ہے اور شہر کھمبایت کہ دریا اسکی پاشوئی کی عزت حاصل کرتا ہے - اشارہ ہے سمندر کے جوار بھاٹے کی طرف'

ص$\frac{55}{15}$ دلاوران بہرام صولت درچنان آتشی که شیر سپهر ازان رم خورد سمندر وار می رفتند و پایکان معلق زن بیانگ نے تیر بر آتش پای میکوفتند'

With the impetuosity of Bahram the brave warriors penetrated like salamanders through a fire that scared away the lion of the sky (the sun). To the sound of pipes, the paiks (footmen) from above made their arrows dance over the fire. 39. l.l.

'شیر سپہر' سے مراد برج اسد ہے نہ آفتاب جیسا کہ پروفیسر نے اپنے ترجمہ میں دکھایا ہے دوسرے فقرے کے ترجمہ میں پروفیسر کی عبارت سے یہ مطلب اخذ ہوتا ہے کہ بلندی

سے پیادوں نے نے کی آواز پر اپنے تیروں کو آگ میں نچانا شروع کیا۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ مصنف کا یہ منشا ہے کہ قلابازیاں لگانے والے پیادوں نے تیر کی سنسناہٹ کی آواز پر آگ میں ناچنا شروع کیا۔

ص۱۱ نزدیک بود کہ زہرۂ او بترقد ' یہ فقرہ ترجمہ میں چھوٹ گیا ہے '

ص۱۱ چون رای آنجا رسید مطرفی بلبل نوا برابر او می آمد گلبانگی زد

The melody of the bulbul accompanied the Rai as he advanced. The rose raised a cry 41.5.

اس عبارت میں پروفیسر کا ترجمہ بالکل غلط ہو گیا ہے۔ یہ وہ موقعہ ہے جب رای ہمیر دیو والی رنتھنبور راجپوتی رسم جوہر کے مطابق اپنے اہل و عیال کو نذر آتش کر کے علاء الدین کی فوجوں کی طرف قتل ہونے کی نیت سے بڑھتا ہے چنانچہ امیر فرماتے ہیں 'جب رای وہاں پہنچا ایک شیرین آواز مغنی اس کے ساتھ ساتھ آرہا تھا اسنے ایک سریلی صدا نکالی '

امیر خسرو کے ایک بیان سے جو سلطان نامہ میں ملتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کے موقعوں پر راجاؤں کے ساتھ انکے مغنی ہوا کرتے تھے جو ظاہر ہے کہ اپنی رجز خوانی سے انکے حوصلے بڑھاتے ہونگے ؎

خطابات ہندو کہ گویند بردش   ہمی گفت مدحت سرا گرد گردش

معین برآورد نغمہ سرایان   سرودی کہ گویند در جنگ رایان

ص۱۱ [کمین داران] شمشیرہای سوسنی کشیدہ چون نسیم صبح از جای بجستند وحملہ آوردند و سر گل آگین رای را کہ باد در سر داشت بر پرانیدند '

The watchmen drew their swords of lily, sprang up from their places like the morning breeze and put the Rāi to flight, as the winter wind anni-

-hilates the blooming cypress. 41.6.

باد درسر = مغرور   سر برپرانیدن = سر اڑا دینا۔ سر کاٹ دینا۔ نہ بھگا دینا جیسا کہ پروفیسر نے ترجمہ کیا۔ امیر کا مقصد ہے کہ رای کا سر جو باد غرور سے بھرا تھا اڑا دیا گیا۔ اسکی تائید شعر آئندہ سے بھی ہوتی ہے جو ترجمہ میں ترک کر دیا گیا ہے ؎

آری چو کژی در سر بیدین باشد   بیدینان را سزای سر این باشد

یعنی جب کسی بیدین کے سر میں کجی سما جائے۔ ایسے بیدینوں کے سر کی یہی سزا ہے یعنی اڑا دینا چاہیے'

لفظ ہمیر ہندوستان میں مسلمانوں کی یادگار ہے۔ یہ لفظ سب سے پہلے مسکوکات پر نظر آتا ہے اور سری ہمیر (امیر) کی شکل میں ملتا ہے جو بخط سنسکرت 'امیر المؤمنین' کے واسطے لایا جاتا تھا'

تمام مسلمان تاریخیں متفق ہیں کہ ہمیر دیو فتح رنتنبھور کے وقت مارا گیا۔ برنی کا بیان ہے :۔ "حصار رنتھنبور فتح کرد ورای ہمیر دیو را و نو مسلمانانیکہ از بلغاک گجرات گریختہ بودند و در پناہ او خزیدہ ہمہ را بکشت" (ص ۲۸۳ فیروزشاہی)

ہمیر دیو پرتھی راج کی طرح ہندوؤں میں ایک نہایت مقبول شخصیت ہے۔ اسکی یادگار میں ایک سے زیادہ راسے لکھے گئے ہیں جو ہمیر راسا اور ہمیر کاویہ کہلاتے ہیں بلکہ فرشتہ کے بیانات اور فتح رنتنبھور کے متعلق ضروری تفصیل غالباً ہمیر راسا سے ماخوذ معلوم ہوتی ہے'

ص ۶۲ وچشم حزم وتیقظ بپاس کاری کہ از پیش تخت سلیمانی بدان مامور بود بازکشاد

And opened wide his joyous eyes to accomplish the task entrusted to him by the Emperor 45. Par II. l.1.

حزم = احتیاط۔ پروفیسر نے اسکو خرم پڑھ کر اسکا ترجمہ شاداں کر دیا ہے۔ تیقظ = بیداری

صفحہ ٦٥/١٠ چون باد قهر خدایگانی جملگی مقدمان بیخ فرو بردهٔ آن زمین را بی بدو رنگی متاصل گردانید

After the wind of Imperial wrath had uprooted all the muqaddams[2], he rid the land of its two colours. 49/14

مقدمان بیخ فرو بردهٔ آن زمین - یعنے اس علاقہ کے قدیمی سربرآوردہ اور ذی رسوخ اشخاص - بیدرنگ = بلا تامل - اصل کتاب میں 'بے بدو رنگی' غلط ہے - بیدرنگی چاہئے

صفحہ ٦٥/٥ — عنان دولتش بگرفت فیروزی که فرماید چرای سبز خنگان رکاب از سبزهٔ سیری

He took hold of his successful bridle and brought his stirrups from the green meadows (of Khizr-abad) to siri 49.4 (bott.).

ہمارے نزدیک اس شعر کا مطلب ہے کہ فیروزی نے اسکی عنان اقبال پکڑی تاکہ سیری کے سبزہ کو اسکی رکاب کے سبز خنگوں کی چراخور بنادے - لیکن پروفیسر اسکے معنے یوں بیان کرتے ہیں: - 'اسنے اپنی کامیاب باگ پر قبضہ کیا اور اپنی رکاب کو (خضرآباد کے) سبز مرغزار سے سیری کی طرف لایا'

صفحہ ٦٦/١٢ سواران را فرمان داد تا عنان غزا بر اکب داوند و تیزی شمشیر را که خنک سوسنی است بر انوک گردن گبران سیراب خون گردانیدند چنانکه با چندان سیلاب تندگرد از ایشان برآوردند و تفرقهٔ عظیم دران جمع اشتات راه یافت

The horsemen were ordered to lead their horses to charge and to moisten their swords, which were cold as lilies, with blood from the necks of the gabrs. The rebel army fled and its scattered ranks were torn by further differences. 51. 15.

اس ترجمہ کو تحت اللفظی تو نہیں کہا جا سکتا 'خنک کی جگہ' خنگ درست ہے۔ اسی طرح 'اخوک' کی جگہ خوک بمعنی خنازیر صحیح معلوم ہوتا ہے'

۴۳ [شک نیست کہ] رای را [آئینہ] بخت در پیشانی بود کہ تیغ [ہندی] بادشاہ جوشن عصمت او گشت و در شرفنامۂ سکندری نیز [ازین] حال روشن باز نمودہ نظم

کید ہندو را چو بخت کینہ وری کینہ گشت   تیغ اسکندر بہ پیش روی او آئینہ گشت'

The Rāi was indeed fortunate when the Hindi sword of the Emperor became a breast-plate for the protection of his honour. An order (Sharf-nāmá) of Alexander also made this clear. When aveng-ing fate ceased to hate the rebellion of the Hindū, the sword of the Alexander turned into a mirror before his eyes. 52. l. l.

اوپر کی سطریں رائے رام دیو والی دیوگیر (دولت آباد) کے متعلق ہیں جو بغاوت کرتا ہے اور علائی فوجیں اسے گرفتار کرکے دہلی لے آتی ہیں۔ علاء الدین خلاف امید اس کے ساتھ نہایت عزت سے پیش آتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد دیوگیر بھیجدیتا ہے۔ پروفیسر صاحب شرف نامہ کی تلمیح نہیں سمجھے۔ انہوں نے اس کے معنے شاہی فرمان دیے ہیں جو صحیح نہیں۔ امیر کا مطلب نظامی گنجوی کے سکندر نامہ سے ہے۔ سکندر نامہ کے دو حصے ہیں پہلا شرف نامہ یعنی سکندر نامۂ بری۔ دوسرا اقبال نامہ۔ سکندر نامۂ بحری۔ شرف نامہ میں کید ہندی کی داستان آتی ہے جو سکندر کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کر لیتا ہے اور جنگ کی نوبت نہیں آتی۔ سکندر نامہ سے

دل کید ہندو پر از نور یافت   ز کید یکہ ہندو کند دور یافت

خسرو اس واقعہ کو موجودہ واقعہ کے ساتھ تطابق دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس طرح یہ حال شرفنامۂ سکندری میں مرقوم ہے نظم جب کید ہندی کے کینہ ساز نصیبے نے اپنا کینہ ترک کر دیا۔ سکندر کی تلوار اسکے (کید ہندی) چہرہ کا آئینہ بن گئی۔ پروفیسر صاحب پہلے مصرع کا ترجمہ کرتے ہیں:۔ "جب بدلہ لینے والی قسمت نے ہندو کی لڑاو سے نفرت کرنا ترک کر دیا" جو قطعی غلط ہے۔

ص۴۴/۸ یعنی کہ سیزدہ ز محرم چہارشنبہ سال از عدو بہ ہفصد و ہشت آمدہ زہجرۃ

On wednesday, the 11th muharram 710 A.H. 53.2c

مترجم نے ۱۱ محرم ۷۱۰ھ لکھا ہے حالانکہ متن میں جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں۔ ۱۳ محرم ۷۰۸ھ درج ہے۔ یہ مہم سوانہ کی تاریخ ہے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ پروفیسر نے اصل سے ترجمہ میں کیوں اختلاف کیا۔ امیر خسرو اپنی تاریخیں صوری اور معنوی دونوں طریقوں سے دیتے ہیں۔ چنانچہ یہاں کہتے ہیں:۔ " درسالیکہ شیر تہی شکم روباہ را چنان گرفتہ بود کہ آہ بیرون میداد و چون روزی در آمد کہ پای صید گرفتار آید و در شمار آن ماہ آہو میانۂ دام بر بستہ شود" (ص۴۴/۵)

[شیر بہ تفریق شکم یعنے حرف وسطی (ی)] = شر = ۵۰۰ + (روباہ بہ تفریق آہ = روب =) ۲۰۸ = ۷۰۸ھ اور (پای صید = د = ۴) یعنے چہارشنبہ اور (آہو =) ۱۲ + (میانۂ دام = ا) ۱ = ۱۳ ماہ محرم

ص۴۵/۱۳ بر تخت شیر پایہ کہ چشم شیرانش از عین الہرّہ ساختہ بودند نشستہ بود

Sat on a throne with lions feet with tigers eyes engraved over it. 54.5.

عین الہرّ (بلی کی آنکھ) - لہسنیا - امیر کا مطلب ہے کہ بادشاہ شیر پایہ تخت پر بیٹھا۔ شیروں کی آنکھیں عین الہرّ (لہسنیا) کی بنی تھیں۔

ص۵۴ اگرچہ سرہای ایشان از زخم شمشیر چون فرق گوزن شاخ شاخ می شد یوزی نمی کردند و آنکہ در بند یوزی می بود اورا آہو می گرفتند بعضی از زخم بیلک شکاری در خواب خرگوش می شدند و بعضی زیر سنگ مغربی کہ زاولۂ زوال است آرد می گشتند

They did not attempt to fly though their heads were cut into pieces. Those who attempted to fly were closed and caught. Some were sent to sleep like hares with strokes of the hunter's spear; others were ground down to flour under the maghrabi stone. 54.5.

اب یہ ترجمہ تحت اللفظی نہیں کہا جا سکتا۔ اسکے مشکل مشکل ٹکڑے حذف کر دیے گئے ہیں یعنی "چون فرق گوزن شاخ شاخ می شد"۔ بارہ سنگے کے سر کی طرح سینگ میں سے سینگ نکل رہے تھے۔ "آہو میگرفتند" نکتہ چینی کرتے اور "زاولۂ زوال"۔ زوال کی بیڑی۔ "بیلک" ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنوں کے متعلق پروفیسر صاحب مطمئن نہیں۔ وہ اسکا ترجمہ کبھی کچھ کر دیتے ہیں کبھی کچھ۔ یہاں نیزہ کر دیا ہے۔ حالانکہ 'تیر' صحیح ہے'

ص۵۴ در ین تاریخ ستل دیو وحشی را کشتہ پیش شیران دہلیز اعلیٰ آوردند بشکوہ گرگ گراز ... [پوست] سختش از زخم تیر انگشتوانہ [شدہ خلقی از درشتی آن ہیکل و پوست برسان] انگشت در دہان بماندند

On the morning on Tuesday, the 23rd Rabiul Awwal, the dead body of Satal Deo was brought before the lions of the Imperial threshold. People were struck with wonder at the grandeur of the Gurg (wolf) and the terrific strength of his arrow-shot. 54.5 (bott.).

'بشکوہ گرگی گراز' کا تو یہ مطلب ہوا کہ وہ گراز شان وشکوہ میں بھیڑیے سے کم نہیں تھا۔
اور دوسرے فقرہ کا مطلب ہے کہ تیر کے زخموں سے اسکی موٹی کھال انگشتوانہ بنگئی تھی۔
آخری فقرہ کا مطلب ہے کہ لوگ اسکے جسم اور کھال کی سختی دیکھ کر حیران رہ گئے'

ص۴۹ 'و از ہر درزی صد ہزار جوال دوز خار سر بر زدہ چنانکہ تیزیان مقراض گوش
را در بریدن آن خار خار موی بر اندام سوزن می شد'

Every mound had a hundred thousand thorns stuck to its head; the very idea of cutting such rocks and thorns made the hair of the pair of scissors stand upon its body like thorns. 57.10.

جوال دوز = سوزن کلان یعنے سوا سے آر، بخیہ کہ می شود بسوزن نتوان بجوال دوز کردن
تیزی = تازی اسپ۔ مقراض گوش = قینچی کی سی کنوتیں والے۔خار خار = دغدغہ وخدشہ
وتشویش - موی بر اندام سوزن می شد یعنے جسم کے بال سوئیوں کیطرح کھڑے ہوجاتے تھے
پروفیسر نے درز کا ترجمہ 'پشتہ' غلط کیا ہے۔وہ سمجھتے ہیں کہ قینچی سے ان چٹانوں کو کاٹا جائیگا
بھلا یہ بھی کوئی گزری لٹھا ہیں۔'مقراض گوش' صفت ہے گھوڑوں کی یعنی قینچی کی سی کنوتیوں والے
بریدن کا ترجمہ کاٹنا مناسب نہیں بلکہ طے کرنا۔چٹان خدا جانے پروفیسر نے کس لفظ کا ترجمہ
کیا ہے۔کوئی تعجب نہیں اگر انہوں نے 'خار خار' کو خار وخارا پڑھا ہو۔مگر خار خار ایک
ایسا لفظ ہے۔جسکا ترجمہ محترم پروفیسر بالعموم کانٹا کیا کرتے ہیں۔حالانکہ خاریدن کا حاصل مصدر ہے

ص۵۸ در عرصۂ شش روز کہ کوچ بود پنج آب روان چون جون وچنبل وکنواری وبناس و
بھوجی در پایاب بگذشتند۔

After six days of marching, the army crossed five rivers, Jun, Chambal, Kunwari, Binas, Bhoji [2] at

the fords . 57 . 15 .

اور بناس پر حاشیہ ذیل ایلیٹ سے نقل کیا ہے ۔

[2] Binas may be read as Bambas, The Kunwari is the Kuhari of the maps, and the Niyas (Binas) and Bashuji (Bhoji) must be the rivers now known as the Sind and Betwa.

بھلا ساٹھ ستر سال قبل کا پرانا حاشیہ آج کیا کام دے سکتا ہے ۔ یہ لفظ نہ بناس بکسر اوّل ہے نہ بمباس ہے نہ نیاس ہے ۔ اسکا صحیح تلفظ بناس بفتح با ہے جو راجپوتانہ کا ایک مشہور دریا اور چنبل کا معاون ہے اور راجپوتانہ کے ہر اچھے نقشے میں دکھایا گیا ہے ۔ راج محل ۔ ٹونک ۔ منڈور اور ایسرڈہ اسی کے کنارے پر آباد ہیں ۔ ٹونک کے مشہور خربوزے اسی ندی میں پیدا ہوتے ہیں ۔ یہ ندی علاقۂ ادیپور سے نکلتی ہے ۔ تین ریلیں اسکو بذریعۂ پل عبور کرتی ہیں ۔ پہلی راجپوتانہ مالوا ریلوے ہمیر گڑھ کے قریب دوسری جیپور ریلوے ایسرڈہ کے پاس ۔ تیسری ناگدا متھرا لائن ملانے کے قریب ۔ اسکے عنقریب بعد وہ چنبل میں ملحق ہو جاتی ہے ۔

صہ ۸۲ ~ ہم در کف پای سنگ شد پوست   ہم از سر سنگ پوست شد بازہ

On one side the stones pierced into the soles of their feet, while on the other, their feet removed the skin from the skulls of the stones. 57.2 (bott.).

ہمارے نزدیک پوست مبتدا ہے نہ سنگ یعنے پانو کی ہتھیلی پتھروں پر کثرت کے ساتھ چلنے سے پتھر کی طرح سخت ہو گئی ادھر پتھر کی سطح چلنے والوں کی کثرت سے گھٹ گھٹا کر ہموار نکل آئی '

صہ ۸۲ تا بعد سیزدہ روز در غرہ ماہ رجب بمنزل کھاندار رسیدند در چنان بیابانے شہر

خدای باستقبال لشکر اسلام درآمد و صالحان را مشاہدہ سہ ماہہ مہر بمہر با برکت بسیار پیش آورد

After thirteen days, on the first of Rajab, the army arrived at Khanda. In such a wilderness the month of God came forward to welcome the Muslim army, and showed great kindness to the pious men, who had travelled under the hot sun for three months. 58.1.

مطبوعہ نسخہ میں کہاندار - پنجاب یونیورسٹی کے نسخے میں کہندھار ہے - معلوم نہیں مترجم نے 'کھتدا' کس سند پر لکھا - جسکو فاضل دیباچہ نگار ڈاکٹر کرشنا سوامی اے ینگر نے کھنڈوے کیساتھ شناخت کیا ہے -

محترم پروفیسر کہتے ہیں کہ یہ نیک لوگ تین مہینے سے گرم آفتاب میں سفر کر رہے تھے لیکن اسوقت تک تین مہینے کیسے ہو سکتے ہیں - یہ تلنگانہ کی مہم کا ذکر ہے جو ۲۵ - جمادی الاوّل ۷۰۹ھ کو روانہ ہوتی ہے - نو دن کے کوچ کے بعد لشکر مسعود پور پہنچتا ہے - دو دن پڑاؤ کرکے ۶ - جمادی الثانی کو کوچ ہوا - ۶ دن کے مسلسل کوچ کے بعد سلطان پور عرف ایرج پور مقام رہا - ۴ دن کے پڑاؤ کے بعد ۱۹ - جمادی الثانی کو پھر کوچ ہوا [یاد رہے کہ اس تفصیل میں ۴ دن کا فرق رہتاہے] اور تیرہ دن کے متواتر سفر کے بعد رجب کی پہلی کو کھاندار مقام کیا - اس حساب سے لشکر کو ۲۵ - جمادی الاول سے لیکر غرہ ماہ رجب تک صرف ایک مہینہ اور ۷ دن ہوئے - نہ تین مہینے -

پنجاب یونیورسٹی کے مخطوطہ میں 'مشاہدہ' کی جگہ 'مشاہرہ' ہے جس سے اس جملہ کا مطلب ہوجاتاہے کہ شہر خدا دیگر برکات کے علاوہ فوج کے لئے تین تین ماہ کی تنخواہ بھی لایا یعنے یہاں انہیں تین تین ماہ کی تنخواہ دیدی گئی 'مہر' اس جملہ میں بمعنی سکہ ہے نہ بمعنی آفتاب جیسا کہ پروفیسر نے ترجمہ کیا ہے -

ص۵۸ چون روزه داران استفتاح از شربت افطار روزهٔ مریم را آب روی افطار داوند بامداد آن شب لشکر دریا وش در جنبش آمد و مانند سیلاب تند در لرولور [وشیب وفراز] سیر می نمود '

اس عبارت کا اکثر حصہ حذف کرکے حسب ذیل اختصار پر قناعت کی ہے ۔

Next morning, after the fast of mary the army again advanced like a raging deluge. 58 par. II. l 10.

' لرولور ' مثل سابق یہاں بھی ترجمہ سے ترک کر دیے گئے ۔

ص۵۸/۱۱ جائیکه چنین آبهاے بلند آہن نعال مراکب را برای بریدن راه آب میداد

When these wide rivers make a way for the Imperial army to cross. 58. 8 (bott.).

حالانکہ جملہ کا مطلب ہے کہ جہاں ایسے ایسے بڑے دریا قطع راہ کے لئے گھوڑوں کی نعلوں کو آب (آبداری) دے رہے تھے ۔

ص۵۹ روز سہ شنبہ کہ ناف ہفتہ است ناف زمین از جنبش لشکر در جنبیدن آمد و زمین چون شکم خفخنہ [خفقہ ؟] زدگان فرو بالا شدن گرفت

On wednesday the 26th Rajab, the movement of the army again shook the bowels of the earth, & the ground began to rise up + go down like the belly of a Khafkhana - blower 59. 5.

سہ شنبہ فارسی میں منگل کو کہتے ہیں نہ بدھ کو جیسا کہ ترجمہ میں لایا گیا ہے ۔ خفخنہ جیسا کہ متن میں ہے ۔ یا خفخانہ جیسا کہ ترجمہ میں ہے معمولی فرہنگوں میں نہیں ملتا ۔ البتہ خفقہ بمعنی دمہ و چاپک ملتا ہے جو ہمارے نزدیک زیادہ مناسب ہے '

ص۵۹ س۱۳ رہی چو حیلۂ رای رکیک شیب و فراز کروہاش چو حرص بخیل دور و دراز

For the road went up and down like the subtle wit of a clever cheat and was at the same time as long as the misers greed. 59.13.

رای رکیک = رای ناقص۔ کروہاش کی جگہ کروہہاش (کوس) چاہیئے۔ ہندوستان میں دیکھا جاتا ہے کہ بعض علاقوں میں چھوٹے کوس ہوتے ہیں اور بعض علاقوں میں بڑے۔

ص۵۹ ہر جانب راہی از ابریشم موسیقی باریک تر و ہر جا عرصۂ از گیسوی چنگ پیچان تاریک تر۔ ہر دراز نائی چنان تنگ کہ اگر باد دراو آہنگ کند خراشیدہ بیرون گذرد،

The path was narrower than the guitar string and darker than a beautys locks. At times it was like a hole in a reed; when the wind attepted to pass through it, it came out reverberating. 59.16.

امیر کا مطلب گیسوے محبوب نہیں ہے بلکہ گیسوے چنگ۔ 'نائے سے مقصد 'نے' نہیں درہ اور گھاٹی ہے - خراشیدہ = زخمی - یعنی ہوا زخمی ہوکر نکلی۔

ص۵۹ درین اثنا ابر سیہ روی در مزلات خلایق گوہر ناتمام خویش پیدا میکرد لاجرم باد بقفاء سختش میراند و آبش ریختہ می شد و ہر بار کہ برق متہتک بر لغزش روندگان میخندید

Furthermore, as the dark-faced cloud brought forth its unfinished pearls to worry the people of the army, the wind struck it hard on the neck, and all its water was shed. Whenever the forked lightning laughed at the slipping feet of the army. 59.8 (bott.).

مزلات کے معنی ستانا اور پریشان کرنا درست نہیں۔ یہاں مقصد لغزش اور پھسلنا ہے
گوہر ناتمام کا ترجمہ ' ناتمام موتی بالکل بے محل ہے۔ فطرت ناقص اور کجی طبع چاہیئے۔
آبش ریختہ می شد۔ یعنے اسکی آبرو ریزی کیجاتی تھی۔ نکہ پانی برستا اگرچہ مقصود فی الاصل
یہی ہے۔ منہتک = توہین اور ہتک کرنے والا ' نہ برق تشاخسانہ۔

ص۵۵/۸ روی آن خانہ سوختگان چون دیوار آتش رسیدہ سیہ گشت

Their faces grew dark at the approach of this wall of fire 61. l. 1.

دیوار آتش رسیدہ۔ وہ دیوار جسے آگ لگی ہو۔

ص۵۵/۱۲ غازیان ہریک از تنہای سنگین و دلہای آہنین چقماقی [گشتند]

The bodies of the victors were like flint in armours of steel. 61. 6.

گر مصنف کا مطلب تو یہ ہے کہ مجاہدین اپنے پتھر کے سے جسم اور فولاد کے سے دل کے اعتبار
سے چقماق کا حکم رکھتے تھے۔

ص۹۰/۱۴ ؎ کہ بینند از انجا و جائے روند   کہ مردم چو مردم گیا بدروند

یہ شعر ترجمہ سے چھوٹ گیا ہے۔

ص۹۳/۲ و پاس آن محل بہ اہل تیقظ حوالہ [میکرد] یہ فقرہ ترجمہ سے چھوٹ گیا ہے
ص۹۳/۱۴ درزمان تبرہای بوسلمی برای نصر اسلام [سیّار] شد و لشکریان ہریکی اسحق
کندہ شکن گشت

Immediately all hatchets became busy & every soldier was transformed into Ishaq the wood cutter. 63 III. 3

تبر بوسلمی اور اسحق کندہ شکن پر حاشیہ دینا چاہیئے۔ ' تبر ' بہتر قرأت ہے۔

ص۹۵/۲ نہنگان محیط لشکر خود در کمین آن ماہیان درع پوش بودند حالی کہ دریافتند

بزخم بیلک آبدار ہرکی را دام ماہی ساختند '

As a matter of fact, the crocodiles of the besieging army who had themselves been waiting in an am--bush for this armoured fish caught the latter with their Hindi swords like fish in a net. 64.15.

اس فقرہ میں محیط بمعنی دریا ہے نہ بمعنی محاصر۔ 'حالی کہ دریافتند' ترجمہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔ بیلک کے معنے تیر ہیں نہ تلوار' ہرکی را دام ماہی ساختند' کا یہ مطلب نہیں کہ ہر ایک کو جال کی مچھلی بنا دیا بلکہ بالکل برعکس یعنے مچھلی کا جال۔ مطلب یہ ہے کہ انکا جسم تیروں سے اسقدر چھلنی ہو گیا تھا کہ گویا مچھلی کا جال بنگیا تھا '

صفحہ ۹۵/۴ برگستوانیان یا خہ وار از زخم گرز و عمود سر در سینہ میدزدیدند '

From fear of the enemys maces and clubs, the Hindus draw their head into their armours like tortoise 64.18.

برگستوانیان (برگستوان پوش) یہاں فاعل ہے نہ مظروف۔ سر سینہ میں چھپایا جا رہا ہے نہ برگستوان (پاکھر) میں '

صفحہ ۹۵/۵ دریکدم آن ہمہ مردم آبی میان سیل خون غرق گشتہ بودند و مانند ماہیان بسمل کردۂ خدای افتادہ۔

In an instant many many of these aquatic crea--tures had been drowned in a deluge of their own blood and lay like slaughtered fish 64.21.

مردم آبی = مردم منکر و سرکش نہ پانی کا جانور جیسا کہ پروفیسر لکھتے ہیں۔ 'بسمل کردۂ خدای۔ خدا کی حلال کردہ یعنے قدرتی حلال شدہ نہ ذبح شدہ '

ص ۹۶/۸ سے تا بزخم گوی سنگین آنچنان میدان [کنند] قلعہ را کانجا ببازی گوی بتوان باختن

So that with the strokes of the balls the fort may be won and reduced to dust in an other match. 65.9 (Fa. bott.)

حضرت مصنّف کا مطلب ہے کہ قلعہ کو پتھر کے گولوں سے ایسا ہموار میدان بنا دیا جائے کہ وہاں گیند (چوگان بازی) کھیلی جاسکے۔ جناب مترجم فرماتے ہیں کہ گولوں کی ضرب سے ایک اور میچ میں قلعہ کو فتح کیا جاسکے اور خاک کی برابر کردیا جائے۔

ص ۹۸/۳ خندق حصار کہ پیش لشکر اسلام بکاوکاو درونی عمق خویش عرض میکرد ہرچند درو ژرف میدیدند و تعمق می نمودند۔ ہجوم چندان سپاہ را سوی خویش راہ نمی داد و دو لب جہان در جہان باز کشادہ از حفظ حصار سخن میگفت

The fort ditch began to talk of its great depth to the muslim army. Though the latter looked sternly at it and took measures of its depth, it would not allow the army to cross; & opening wide its two lips, spoke of the security of the fort 66.3.

کاوکاو بمعنی کدو کاوش وکوشش وجہد ہے جو ترجمہ سے ترک کردیا گیا۔ اس سے قبل بھی یہ لفظ حذف کردیا گیا ہے۔ ژرف دیدن کے معنے غور سے دیکھنا ہیں نہ سختی سے دیکھنا۔ جہان در جہان سے کثرت مقصود ہے۔

ص ۱۰۱/۲ و نیت خیر پادشاہ خیبر را درحضرت ملک [خبیر] کہ خیر ازو [بانی] است برای قلع آن خیبر شفیع برد

He begged the king of Khaibar[2], to plead before God, from whom all good originates for the reduction of the fort. 7.10.

اور شاہ خیبر پر یہ حاشیہ دیا گیا ہے -

2. The fourth Caliph, Hazrat Ali, who conquered the fort of Khaibar in Arabia.

'ملک خیبر' کی جگہ 'ملک خیبر' مراد خدای دانا چاہیئے - کہ خیبر از دو بابی است' جملۂ حشویہ ہے جو نیت خیر سے تعلق رکھتا ہے اور معنے یہ ہوئے :- اور مخیر بادشاہ (مراد علاء الدین) کی نیک نیت کو کہ کرم جس کا ایک باب ہے - خدای دانا کی درگاہ میں اس خیبر (قلعہ) کی فتح کے لئے شفیع بنایا -

ص۱۲ در زمان ملک مجاہد نور العموم جُنّۃ من النّار [را] سپر عصمت نفس ساختہ والف و نون و انصرنا علی القوم الکافرین را تیر و کمان غزا پرداختہ و کمند حبل اللّٰہ را بر دوش توکل حمائل انداختہ آہنگ حصار کرد -

تقریباً تمام عبارت حذف ہوکر ترجمۂ ذیل پر قناعت کی گئی ہے :-

Malik Naib ordered his men to begin the attack. 67. Par. II. l. 2.

ص۱۲ دلاوران ترکش بند چون شیران نیستانی بر دیوار حصن جستن گرفتند - تیر چون باران نیسانی می [بارید] و صدفہای سینۂ ہندوان می شگافت وگوہر ہای پیکان درو می نہاد

Bold men with scaling ropes began to jump up to the fort-wall like lions in the forest. The arrows fell thick like showers of the rainy season & pierced the breast of the Hindus even as rain drops get into the mothers-of-pearl. 67. Par. II l. 8.

ترکش = 'تیروان' - ترکش بند (ترکش باندھنے والے) کا ترجمہ چڑھنے کی رسیاں کسی حالت میں روا نہیں - آخری فقرہ کا ترجمہ بھی غلط ہوگیا ہے - سینہ کو صدف سے اور تیر کو موتی سے

تشبیہ دی ہے۔ مینہ کی بوندیں مراد نہیں۔

ص۱۰۲/۵ و تیر قادر شستان باآنکہ یک انداز بود ہوا را پوشیدہ می رفت کہ ابر بہمنم۔

Their arrows, all flying together looked like the cloud of Bahman. 67.3 (fr. bott.).

قادر شست = حکم انداز۔ یک انداز = تیر حکمی و تیر رسا۔ سلطان نامہ ؎

یکی بر صد اشست را ساز کردہ   یک انداز خود را صد انداز کردہ

مطلب یہ ہے کہ قادر اندازوں کے حکمی تیروں نے ہوا کو بالکل ڈھانک لیا تھا۔ گویا ابر بہمن تھے۔

ص۱۰۲/۷ و بعضی تیغ را درگل معول ساختہ پنداری حرفی لطیف از ان بزخم زبان در طینت منجمد ورمی نشانند

Some had thrust their sword-points into the solidified earth as if determined to carve fine figures out of it. 68.2.

معول بمعنی کلند ہے۔

ص۱۰۲/۳ و از غریبش طبل حربی چہار گرہ عنصر نزدیک شد کہ طویلہ ربط بگسلند۔ و بانگ تکبیر غازیان ہزاہز در ملکوت افگند و نعرۂ حیدری مبارزان خزاخز در ناسوت آورد

And it seemed that the four elements of the sphere would dissolve into chaos at its noise. The war cries of the warriors, the sounds of 'Huzza! Huz!' and 'Khuzza! Khuz!' resounded through the world 68.2 (bott.).

ایلیٹ کے حوالہ سے ایک حاشیہ حسب ذیل دیا ہے:-

'An early eastern use of Huzza! Huzza! The same exclamations occur in the miftahul futuh.

چہار گرہ عنصر = اربع عناصر کی گرہیں - طویلۂ ربط = تعلق کی رسّی - میں اس 'ہُزّا ہُز' اور 'خُزّا خُز' اور ان پر حاشیے سے کچھ نہیں سمجھا - 'قدیم استعمال' سے خدا جانے ان بزرگوں کا کیا مطلب ہے ؟ 'ہَزا ہز' بفتح ہائے اوّل و بکسر و فتح ہائے دوم - ایک معمولی لفظ ہے - جس کے معنے ہلچل اور تہلکہ ہیں اور خزیدن (گھسنا) سے 'خزا خز' حاصل مصدر آتا ہے ان الفاظ کا استعمال شاہنامہ میں کثرت کے ساتھ دیکھا جاتا ہے - 'ملکوت اور ناسوت' ترجمہ سے حذف کر دیے گئے ہیں -

ص۶۹/۵ و آن ہمہ خسان ممسک را در بذل جان کثیر الرّماد گردانید'

The fire turned these stingy people into enor-mous heaps of ashes. 69.5.

کثیر الرماد = بہت راکھ والا یعنے سخی اور مہمان نواز - 'در بذل جان' ترجمہ سے رہ گیا ہے'

ص۶۹/۱۴ چون ایام آن در رسید کہ بعض در میان رمضان امضا یابد روز چہارشنبہ کہ روز تیر است حشم سہمناک سلطانی بفیروزی و بہروزی درون حصار گلین چون سہم دلاوران کہ در طینت غران بخرابی بنیت در آید' در آمد

By wednesday a day dedicated to mercury (archer), the Emperor's fierce troops had as easily entered the mud fort as a warrior's arrow breaks through and upsets a bubble. 69. par. II. l.1.

شروع کی عبارت 'چون ایام آن در رسید کہ بیض درمیان رمضان امضا یابد' کو ترجمہ
سے نکال دیا گیا ہے۔اسی طرح آخری حصّہ کا ترجمہ غلط ہو گیا ہے۔امیر کا مقصد ہے
کہ جس طرح بہادروں کا تیر نامردوں کی بنیاد وجود برباد کر دیتا ہے۔پروفیسر کہتے
ہیں۔جس طرح بہادروں کا تیر بلبلہ (حباب) کے پار ہو کر اسے بگاڑ دیتا ہے۔
یہ تو ہجو ملیح ہو گئی'

صفحہ ۱۰۲ / ۱۵ آن خیبر درونی را کہ درست نقش خیبر داشت گرد [گرفتند تا] ہیچ ہندوی
از رسن غازیان چون سگ از [چنبر] بیرون نجہد

The inner fort, which resembled the (Arabian) Khaibar was invested. No Hindu was allowed to cross the line of besiegers just as dogs had not been allowed to come out of Khaibar (by mussalman) 69. Par II. l3.

مطلب یہ ہے کہ قلعہ کو جو بالکل خیبر کی مانند تھا محصور کر لیا تاکہ کوئی ہندو محاصرین
کی رسّی سے نہ بھاگ سکے جس طرح کتا طوق اور پٹے سے نہیں بھاگ سکتا۔

صفحہ ۱۰۶ / ۳ شمشیر زنان لشکر از انہا ہیچ سپر بر آب نیند اختند و ہر ہمہ یکبارہ دل بر
آشنا نہادند و ہر ہنری کہ در مساحت داشتند بر روی آب آوردند۔طرفۃ العینی بر
آب چنان لنگر کردہ بگذشتند کہ کشتی بر آب نیارد گذشت

The swordsmen of the army, however, would not float any boat on the ditch but determined to swim through it together. They practised on the face of the water every rule of mensuration they knew, and in a moment, crossed the ditch, file after file,

more easily than a boat would have done. 69-70

سپر برآب انداختن (مرعوب و مغلوب ہونا) کے معنے کشتی چلانے کے تو نہیں آتے۔
جیساکہ جناب مترجم سمجھے ہیں، مطلب یہ ہے کہ فوجی اس خندق سے مطلق مرعوب نہیں
ہوئے۔ دوسرے فقرے میں وہ لکھتے ہیں کہ یہ فوجی پانی کی سطح پر مساحت کے ان تمام
قواعد پر جن سے وہ واقف تھے عمل پیرا ہوئے۔ بھلا پانی کی سطح پر مساحت کی شکلیں
بنانے کا کونسا موقع ہے۔ اس لئے مساحت کی جگہ سباحت یعنی شناوری چاہیئے۔
مصنّف علام کا مقصد ہے کہ فوجیوں نے خندق عبور کرتے وقت پیراکی کے ہر قسم کے
کمال کی نمائش کی۔ 'داشتند' کی جگہ 'دانستند' بہتر معلوم ہوتا ہے۔ 'بر روی آب
آوردند = بر روی کار آوردند۔ آب لنگر کردہ سے مقصد یہاں آب لنگر وار و آب
ایستادہ ہے۔ نہ دستہ کے بعد دستہ'

صفحہ ۱۰/۱۲ و پیلانش بقوت زر پیل بالا ہمہ از زر سلسلہ می جنبانیدند از لبسکہ خیال
مارکہا [خیالہای مارکہای بدلہا] زر کژدمہ در چشم فکرتش درآوردہ بود

His elephants pulled their chains in pride of the gold they bore; but the Rai was thinking of his war with the golden scorpions. 70.15.

پہلے جملہ کا مطلب ہے کہ انبار وں سونے (ہاتھی کے قد برابر اونچے ڈھیر) کی بنا پر
اسکے ہاتھی اپنے پیروں میں سونے کی زنجیریں پھڑکا رہے تھے۔ دوسرے جملہ کا
متن ناقص معلوم ہوتا ہے اور ترجمہ تو یقیناً غلط ہے۔ خیال مارکہا' یا خیالہای مارکہای'
جیساکہ یونیورسٹی کے مخطوطہ میں ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا 'زر کژدمہ' تو آنکھ کی
کسی بیماری کا نام معلوم ہوتا ہے۔ اسکا ترجمہ 'سنہری بچھو' اسی معیار کا ہے جیساکہ لاہور
کے ایک پروفیسر نے 'زال زر' کا 'سنہری بڑھیا' ترجمہ کیا تھا'

صفحہ ۱۰۶ / ۱۵ ازانجا کہ در حصارداری و دلاوری سنگی داشت ہر بار کہ سکۂ کار خود را بر دل سنگین عیار میکرد قلب می یافت

He had been brave and courageous in the siege; yet whenever he reflected on the situation in which he was placed his stout heart began to palpitate .70. 19.

سنگ بمعنی توقیر و عظمت و شہرت - اور سنگین بمعنی سخت ہے - عیار میکرد = پرکھتا تھا - جانچتا تھا - قلب بمعنی ناسرہ - مطلب یہ ہے کہ چونکہ قلعہ کی جنگوں اور شجاعت میں اسکی دھوم تھی - اس لئے جسقدر زیادہ وہ اپنے معاملات کے سکہ کو اپنے سخت دل پر پرکھتا تھا - اتنا ہی زیادہ اسکو کھوٹا پاتا تھا -

صفحہ ۱ / ۴ اما بادہیبت خدایگانی چنان بروی زد کہ دلش باچندان گرانی برپرید و او را بی سنگ گردانید'

But the Emperor's prestige overawed him, all his courage melted away & he was left a broken man 70-27.

اس ترجمہ کو تحت اللفظی تو نہیں کہا جا سکتا - ہیبت کا ترجمہ شہرت و اثر ٹھیک نہیں - خوف و رعب چاہیئے - باچندان گرانی (اتنی تمکنت اور وقار کے باوجود) ترجمہ سے چھوٹ گیا - 'بے سنگ' بے وقار ہے نہ شکستہ -

صفحہ ۱ و عرضہ داشت کرد کہ پیش آہنین تنان اسلام ہندوی برنجین اخلاف روئین تنی بدان ماند کہ شاہد سیمین تن باپور زال زر دعوی پولاد وندی کند

The opposition of the rice made Hindu, ran the Rais' petition, to the iron bodies of the mussalmans

is like a silver-faced beauty challenging Rustam to battle.

71.1

'برنجین' سے مقصد چاول کا بنا نہیں ہے۔ بلکہ پیتل کا۔ پولاد وند = پولاد صفت۔ ایک
پادشاہ بھی ہے جو افراسیاب کی استدعا پر کوہ چین سے رستم کے ساتھ جنگ کرنے آتا ہے۔
اور مغلوب ہو کر بھاگ جاتا ہے۔ روئین تن = اسفندیار، مجازاً بہادر۔ خلاف کی جگہ
لاف یعنی دعوے چاہیے۔ مطلب یہ ہے کہ آہنی جسم مسلمانوں کے سامنے برنج کے بنے
ہندوؤں کا دعوی اسفندیاری (بہادری) ایسا ہی ہے جیسے کسی سیمتن محبوب کا زال زر
کے فرزند رستم کے مقابلہ میں پولاد وندی (فولاد صفتی) کی لاف مارنا۔

متن: واگر بحقیقت آہن بادشاہ را بہ زر چون من خسی میل افتد کہربا را کدام دولت
ازان بالاتر کہ گوہر شاہی سوی خودش کشد۔ تبرہ وارے ازان برائے خویش ندارم

And if the Emperor really wants the gold possessed by a poor man like me, so much the better! For what principality is more fortunate than the one which draws the Emperor's heart towards itself. I will keep none of this gold-dust for myself. 71.10 (bott.).

امیر نے اس سے قبل شمشیر شاہی کے لئے ایک ضرب المثل حوالۂ قلم کی ہے کہ "سنگ مقناطیس آہن است و
آہن مقناطیس زر"۔ فقرۂ بالا میں آہن بادشاہ سے مقصد شمشیر شاہی ہے۔ کہربا بعض کہتے ہیں پتھر ہے
بعض کہتے ہیں گوند ہے۔ ہر حالت میں وہ زرد رنگ کا ہوتا ہے اس لئے سونے کو اسکے ساتھ مثال دی،
تبرہ توبرہ کا مخفف ہے۔ حافظ ــ بستہ بر آخور او استر من جو میخورد تبرہ افشاند و بمن گفت مرا میدانی
مطلب یہ ہے کہ اگر شمشیر شاہی کو مجھ جیسے خس ناکس کا سونا چاہیئے تو کہربا کیلئے اس سے زیادہ اور کیا خوش
نصیبی ہو سکتی ہے کہ گوہر تیغ شاہی اسے اپنی طرف جذب کرے۔ میں اس میں سے توبرہ برابر بھی اپنے
لئے نہیں بچاؤنگا +

نکاتِ سخن

مولانا حسرت موہانی نے مذکورہ صدر کتاب لکھی ہے جو ادیب عالم کے نصاب میں داخل ہے۔ ہمیں اس کے پہلے اور تیسرے باب سے چنداں غرض نہیں۔ مگر چونکہ دوسرے باب میں جس میں مولانا نے معائب سخن بتائے ہیں تمام استادوں کے شعروں پر ایسے اعتراض کئے ہیں جو ہماری رائے میں بیجا ہیں۔ اسلئے ہم اُن سہو و اسقام کو جو مولانا سے واقع ہوئے ہیں دکھانا چاہتے ہیں۔ اگرچہ مولانا نے دیباچہ میں عذر کیا ہے کہ "معائب کی مثالوں سے راقم کو انکی توہین یا تنقیص مقصود نہیں ہے۔ بلکہ اپنے اشعار بھی معائب کی مثالوں میں پیش کرتا ہوں"۔ لیکن ہمیں اس رائے سے اتفاق نہیں۔

۱۔ عیب تنافر

" جب کسی شعر میں دو ایسے لفظ متصل آجاتے ہیں۔ جن میں سے پہلے لفظ کا حرف آخر وہی ہوتا ہے جو دوسرے لفظ کا حرف اول ہوتا ہے تو ان دونو حرفوں کے ایک ساتھ تلفظ میں ایک قسم کا ثقل اور ناگواری پیدا ہو جاتی ہے اسی کا نام عیب تنافر ہے" یہ تعریف ناقص ہے اور کسی مستند اہل فن نے یہ تعریف نہیں کی اسکا نقص ہر زباندان پر ظاہر ہے کیونکہ ایسے دو حرفوں کے متصل آنے سے ہر جگہ ثقل نہیں پیدا ہو سکتا۔ اسکے علاوہ اس پابندی سے زبان کا دائرہ اس قدر تنگ ہوا جاتا ہے کہ شعر کہنا دشوار ہوگا۔ کسی استاد کا دیوان اٹھا لیجئے ہزاروں شعر ایسے مل جائینگے جن میں دو لفظ ایسے متصل آگئے ہونگے جن میں سے پہلے لفظ کا حرف آخر وہی ہوگا جو دوسرے لفظ کا حرف اوّل ہوگا چنانچہ مولانا نے خود نو دس شعر

غالب کی مثالوں میں پیش کئے ہیں۔ اگر دیوان اٹھا کر دیکھا جائے تو کم از کم تہائی دیوان تو عیب تنافر کی ہی نذر ہو جائیگا۔ اشعار مندرجہ ذیل میں مصنّف نے تنافر تجویز کیا ہے ؎

اپنی گلی میں مجکو نکر دفن بعد قتل میرے پتہ سے خلق کو کیوں تیرا گھر ملے

قید ہستی سے رہائی معلوم اشک کو بے سرو پا باندھتے ہیں

ہے دور قدح وجہ پریشانی صہبا یکبار لگا دو خم مے میرے لبوں سے

ہو نہ نقد داغ دل کی کرے شعلہ پاسبانی تو فسردگی نہاں ہے بکمین بیزبانی

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیمکش کو یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

کیا بدگماں ہے مجھ سے کہ آئینہ میں مرے طوطی کا عکس سمجھے ہے زنگار دیکھکر

ہے تازہ مفلساں زر از دست رفتہ پر ہوں گلفروش شوخی داغ کہن ہنوز

صاحبان ذوق سلیم بتائیں کہ ان اشعار میں کہاں تنافر ہے۔ آگے چلکر مولانا لکھتے ہیں کہ "ہم آواز حروف کی یکجائی سے بھی تنافر کا عیب کم از کم بصورت خفی ضرور پیدا ہو جاتا ہے بلکہ س و ش۔ س وص۔ ک وگ۔ اور ز وس کی یکجائی بھی اکثر عیب تنافر کا موجب ہو جاتی ہے" اول تو یہ تعریف ہی غلط ہے۔ کہ ایسے دو لفظوں کے آجانے سے الخ ثقل و ناگواری پیدا ہو جاتی ہے۔ غالب

کے مذکورہ بالا اشعار میں کون تنافر بتائیگا اور "من نمیدانم" میں کون ثقل تجویز کرے گا
دوسرے "خواجہ توچہ تجارت میکنی" میں کہیں دو ایسے لفظ نہیں آئے مگر اس جملہ میں
ثقل اور ناگواری بدرجہ اتم موجود ہے اور تنافر ظاہر ہے۔ پھر دوسری جگہ یہ کہنا کہ
ہم آواز حروف کی یکجائی سے کم از کم بصورت خفی ضرور ثقل پیدا ہو جاتا ہے۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تنافر کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں خفی و جلی جنکی نہ ہم کو
مثالیں ملتی ہیں اور نہ فرق ہماری سمجھ میں آجاتا ہے۔ استاد کا مشہور شعر ہے ؎

چو پوسیدہ چوبے کہ در کنج باغ فروزندہ باشد بشب چون چراغ

یہ مسلم ہے کہ دوسرے مصرعہ میں تنافر ہے مگر اس میں کہیں "ایسے دو لفظ" متصل
نہیں آئے اور نہ ہم آواز حروف جمع ہوئے۔ کاش مولانا وہی تعریف بیان کرتے۔
جو علمائے فن نے کی ہے تو اچھی طرح سمجھ میں آجاتی یعنی ایسے الفاظ اور حروف
کا کلام میں جمع کرنا جنکا تلفظ زبان پر ثقیل اور ناگوار ہو خواہ متحد المخرج ہوں یا
بعید المخرج۔ یہ تعریف نہایت جامع و مانع ہے اور تنافر کی شناخت اور تمیز
طبع سلیم کے لئے کچھ زیادہ دشوار نہیں ہے لیکن مولانا نے استادوں کے بکثرت
شعروں میں تنافر بتایا ہے جسکو کوئی قبول نہیں کریگا مثلاً ؎

میرؔ۔ اسکی چشم سیہ ہے وہ جس نے کتنے جی مارے اک نگاہ کے بیچ

میرؔ۔ آنکھوں میں میری عالم سارا سیاہ ہے اب
مجکو بغیر اس کے آتا نہیں نظر اب

قائمؔ۔ نام سنتے ہی اسکا کیوں قائمؔ پھر کیا تو نے اضطراب شروع

مخمورؔ لکھنوی ؎
مخمور مجھے بادۂ سرخوش سے چھکایا ہونے کی نہیں ساقی کی امداد فراموش

صابرؔ دہلوی ؎

پائیں گر تیرے مرقع کے کچھ اوراق آنکھیں　　سات پردوں میں رکھیں اتنی ہیں مشتاق آنکھیں

ناسخ۔ سو رقص سے افزوں ہے پری رو تری رفتار

پاؤں کی صدا لاکھ ترنم سے زیادہ

جلیل۔ چشمۂ فیض سے دنیا ہوئی سیراب جلیل

میرے حصہ میں مے عشق کا ساغر آیا

صفدر۔ کس قدر لطف مرض میں ہے کہ نام صحت

بدشگونی ہے ترے عشق کے بیماروں میں

حسرت۔ غرض یہ تھی نہ ہو اہل ہوس کو میل غم حسرت

نہال عشق کو ظاہر میں حق نے بے ثمر رکھا

ذوق۔ اے ذوق دیکھ دختر رز کو نہ منہ لگا

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

غرض یہ کہ ہندوستان کے کسی مستند اور غیر مستند شاعر کے کلام میں مولانا نے تنافر تجویز کئے بغیر نہ چھوڑا اور عربی کی اس مثل کو نہیں دیکھا۔ البلائہ اذا عمت طابت۔ طول کے خوف سے ہم یہاں صرف شعرا کے نام لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ شعر کتاب میں دیکھ لیجئے۔ وحشت۔ ماہر۔ مجروح۔ ذکی۔ شیفتہ۔ محوی۔ رسا۔ بیخود۔ جلیل۔ اشرف۔ بحر۔ میر کلو عرش۔ خواجہ وزیر۔ نادر۔ حالی اسیر۔ غالب۔ ناسخ۔ آتش۔ ذوق۔ شہیدی۔ صفدر۔ ثاقب۔ مسرور وغیرہ۔

اشعار مندرجہ ذیل میں خواہ وہ کسی کے ہوں بیشک تنافر موجود ہے جو طبع سلیم سے پوشیدہ نہیں ہے ؎

تھا سرخ پوش وہ گل شاید چمن کے اندر　　شعلہ سا شب پھرے تھا سرو و سمن کے اندر

واں ہے تمہاری بزم میں بے سرخ جام سرخ　　یاں ہیں سرشک سرخ سے آنکھیں مدام سرخ

ہم سخن تیشہ نے فرہاد کو شیریں سے کیا   جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال اچھا ہے

زہر ملتا ہی نہیں مجھکو ستمگر ورنہ   کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں

اس تمام تقریر سے قارئین کرام پر واضح ہو گیا ہوگا کہ مولانا کو تنافر کے سمجھنے اور تعریف کرنے میں سہو ہوا ہے۔ ایک معمولی سی بات ہے کہ لفظ عشق کے بعد ہم مولانا کی تعریف کے مطابق علامت مفعول یعنی کو یا علامت اضافت یعنی کا کی کے استعمال نہیں کر سکتے۔ جہاں ایک دو لفظ متصل آ جائینگے جنکے حرف اول و آخر ایک ہونگے تنافر پیدا ہو جائیگا۔ مثلاً ہم نہیں کہہ سکتے۔ قلم میرا۔ عجم میرا۔ حرم میرا۔ شہرت تیری۔ حسرت تیری۔ فرقت تیری۔ روشن نہیں۔ دشمن نہیں۔ جنون نہیں۔ دل لینا۔ محل لینا۔ حل لینا۔ داد دینا۔ برباد دینا۔ فرہاد دینا وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ طبع سلیم ان تراکیب میں تنافر تجویز نہیں کرتی۔

۲۔ تکرار الفاظ (قبیح)

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ تکرار الفاظ کہیں قبیح ہوتی ہے کہیں پسندیدہ مگر اس میں بھی مولانا نے بڑی بے اعتدالی سے کام لیا ہے مثلاً

غالب۔ ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے   یاں تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے

" ۔جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی   لکھ دیجیو یارب اسے قسمت میں عدو کی

" تا کردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد   یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

" ابھی آتی ہے بو بالش سے اسکی زلف مشکیں کی
ہماری دید کو خواب زلیخا عار بستر ہے

اسیر۔ سامنے یار کے کمرے کے بنایا کمرا   در جو توڑا تو اسی در کے مقابل توڑا

جلیل۔ پہنچ گیا سرِمنزل میں اک تڑپ میں جلیل
جو عمر بھر میں نہ ہوتا ہُوا وہ دم بھر میں

سالک۔ مجھ پہ ایسی جفا کی کثرت کی کہ اُسے غیر نے ملامت کی

حسرت۔ وہ بھی دل تھام کے رہ جائیں جو سُن پائیں کبھی
ہے غضب ان کے فقیروں کی صدا کی تاثیر

ان مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا شعر میں دو اضافتیں لانا بھی قبیح سمجھتے ہیں۔ گناہوں کی حسرت کی داد۔ زخم کے رفو کی تدبیر۔ اسکی زلفِ مشکیں کی بُو۔ یار کے کمرے کے سامنے۔ پہلے پہل کی ملاقات کی بات۔ انکے فقیروں کی صدا کی تاثیر۔ یہ سب اضافتیں انکے نزدیک معیوب ہیں۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ پھر ایک چیز کی طرف دو چیزوں کو کسطرح مضاف کریں جو یہ عیب زبان میں نہ پایا جائے۔ اور بعض شعروں میں تو یہ بات بھی نہیں ہے۔ غالب کے جواب دینے والے تو ہزاروں ہیں اسکے اعتراضوں کا جواب تو اسکے طرفدار دے دینگے۔ مگر جلیل اور سالک کے شعروں میں تو ہمیں کوئی عیب نظر نہیں آتا۔ لطف یہ ہے کہ مولانا حسرت نے خود اپنے شعر میں اصلاح دی ہے۔ اور یوں بنایا ہے۔

وہ بھی دل تھام کے رہ جائیں جو سُن پائیں کبھی
ہے غضب اپنی فقیرانہ صدا کی تاثیر

سخن فہم دیکھیں کہ فقیروں کو انکی طرف مضاف کرنے میں کیا لطف تھا۔ اور فقیرانہ صدا کو اپنی طرف مضاف کرنے میں کیا سستی پیدا ہوگئی۔

(۳) ہائے مختفی کے بجائے الف کا استعمال

"ترکیب فارسی کے ساتھ ہائے مختفی کی جگہ الف کا استعمال یقیناً ناجائز ہے مگر اردو شاعروں میں کم ایسے ہیں جو اسباب کا لحاظ رکھتے ہوں اور ان سے اس غلطی کا ارتکاب نہ ہوتا ہو" اس تعریف سے تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ شعر میں ہائے مختفی الف سے کہاں بدل جاتی ہے - شاید مثالوں سے کچھ پتہ چلے -

حسرت استاد جرأت سے

چلا وہ شوخ عین شدت گریہ میں رخصت ہو مری آنکھوں نے ٹک اشکوں کو تھم لینے نہیں دیا

"پہلا مصرع پڑھنے میں یوں آتا ہے - چلا وہ شوخ عین شدت گریا میں رخصت ہو گریہ کی بجائے گریا غلط ہے" - یہ تشریح مصنف کی ہے - انہوں نے ہائے مختفی کو الف سے بدلا مگر وزن میں کوئی فرق نہیں ہوتا - دو سبب خفیف پہلے بھی تھے - اور اب بھی ہیں - شاید عروض نہ جاننے کی وجہ سے یہ اشتباہ ہوا - یہ شعر بحر ہزج مثمن سالم میں ہے جسکی تقطیع یوں ہے - چلا وہ شو مفاعیلن - خ عینے شد مفاعیلن دَ تے گر یہ مفاعیلن - م رخصت ہو مفاعیلن - ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ گریہ کی ہائے مختفی سبب خفیف کے آخر میں واقع ہوئی ہے جو ساکن ہے وہاں اسکو الف سے بدلنے کی کوئی ضرورت نہیں - اور مثال ملاحظہ ہو -

جرأت - جو دل وحشت زدہ پھرتا تھا آوارہ پڑا

سنتے ہیں جرم محبت پر وہ کل مارا پڑا

"تنہا لفظ آوارہ کا قافیہ مارا کے ساتھ جیسا کہ جرأت کے اس شعر میں ہے جائز سمجھا جاتا ہے - لیکن اضافت یا ترکیب فارسی کے ساتھ آوارہ کا تلفظ آوارا کے طور پر کرنا کسی طرح صحیح نہیں - یہی حال لفظ نظارہ کا ہے کہ تنہا اسکا قافیہ

گوارا کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ مگر اضافت فارسی کے ساتھ نہیں ہو سکتا جیسا کہ مسرور کاکوروی کے اس شعر میں ہے۔

مسرور۔ رکھنا تو نیچی آنکھ گوارا نہیں ہمیں پر کیا کریں کہ حکمِ نظارا نہیں ہمیں

اوپر کی تشریح اور مثال سے مصنف کے اشتباہ کا ماخذ معلوم ہو گیا اور وہ یہ کہ شعرائے اردو ہائے مختفی اور الف کا قافیہ باندھ دیتے ہیں اسکو مولانا ترکیب فارسی کے ساتھ ناجائز بتاتے ہیں۔ یہاں تک تو صحیح ہے مگر درمیان شعر جہاں کہیں ہائے مختفی آئی ہو اور وہ ساکن ہو اسکو الف سمجھنا غلط ہے۔ جیسا کہ استاد جرأت کے شعر میں بیان ہو چکا۔ آگے چلکر مولانا کو پھر دھوکا ہوتا ہے اور وہ فرماتے ہیں "بلکہ بعض بعض موقعوں پر تو بلا اضافت تنہا لفظ زیادہ کا بھی تلفظ زیادا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ مثلاً بیخود دہلوی ؎

کھل گئی سب تری باتوں سے شرارت تیری شوخ تجھ سے بھی زیادہ ہے طبیعت تیری

اس شعر کا دوسرا مصرع اگر یوں ہوتا۔ شوخ تجھ سے بھی ہے کچھ بڑھکے طبیعت تیری تو بہتر ہوتا"۔ معلوم ہوا کہ مولانا ہائے مختفی کا شعر میں آنا ہی نا پسند کرتے ہیں۔ تعریف میں تو ترکیب فارسی کی قید بھی لگا دی تھی۔ یہاں تو سرے ہی سے اس کو نکال ڈالا کیونکہ اسکو الف کا شبہ ہوا حالانکہ یہاں بھی فاعلاتن کے سبب خفیف کے آخر میں واقع ہوئی ہے۔ اگر ترکیب فارسی اور قافیہ کی قید لگائی جاتی تو کسی حد تک درست تھا۔ مگر شعر میں ہر جگہ ہائے مختفی کو الف سمجھنا صحیح نہیں۔ ہائے مختفی یا تو تقطیع میں ساقط ہو جاتی ہے یا سالم رہتی ہے پھر یا متحرک ہوگی یا ساکن وہ الف سے کسی حالت میں نہیں بدلتی اور مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

حسرت۔ ہر آن ہے مژگاں پہ لختِ جگر تازہ
بہ نخلِ محبت میں آیا ثمر تازہ

آتش - حسن بے پردہ کا عالم جلوہ گر پاتا ہوں میں
دم پھڑک جاتا ہے عریاں دیکھ کر تلوار کو
غالب - ہوئی ہے کسقدر ارزانیٔ مے جلوہ　کہ مست ہے ترے کوچہ میں ہر در و دیوار
نظم - پادشاہی تھی گدائی درِ میخانہ کی　کہ سلیماں کی طرح لیکے اڑا ہوش مجھے
نساخ - جو سنیگا تری غزل نساخ　زمزمہ سنج مرحبا ہوگا

اسی طرح اور بہت سے شعر مصنف نے مثال میں دیے ہیں مگر ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں ہائے مختفی الف سے بدل گئی - انکا نشان جگر تازہ - ثمرِ تازہ - حسن بے پردہ - ارزانی مے جلوہ - در میخانہ - زمزمہ سنج پر ہے - ان سب مثالوں میں ہائے مختفی تقطیع میں ساکن واقع ہوئی ہے اور اس پر الف کا شبہ کرنا صحیح نہیں - جلیل مانکپوری کے شعر میں تو مولانا نے اصلاح بھی کی ہے -

جلیل - کیا ستم ہے شبِ وعدہ وہ حنا ملتے ہیں　رنگ لائے نہ کہیں خون تمنا ہو کر
مولانا فرماتے ہیں کہ اگر پہلا مصرع یوں ہوتا - کیا ستم ہے وہ شب وعدہ حنا ملتے ہیں تو بہتر ہوتا - ہمارے خیال میں جلیل کی بندش چست ہے -

۴- نقص روانی - قسم اول عمومی

"شعر میں روانی کا نقص بھی ایک ایسا عیب ہے جسکی ناگواری مسلم ہے - اسکی کئی صورتیں عام طور پر نومشق شعرا کے کلام میں اور کبھی کبھی پختہ مشق اساتذہ کے اشعار میں بھی پائی جاتی ہیں - پہلی صورت یہ کہ شعر میں یکے بعد دیگرے ایسے الفاظ جمع ہو جائیں کہ انکا زبان سے روانی کے ساتھ نکلنا ممکن نہ ہو" اس تعریف سے ہی معلوم ہو گیا کہ وہ عیب تنافر ہے - جسکو مولانا پچھلے بیان میں

نہیں سمجھے اور اب اسکا نام نقص روانی رکھتے ہیں۔ مثالوں سے اچھی طرح واضح ہو جائیگا۔

غالب۔ حسرت اے ذوق خرابی کہ وہ طاقت نہ رہی
عشق پر عربدہ کی گوں تن رنجور نہیں

اس کے نیچے مولانا خود نوٹ دیتے ہیں کہ "مصرع ثانی میں عشق پر عربدہ کی گوں یہ چاروں لفظ پے درپے اس قسم کے آ گئے ہیں کہ صفائی اور روانی کیساتھ زبان سے بے تکلف ادا نہیں ہو سکتے" صاف ظاہر ہو گیا کہ زبان پر انکا تلفظ دشوار اور ثقیل معلوم ہوتا ہے۔ پس یہ عیب تنافر ہے اور کوئی نیا عیب نقص روانی نہیں ہے۔ اور مثال لیجئے۔

غالب۔ ہم سے رنج بیتابی کس طرح اٹھایا جائے
داغ پشت دست عجز شعلہ خس بدنداں ہے

مصرع ثانی میں صاف تنافر موجود ہے۔ جسکو مولانا روانی کا نقص بتاتے ہیں۔

نظم طباطبائی۔ شغل خود بینی تھا شان بزم آرائی نہ تھی
جلوہ گر تھا یار اور چشم تماشائی نہ تھی

مولانا حسرت نے کیسے نفیس شعر میں نقص روانی بتایا ہے جس سے زیادہ صفائی اور روانی شعر میں ممکن نہیں۔ کیسی چست بندش ہے اور کس صفائی سے ہر لفظ کو نظم کیا ہے کہ شاعر کے اسم با مسمیٰ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن مولانا اسپر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مصرع اول میں بزم کے ساتھ آرائی کے جوڑ میں روانی کا عنصر ناپید ہے۔ بزم کے ساتھ اگر محفل کا لفظ لکھ دیا جائے تو یہ نقص با آسانی رفع ہو سکتا ہے" ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ بزم میں کیا عیب تھا اور محفل میں کیا خوبی ہے۔ اب ہم ایک باریک فرق ناظرین کو

بناتے ہیں۔ 'بزم آرا' اور 'محفل آرا' دونوں کا وزن فاعلاتن ہے۔ مگر 'بزم آرا' میں الف پر جو مد ہے وہ صاف تلفظ میں آتی ہے اور 'محفل آرا' میں اسکی جگہ لام آجاتا ہے اور مد غائب ہوجاتی ہے۔ بندش کی خوبی یہی ہوتی ہے کہ کوئی حرف باوجود جواز کے گرنے نہ پائے اور یہ خوبی 'بزم آرا' میں ہے نہ کہ 'محفل آرا' میں۔ علاوہ ازیں بزم ہی بہ نسبت محفل کے سبک اور ملائم ہے۔

دوسری صورت نقص روانی کی مولانا یہ بتاتے ہیں کہ" درمیان شعر میں اور کا لفظ داخل ہوکر روانی کو ناقص کر دے" سمجھ میں نہیں آتا کہ اور کسطرح روانی میں نقص پیدا کرسکتا ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں :-

میر سوز ۔ ؎ خانہ بدوش اور ازل سے غریب تھا
دل کا بتاؤں تجکو بھلا آشیاں کہاں

غالب ۔ ؎ ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا
بنگیا رقیب آخر تھا جو رازداں اپنا

لطافت ۔ ؎ قتل کو ہائے وہ کمسن وہ ستمگار اٹھے
نہ کماں جس سے اٹھے اور نہ تلوار اٹھے

جلیل ۔ ؎ آنکھ سے آنکھ ملانے کا یہ انجام ہوا
غم ترا مجکو ملا اور مرا دل تجھکو

جگر ۔ ؎ غم تمہارا وہ کہ سب کچھ اور پھر کچھ بھی نہیں
دل ہمارا یہ کہ ہے برباد بھی آباد بھی

کیسے کیسے نفیس شعروں میں مولانا نقص روانی بتاتے ہیں کہ جس سے بڑھکر چست بندش صفائی اور روانی ہو نہیں سکتی۔ ہر شعر میں لفظ اور کو نہایت خوبی سے باندھا ہے اور اسی لفظ سے کلام میں زور اور صفائی آگئی ہے جو مذاق سلیم سے

پوشیدہ نہیں ہے۔

تیسری صورت نقص روانی کی مولانا یہ بتاتے ہیں کہ پہلی صورت کی خرابی کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہوا کرتی ہے کہ مصرع ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور ہر ٹکڑے کا مضمون ناتمام رہ جائے مثلاً

میر سوز۔ صد شکر کہ داغ دل افسردہ ہوا اپنا
یہ شعلہ بھڑکتا تو گھر بار جلا دیتا

یہاں پہلے مصرع میں داغ اور دل اور دوسرے مصرع میں بھڑکتا اور تو کو ساتھ ملا کر پڑھنے میں روانی باقی نہیں رہتی" یہ تعریف اور مثال شکست ناروا کی ہے۔ جسکا ذکر مولانا نے صفحہ ۴۲ پر کیا ہے۔ چنانچہ ہم وہ عبارت نقل کرتے ہیں " فارسی اور اُردو کی شاعری میں جو بحریں مروج ہیں ان میں سے بعض کی خصوصیت یہ ہے کہ پڑھنے میں ہر مصرع کے دو ٹکڑے ہو جایا کرتے ہیں۔ ایسے تمام اشعار میں اگر مصرعوں کے ٹکڑے علٰحدہ علٰحدہ نہ ہو سکیں بلکہ ایسا ہو کہ کسی لفظ یا فقرہ کا ایک حصہ ایک ٹکڑے میں اور دوسرا حصہ دوسرے ٹکڑے میں لازمی طور پر آتا ہو تو یہ بات یقیناً معیوب سمجھی جائیگی۔ شکست ناروا اسی کا نام ہے۔

مثلاً میر ؎ نہ گیا خیال زلف سیہ جفا شعاراں
نہ ہوا کہ صبح ہووے شب تیرہ روزگاراں

اقبال۔ ؎ کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں

عاشق۔ ؎ تھا اضطراب دل کا جس خط میں حال لکھا
سو بار بند کرنے پر بھی کھُلا رہا ہے

مولانا کا اعتراض سیہ اور ہیں اور پر کے متعلق ہے کہ یہ کیوں دوسرے رکن میں

واقع ہوئے ہیں۔ میر سوز کے مذکورہ بالا شعر میں بھی یہی بات ہے کہ 'صد شکر کہ داغ دل اور افسردہ ہوا اپنا علحدہ ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی یہ شعلہ بھڑکتا تو اور گھر بار جلا دیتا علحدہ ہو گئے ہیں۔ قارئین کرام بتائیں کہ نقص روانی کی تیسری صورت میں اور شکست ناروا میں کیا فرق ہے۔ ہمیں تو تعریفیں اور مثالیں دونوں یکساں معلوم ہوتی ہیں۔

(۵) نقص روانی قسم دوم خصوصی موسوم بہ ضعف خاتمہ

اسکی تعریف مولانا یوں کرتے ہیں کہ "جب روانی کا نقص کسی مصرع کے آخر میں ہوتا ہے تو مزید ناگواری کا موجب ہو جاتا ہے اور ضعف خاتمہ کے نام سے موسوم ہوتا ہے" جب ہم نقص روانی کو ہی نہیں سمجھ سکے تو ضعف خاتمہ کو کیا سمجھیں اگر مولانا کی نقص روانی کی تعریف کے مطابق ہم اسکو عیب تنافر سمجھیں تو مندرجہ ذیل مثالوں کو جانچتے ہیں کہ اس میں کیا عیب ہے۔

میر درد۔ کونسا دل ودہے کہ جسمیں آہ خانہ آباد تونے گھر نہ کیا

میر حسن ۔ شیشہ خالی نہیں ہوتا ہے نہ تھمتے ہیں اشک
کیسے روتے ہیں دل خوں شدہ کو بیٹھے ہم

ہوس۔ قیس آوارہ کی غربت میں کٹی ساری عمر
پر فلک نے نہ اسے روئے وطن دکھلایا

اسیر۔ عشقبازی کی یہ خو ہے کہ لگی دل پہ چوٹ
چلتے پھرتے جو کوئی صورت زیبا دیکھی

غالب ۔ نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب
لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

انشا - آج عاشق کو ترے قبر میں رکھتے ہیں لوگ
دفن اک زلزلہ ہوتا ہے زمیں کی تہ میں

غالب - اس نزاکت کا بُرا ہو وہ بھلے بھی ہیں تو کیا
ہاتھ آئیں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے

داغ - میں بھی حیران ہوں اے داغ کہ ہے کیا یہ بات
وعظ وہ کہتے ہیں آتا ہے تبسم مجھکو

ہم بھی داغ کی طرح حیران ہیں کہ اشعار مذکورہ بالا میں کیا عیب ہے - نہ نقص روانی عمومی ہماری سمجھ میں آیا اور نہ نقص روانی خصوصی اور نہ ان شعروں میں کوئی اور عیب پایا جاتا ہے - چند شعروں میں مولانا نے اصلاح بھی دی ہے - انکو بھی دیکھتے ہیں - مثلاً

اصل شعر - قیس آوارہ کی غربت میں کٹی ساری عمر
پر فلک نے نہ اسے روئے وطن دکھلایا

اصلاح - قیس آوارہ کی غربت میں کٹی عمر تمام
پر فلک نے نہ اُسے روے وطن دکھلایا

اصل شعر - دل لگانے کے ہیں اسی سے لطف
جان سے بھی ہمیں سوا ہے عشق

اصلاح - دل لگانے کے ہیں اسی سے مزے
جان سے بھی ہمیں سوا ہے عشق

اصل شعر - صبر سے سہل گذر جائیں گے دن ہجراں کے
سالک انسان کو لازم نہیں مضطر ہونا

اصلاح - صبر سے سہل گذر جائیں کے ایام فراق

سالک انسان کو لازم نہیں مضطر ہونا

اصل شعر سے میں بھی حیران ہوں اے داغ کہ ہے کیا یہ بات
وعظ وہ کہتے ہیں آتا ہے تبسّم مجکو

اصلاح سے میں بھی حیران ہوں اے داغ کہ یہ بات ہے کیا
وعظ وہ کہتے ہیں آتا ہے تبسّم مجکو

اصل شعر سے برنگِ سبزۂ بیگانہ ہیں ہم آشنائے گل
ہماری سرفرازی ہے ہماری پائمالی سے

اصلاح سے برنگِ سبزۂ بیگانہ ہیں ہم آشنا گل سے
ہماری سرفرازی ہے ہماری پائمالی سے

ہم تو اپنے ہی ذہن کا قصور بتائینگے کہ تعریف اور مثالوں اور اصلاحوں سے ہم ضعف خاتمہ کو کچھ نہ سمجھ سکے کہ کیا ہے ؟

باقی عباسی شادانی

سابق پروفیسر جسونت کالج جودھپور

عربوں کے مسکن

ہم اس سے پیشتر اس رسالہ میں عربوں کی ابتدائی اور لابدی ضروریات میں سے ان کی خوراک اور لباس سے بحث کر چکے ہیں۔ آج کی صحبت میں عام طلبہ کے افادہ کے لئے اُن کے مسکنوں یعنی گھروں کا مختصر بیان کرتے ہیں۔

اہل بادیہ اور اہل حضر کی طرز معیشت ایک دوسرے سے مختلف ہے اسی مناسبت سے موسم کی گرمی اور سردی سے بچاؤ کے لئے انھوں نے الگ الگ طریقے اختیار کئے ہیں۔ پہلے ہم اہل بادیہ کی طرز سکونت کا اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

اہل بادیہ کے بُیُوت

خانہ بدوش اہل بادیہ کے لئے جو اپنی تمام زندگی گھاس اور پانی کی تلاش میں گزار دیتے ہیں۔ ایک مستقل مسکن خارج از بحث ہے۔ مگر چونکہ ان کو بھی بہرصورت آفتاب کی تمازت اور باد و باراں کی سختی سے اپنی حفاظت کرنی ضرور ہے۔ اس لئے انھوں نے اپنی طرز معیشت کی ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے لئے خیمہ اختراع کر لیا ہے۔ جسے وہ اپنے ہمراہ ایک جگہ سے دوسری جگہ اٹھا کر لیجا سکتے ہیں اور اس کے ذریعہ سے موسم کی گرمی سردی سے اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں۔ اہل بادیہ کے لئے خیمہ میں بہت سی آسانیاں ہیں۔ اول تو اسے آسانی سے اکھاڑا اور گاڑا جا سکتا ہے اور ہلکا ہونے کی وجہ سے دیگر اسباب خانہ کی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں چونکہ خیمہ کا کپڑا

اور رسیاں وغیرہ وہ لوگ اپنے ہی پالتو جانوروں کے بالوں سے بناتے ہیں۔ اسلئے اس بارہ میں بدوی غیروں کے محتاج نہیں بنتے اور اپنے ہی ملک کے اندرونی ذرائع پر اعتماد کرسکتے ہیں۔ غرض اہل بادیہ نے اپنی ضروریات کی مناسبت سے ایک خاص قسم کا عارضی مسکن اختراع کرلیا ہے جو نہ صرف بدوی زندگی کا بلکہ ملک عرب کی فضا کا ایک امتیازی نشان ہے۔

بدوی اپنے خیمہ کو بَیت الشعر یعنی بالوں کا گھر یا عام طور پر صرف بَیت (جمع بُیُوت، اَبیات) کہتے ہیں۔ یہ خیمہ موٹے جھوٹے اُونی کپڑے سے بناتے ہیں جو بالعموم بھیڑ بکری کے بالوں سے تیار کیا جاتا ہے۔ اسی رعایت سے اہل بادیہ کو بعض اوقات اَہلُ الوَبَر بھی کہتے ہیں (وَبَر بمعنی اُون)۔ قبیلہ کی عورتیں خود ہی بھیڑ بکریوں کی اُون سے دھاگا تیار کرتی ہیں۔ اور جب کبھی قبیلہ کہیں دو چار دن قیام کرتا ہے تو عورتیں فرصت پاکر اس اونی دھاگے سے کپڑا بُن لیتی ہیں۔ اسی کپڑے کو ساتھ ساتھ جوڑکر اور سی کر خیمہ بناتے ہیں۔ عربی طرز کا عام خیمہ دراصل ایک لمبا چوڑا مستطیل سائبان ہوتا ہے جسکو متعدد چوبوں یعنی چھڑیوں کے سہارے استادہ کیا جاتا ہے۔ ان چھڑیوں میں سے درمیانی چوب سب سے لمبی اور بلند ہوتی ہے۔ پھر اس سائبان سے اُسی اُونی کپڑے کے پردے لٹکا کر گھر کی صورت پیدا کر لیتے ہیں۔ خیمہ کی پشت والے پردے کو رُواق کہتے ہیں۔ اور اس پردے کے زیریں حصہ کو سفلہ۔ دائیں بائیں طرف کے پردوں کو رفہ کہتے ہیں۔ سامنے کی طرف عام طور پر ہوا کے لئے کھلی رہتی ہے۔ صرف جھکڑ یا آندھی کے وقت بند کرتے ہیں۔ خیمہ کی درمیانی چوبوں کے ساتھ ایک قد آدم پردہ تان کر عورتوں کی رہائش کے لئے ایک حصہ علیحدہ کر دیتے ہیں۔ اسے حَرَم کہتے ہیں۔

خیمہ کی شکل وصورت بالعموم مستطیل ہوتی ہے۔ درمیانی چوب کو جو سب سے لمبی ہوتی ہے۔ عَمُود کہتے ہیں۔ عام طور پر یہ چوبیں جن پر خیمہ نصب ہوتا ہے تعداد میں نو ہوتی ہیں۔ تین چوبیں درمیان میں استادہ کی جاتی ہیں۔ اور تین تین دونو طرفوں پر۔ خیمہ کی وسعت یعنی اسکا طول وعرض صاحب خانہ کی ضروریات پر موقوف ہوتا ہے۔ اگر خیمہ وسیع تر کرنا ہو تو لمبائی کے بل اور چھڑیاں زیادہ کر دیتے ہیں۔ ان چوبوں کو رسیوں کے ذریعہ سے اپنی جگہ قائم رکھا جاتا ہے۔ جنکو طُنُب (جمع اطناب) یعنی طنابیں کہتے ہیں۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ خیمہ کی ساخت اس طرز کی ہوتی ہے کہ موسم کی کیفیت کے لحاظ سے اس میں بآسانی تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ پشت اور اطراف کے پردے قلّابوں (ہکس) اور رسیوں کے واسطہ سے لٹکائے جاتے ہیں اور انکو آسانی سے اتارا اور لٹکایا جا سکتا ہے۔ گرمی کے موسم میں سامنے کی طرف کو بالکل کھُلا چھوڑ دیتے ہیں۔ تاکہ ہوا بلا روک ٹوک آسکے۔ سرما میں پشت والے پردے یعنی رواق کے نچلے حصّے (سفلہ) پر پتھر رکھ دیتے ہیں تاکہ اُسے ہوا نہ اُٹھا سکے اور سامنے کی طرف بھی پردہ لٹکا دیتے ہیں۔ جس سے خیمہ بالکل بند ہو جاتا ہے۔ اگر ہوا سامنے کی طرف سے زور سے چلے تو رُواق کو اتار کر سامنے کی طرف لٹکا دیتے ہیں۔ جس سے جھکڑ کی روک تھام ہو جاتی ہے۔ اگر بہت گرمی ہوا ور ساتھ ہی ہوا بھی بند ہو تو رُواق کو اٹھا دیتے ہیں اور چھڑیوں کے سہارے اطراف کو بھی زمین سے اسطرح بلند کر دیتے ہیں کہ خیمہ چاروں طرف سے کھُل جاتا ہے اور ہوا کی آمد ورفت میں کوئی مزاحمت باقی نہیں رہتی۔

قیام کے وقت خیموں کا گاڑنا اور سفر کے وقت انکا اکھاڑنا اور اونٹوں

پر بار کرنا یہ سب کام عورتوں کے ذمہ ہے - موسم کے لحاظ سے خیمہ میں تبدیلی کرنا بھی ایک سلیقہ شعار بیوی کے فرائض میں سے ہے -

ایک بدوی خیمہ کا سامان

ایک بدوی خیمہ کے سامان کی قلت اور نوعیت سے انکا خانہ بدوش ہونا عیاں ہے چونکہ وہ ہمیشہ ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتے رہتے ہیں - بار برداری کی مشکلات انکو مجبور کرتی ہیں کہ وہ اپنے ہمراہ بقدر کفایت تھوڑے سے تھوڑا اسباب رکھیں - چند اُونی چادریں یا قالین کے ٹکڑے لکڑی اور دھات کے چند ایک برتن اور چند چھوٹے بڑے مشکیزے' یہ ایک بدوی خیمہ کی کل کائنات ہوتی ہے اگر کسی کے پاس غلہ یا کھجوروں کی ایک آدھ بوری ہو تو وہ اس پر مستزاد ہے - غرض ان کا مال و اسباب سفر کی ضروریات کے سبب سے نہ تو بوجھل اور ضخیم ہوتا ہے اور نہ ہی اس قسم کا کہ آسانی سے ٹوٹ پھوٹ جائے -

ایک بدوی خیمہ کا اسباب بالعموم حسب ذیل اشیا پر مشتمل ہوتا ہے :-

۱ - اُونی چادریں اور قالین -
۲ - تکیے اور گدّے' پالان کو قابل نشست بنانے کے لئے -
۳ - غلّہ' کھجور یا دیگر سامان خوراک کی چند بوریاں -
۴ - اونٹ کی کھال کے چند بڑے کُپّے پانی رکھنے کے لئے -
۵ - بھیڑ بکری کی کھال کے مشکیزے دودھ اور گھی کے لئے -
۶ - چمڑے کا ایک حوض جسے لکڑی کے ایک بلند چوکھٹے پر پھیلا کر اس میں سے اونٹوں کو پانی پلاتے ہیں -

۷ - چمڑے کا بڑا ڈول (دلو) جس سے کوئیں سے پانی نکالتے ہیں۔ اس کی رسی بھی چمڑے کی ہوتی ہے۔

حسب ذیل اشیا لکڑی کی بنی ہوتی ہیں :-

۱ - ہاون و دستہ غلّہ کوٹنے کے لئے ۔

۲ - چھوٹے بڑے پیالے اور تھالیاں ۔

۳ - تانبے کے چند برتن آگ پر کھانا تیار کرنے کے لئے ۔

ان کے علاوہ شیخ قبیلہ کے خیمہ میں ایک کیتلی اور چند ایک چینی کے پیالے قہوہ پینے کے لئے ہوتے ہیں جو سفر میں کپڑے میں لپیٹ کر ایک لکڑی کے صندوقچہ میں بند کر دئے جاتے ہیں ۔

بدویوں کے ہاں مٹی کے برتنوں کا استعمال بالکل نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ سفر میں ان کے بآسانی ٹوٹنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اسی سبب سے گلی ظروف کی صنعت (Pottery.) اہل بادیہ کے درمیان کلیّتہً مفقود ہے ۔

منزل

نزول کے وقت مختلف قبیلوں میں مختلف حالات کے اقتضاء سے خیموں کی ترتیب مختلف ہوتی ہے۔ جب خیمے تھوڑے ہوں تو بالعموم ایک دائرہ کی صورت میں یا بیضوی شکل میں نصب کرتے ہیں ۔ اس قسم کی منزل کو دُوَار کہتے ہیں ۔ یہ ترتیب خصوصاً اس صورت میں ملحوظ رکھی جاتی ہے جبکہ قبیلہ والے کمزور ہوں ۔ یا کسی غیر علاقہ میں فروکش ہوں جہاں کسی مخالف قبیلے کے حملہ کا خطرہ ہو۔ رات کے وقت مال مواشی حفاظت کی غرض سے دُوَار کے اندر رکھتے ہیں ، جہاں سے انکا ہانک لے جانا بغیر طنابیں اور خیمے گرائے اور اہل منزل کو خبردار

کیئے ممکن نہیں ۔

اگر خیموں کی تعداد زیادہ ہو تو وہ ایک ہی قطار یا کئی ایک متوازی قطاروں میں نصب کیئے جاتے ہیں۔ اس طرز کے کیمپ کو منزِل کہتے ہیں۔ بعض طاقتور قبیلے قیام میں کسی قسم کی ترتیب اختیار نہیں کرتے ۔ مثلاً مُوسِل صاحب کے بیان کے مطابق قبیلہ رُوَیلہ کے افراد دیگر قبائل کیطرح دائرہ کی صورت یا بیضوی شکل میں اپنے خیمے نصب نہیں کرتے ۔ بلکہ جہاں کوئی چاہتا ہے اپنا خیمہ گاڑ لیتا ہے، کیونکہ انکا قبیلہ طاقتور ہے اور ہر دشمن کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

دیہات کے مکانات

اہل بادیہ کے برخلاف دیہات والوں کی طرز زندگی بالکل دگرگوں ہے اپنے نخلستانوں اور کھیتوں کی دیکھ بھال کے لئے انہیں ایک جگہ رہنا ضروری ہے ۔ لہٰذا انھوں نے اپنی سکونت کے لئے مستقل مکانات بنا رکھے ہیں ۔

عرب میں آبادیاں مختلف حیثیت کی ہیں ۔ ایک تو بڑے شہر مثل مکہ، مدینہ اور صنعاء کے ہیں جنکا مدار بیشتر تجارت پر ہے ۔ یہاں اکثر مکانات پتھر کے ہیں اور دو دو تین تین منزل بلند ہیں ۔ مگر زیادہ تعداد عرب میں دیہات اور چھوٹے شہروں کی ہے ۔ جیسے کہ نجد اور شمالی حجاز میں پائے جاتے ہیں ۔ جنکی زندگی کا مدار نخلستانوں اور اس سے اتر کر بعض غلہ جات کی کاشت پر ہے ۔ ان چھوٹے پیمانہ کی آبادیوں میں عام گھروں کی جو کیفیت اور صورت ہے ذیل میں صرف اُسی کا ذکر کرتے ہیں ۔

یہ ایک قدرتی بات ہے کہ انسان جس ماحول میں رہتا ہے اپنے مسکن کے لئے مسالہ بھی اسی ماحول سے حاصل کرتا ہے ۔ یہ بات خاص طور پر اُن اقوام

پر صادق آتی ہے جو زیادہ متمدن نہیں اور تجارت وغیرہ کے ذریعہ سے دُور دُور کے ملکوں سے مختلف اقسام کے سامان حاصل نہیں کر سکتے۔ لہذا ہر ملک میں وہاں کے مرز بوم کا اثر باشندوں کے مکانات میں کم و بیش عیاں ہوتا ہے مثلاً کہیں مکانات میں لکڑی زیادہ صرف ہوتی ہے۔ کہیں مٹی اور کہیں پتھر۔ علاوہ ازیں مسالہ مستعملہ کا اثر مکان کی ساخت، شکل و ہیئت اور اس کی پائداری پر بھی ہوتا ہے۔ اور وہاں کے موسم کی کیفیت اور حالت بھی طرز عمارت پر اثر انداز ہوتی ہے۔

اب ہم عرب کے قریوں کے مکانات پر ایک عمومی نظر ڈالتے ہیں جس سے متذکرہ بالا اصول کی تصدیق ہوگی۔

دیہات عرب کے مکانات بالعموم کچی اینٹوں سے بنائے جاتے ہیں۔ استعمال سے پہلے ان کچی اینٹوں کو دھوپ میں سکھا لیا جاتا ہے۔ اور بعض اوقات ان میں سختی اور پائداری پیدا کرنے کے لئے چھوٹے چھوٹے پتھر بھی ملا لئے جاتے ہیں۔ اسپر لوگوں کو زیادہ محنت صرف نہیں کرنی پڑتی۔ تھوڑے سے پانی کی آمیزش سے اینٹیں تیار ہو جاتی ہیں۔ یہ اینٹیں کسی خاص اور یکساں پیمانہ پر نہیں بنائی جاتیں۔ بلکہ گوندی ہوئی مٹی کو زمین پر لڑھکا کر گول گول ڈھیلے بنا لیتے ہیں اور سوکھنے کے لئے دھوپ میں رکھ دیتے ہیں۔ تعمیر کے وقت پہلے پتھروں کی دو تین قطاریں چُن لیتے ہیں۔ اسپر یہی ڈھیلے نما اینٹیں رکھ کر گارے کے ساتھ مضبوط کرتے جاتے ہیں۔ جُوں جُوں دیوار اٹھتی ہے اس کا عرض قدرے کم کرتے جاتے ہیں تاکہ بنیادوں اور زیریں حصے پر اتنا زیادہ بوجھ نہ پڑے کہ بنیادیں اسکی متحمل نہ ہو سکیں۔

دیگر ملکوں میں جہاں بارش کثرت سے ہوتی ہے۔ اس قسم کے کچے مکانات

زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکیں۔ مگر عرب میں جہاں اکثر خشک سالی رہتی ہے یا سال بھر میں صرف چند انچ بارش ہوتی ہے۔ پختہ اینٹوں کا استعمال ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ کچی اینٹوں ہی سے کام چل جاتا ہے۔ عرب میں گرم ہوا ہر ایک شئے کو جلد خشک کر دیتی ہے۔ چنانچہ مکانات بھی جلد خشک ہو کر اتنے سخت ہو جاتے ہیں کہ مدت تک شکست و ریخت سے محفوظ رہتے ہیں۔

کچی اینٹوں کے علاوہ دوسری شئے جو دیہاتی عربوں کے مکانوں میں استعمال ہوتی ہے، لکڑی ہے۔ عرب کی خشک سرزمین میں عمدہ عمارتی لکڑی معدوم ہے کیونکہ جو درخت پیدا ہوتے ہیں وہ پانی کی کمی کے سبب سے پست قد ہوتے ہیں اور انکی لکڑی بھی کھوکھلی ہوتی ہے۔ ان سے ایسے لمبے اور مضبوط شہتیر حاصل نہیں ہو سکتے۔ جنکی مدد سے بڑی بڑی عمارتوں کی تعمیر ہو سکے۔ صرف نخل (کھجور کا درخت)، اور اثل (جھاؤ) ہی ایسے درخت ہیں جنکی لکڑی عمارت کے کام آسکتی ہے۔ جب کھجور کا درخت پھل دینا چھوڑ دیتا ہے تو اسکو کاٹ کر عمارت کے کام میں لاتے ہیں۔ اسکے برعکس اثل کا درخت نخلستانوں میں خاص طور پر لکڑی کی خاطر اگایا جاتا ہے۔ ان دونو درختوں کی لکڑی کم و بیش کھوکھلی ہوتی ہے۔ مگر عرب لوگ مجبوراً انہی کو کام میں لاتے ہیں۔ کیونکہ اس سے بہتر لکڑی ان کو میسّر نہیں[۱]۔ درختوں کے تنوں کو بطور شہتیروں کے چھت میں استعمال کرتے ہیں پھر

---

[۱] عرب میں عمدہ عمارتی لکڑی ہمیشہ سے کمیاب رہی ہے چنانچہ آنحضرت صلعم کی بعثت سے کچھ عرصہ پہلے جب کعبہ کی عمارت کو ایک سیلاب میں سخت نقصان پہنچا تو ایک مدت تک چھت کی تعمیر نہ ہو سکی اور کعبہ کی صرف قدآدم اونچی دیواریں کھڑی رہیں۔ اسی زمانہ میں ایک یونانی تاجر کا ایک جہاز جدّہ کے نزدیک ٹوٹ گیا۔ قریش نے اسکی لکڑی خرید لی اور اسے کعبہ کی تعمیر میں استعمال کیا (دیکھو سیرت ابن ہشام۔ طبع یورپ صـ۱۲۲)۔

انکو کھجور کی شاخوں اور پتّوں سے پاٹ دیتے ہیں اور اس پر گیلی مٹی لیپ کر چھت کا فرش بنا لیتے ہیں۔ درختوں کے تنے وسیع دالانوں کی تعمیر میں بھی ستونوں کے طور پہ استعمال ہوتے ہیں۔ دروازوں کے تختے بھی انہی کی لکڑی سے بنتے ہیں۔

سیڑھیاں بالعموم پتھر اور مٹی سے بناتے ہیں مگر بعض کم حیثیت لوگ کھجور کے تنے کو لے کر اور تقریباً ایک ایک قدم کے فاصلہ پر تیشہ سے کاٹ کر سیڑھی کی صورت بنا لیتے ہیں اور اسی کو اپنے مکانوں میں ترچھا کھڑا کر کے اس سے زینہ کا کام لیتے ہیں۔

نجد کے شہروں اور قریوں میں دو منزلے مکان نادر ہیں مگر حجاز کے اکثر مواضع میں مکان کی دوسری منزل بھی ہوتی ہے جسکو عُلِّیَّہ کہتے ہیں۔ چونکہ نچلی منزل نمناک ہوتی ہے اس لئے لوگ عام طور پہ دوسری منزل پہ رہتے ہیں۔ نچلی منزل بطور مردانہ کے استعمال ہوتی ہے۔ یا اس میں آلات زراعت اور غلہ رکھ چھوڑتے ہیں۔ جیسا کہ ڈاؤٹی نے اشارہ کیا ہے۔ حجاز کے مرطوب نخلستانوں میں دوسری منزل بنانے کی یہ غرض و غایت بھی ہوتی ہے کہ تازہ اور کھلی ہوا ملے۔

بعض ملکوں میں جن ضرورتوں سے مکانوں کی چھتوں کو ڈھلوان بنایا جاتا ہے۔ عرب میں مفقود ہیں۔ نہ تو یہاں برف پڑتی ہے اور نہ ہی کثرت سے بارش ہوتی ہے۔ اسلئے عام طور پر ہموار چھتیں بناتے ہیں۔ ہموار چھت ایک اور لحاظ سے بھی مفید ثابت ہوتی ہے۔ گرمی کے موسم میں رات کے وقت لوگ اپنے مکانوں کی چھتوں پہ سوتے ہیں، بالخصوص شہروں میں جو بالعموم گنجان ہوتے ہیں ؎

عنایت اللہ

مدرسۂ سپہ سالار
طہران

ایران میں پرانی طرز کی تعلیم جیسا کہ آج ہمارے اورینٹل کالج میں دی جارہی ہے قاجاریوں کے آخری زمانے تک جاری رہی۔ اور نامنظم حالت میں اب بھی جاری ہے۔ وہ طرز تعلیم تمام اسلامی ممالک میں ہمیشہ یکساں رہا۔ مدارس کی بنا۔ انکی تنظیم۔ اساتذہ وطلبہ کا باہمی میل جول۔ انکی رہایش اور خوراک کا انتظام، درس و تدریس کا طریقہ، غرض ہر چیز ایک خاص اصول پر ترتیب دی جاتی تھی۔ یعنی بانیٔ مدرسہ (خواہ وہ بادشاہ ہو یا وزیر یا رئیس) ایک ایسی عمارت بنواتا تھا جسکا ایک حصّہ مسجد ہو جہاں ادائے نماز بھی ہو اور شغلِ تدریس بھی ہو۔ اسی کیساتھ ملحق عمارت کا ایک دوسرا حصّہ ہوتا تھا جس میں استادوں اور طالب علموں کی رہائش کے لئے حجرے بنے ہوتے تھے۔ اسی حصّے میں ایک بڑا کمرہ کتاب خانہ یا لائبریری ہوتا تھا۔ بانیِ مدرسہ عمارت بنوانے کے بعد ایک بڑی جاگیر (زمین یا مکانات یا دکانیں) اس مدرسہ کے لئے وقف کرتا تھا جسکی آمدنی عمارت کی مرمّت، اساتذہ کی تنخواہیں، طالب علموں کے وظائف اور لائبریری کے لئے نئی کتابوں کی خرید کے لئے کافی ہو سکے۔ طلبہ و اساتذہ کے لئے لباس بھی مخصوص تھا جس میں دو چیزیں ضروری اور نمایاں تھیں یعنی سفید دستار اور سیاہ عبا جسکو عربی میں طیلسان کہتے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے یہ امر باعثِ صد افتخار ہے کہ اہل یورپ نے انکے مدارس کی اس ترکیب کو اپنے لئے اختیار کیا۔ کیمبرج اور آکسفورڈ کی یونیورسٹیوں میں تمام کالجوں کی بنا اسی اصول پر ہوئی ہے۔ یعنی ہر کالج کے ساتھ ایک کلیسا ملحق ہے۔ پروفیسروں اور طالب علموں کے رہنے کے لئے کمرے ہیں۔ ان کی تنخواہوں اور وظیفوں کے لئے بانیٔ مدرسہ کی طرف سے اوقاف ہیں۔ وہی کتابخانہ ہے۔ وہی تدریس ہے اور وہی طیلسان ہے جسکو "گاؤن" کا نام دیدیا گیا ہے۔

ایران میں اس پرانی وضع کے مدرسے اب بھی بکثرت موجود ہیں خصوصاً مشہد اور قم اور

اصفہان میں جہاں طالبعلم اور استاد اُسی لباس اور ہیئت کیساتھ دیکھنے میں آتے ہیں لیکن افسوس یہ ہے کہ ان مدارس کی اندرونی حالت اچھی نہیں۔ ان میں سے اکثر صفویوں کے زمانے کی یادگار ہیں۔ قاچاریوں کی بدنظمی کے عہد میں اوقاف جو غیر ذمہ دار ہاتھوں میں رہے سب خُرد بُرد ہو گئے چنانچہ اسوقت انکی آمدنی اسقدر گھٹ گئی ہے کہ جس مدرسہ میں پچاس طالب علموں کے رہنے کا انتظام تھا وہاں آج دس بھی موجود نہیں ہیں۔ حکومت کی بے توجہی بھی اس کساد بازاری کی ذمہ دار ہے اسوقت جدید نظامِ تعلیم رائج کیا جا رہا ہے جسمیں علومِ مغرب کی ترویج پر ساری توجہ مبذول ہو رہی ہے۔ پرانی تعلیم کو ہدفِ طنز و تضحیک بنایا جا رہا ہے۔ اور خازنانِ علومِ قدیم کو گورنمنٹ کی ملازمت کا ملنا دن بدن مشکل ہو رہا ہے۔

ایران کے ان قدیم مدارس کی ساخت کو دیکھ کر بخوبی اسبات کا اندازہ ہوتا ہے کہ جن ایّام میں یہ مدرسے اپنی رونق پر ہونگے۔ تشنگانِ علم کی سیرابی کے لئے وہ چشمۂ شیریں کا حکم رکھتے ہونگے عمارت کا طرز بالعموم یہ ہے کہ ایک مستطیل صحن ہے جس کے ایک طرف ایک بہت بڑا رواق جو نماز اور مجالسِ وعظ و تدریس کے لئے مخصوص ہے صحن کے گرداگرد دو منزلہ عمارت جسمیں حُجرے بنے ہوتے ہیں۔ عین وسط میں حوض اور اسکے گرد چمن اور میوہ دار درخت جنکی شگفتگی ہر وقت طبیعتوں کو تر و تازہ رکھتی ہے۔ ایسی فضا میں زندگی کی کشمکش سے دُور اور غمِ ایّام سے فارغ بیٹھ کر استاد و شاگرد اپنی عمرِ عزیز کو علمی مشاغل میں وقف کرتے تھے۔ اے کاش کہ آج ہمیں اگر وہ فضا نصیب نہیں تو کم از کم اسکا صحیح تصوّر ہی ہو سکے !

طہران میں ان پرانے مدرسوں کی تعداد تین یا چار سے زیادہ نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ طہران کو قاچاریوں کے عہد سے پہلے کوئی اہمیت حاصل نہ تھی۔ اور قاچاریوں کا زمانہ ایران کی تاریخ میں پستی اور تاریکی کا زمانہ ہے۔ جس میں کسی قسم کی علمی اور فنّی ترقی نہیں ہوئی۔ ان میں سے دو مدرسے یعنی مدرسۂ صدر اور مدرسۂ خان مروی فتح علیشاہ کے عہد کی یادگار ہیں۔ انمیں طلبہ کی تعداد بیس بیس پچیس پچیس سے زیادہ نہیں اور یہ اُن مدارس میں سے ہیں جو تنزّل اور کس مپرسی کی حالت میں ہیں۔ لیکن تیسرا مدرسہ جو مدرسۂ سپہ سالار کہلاتا ہے ایران بھر میں معروف ہے اور اگرچہ اسکی بنا قدیم نہیں تاہم پبلک کی نظروں میں اسکی وقعت بہت زیادہ ہے جسکی وجہ یہ

ہے کہ حکومت نے اس مدرسہ کو مجوزہ طہران یونیورسٹی کے ساتھ ملحق کرنا منظور کیا ہے اور وہاں کے متخرجین کو گورنمنٹ کی ملازمت کا اہل قرار دیا ہے' طہران یونیورسٹی جو اسوقت دوران تعمیر میں ہے چھ شعبوں پر مشتمل ہوگی یعنی (۱) شعبۂ ادبیات و فلسفہ و علوم تربیتی - (۲) شعبۂ علوم طبیعی و ریاضی (۳) شعبۂ طب (۴) شعبۂ حقوق (قانون) و علوم سیاسی و اقتصادی (۵) شعبۂ فنی (۶) شعبۂ علوم معقول و منقول' ان میں سے ہر ایک شعبہ کے لئے ایک ایک دانشکدہ یعنی کالج بنایا جا رہا ہے۔ لیکن شعبۂ علوم معقول و منقول کے لئے کالج پہلے ہی سے بنا بنایا موجود ہے۔ یعنی یہی مدرسۂ سپہ سالار جسکو اب دانشکدۂ معقول و منقول کا نام دے دیا گیا ہے '

مدرسۂ سپہ سالار کے بانی حاجی میرزا حسین خان صدر اعظم تھے جو ناصر الدین شاہ قاچار کے زمانے میں ایک با اقتدار شخص تھے۔ کچھ عرصہ تک وزیر خارجہ رہے قسطنطنیہ میں سفیر ایران کی خدمات بھی انجام دیں۔ سپہ سالار افواج ایران کے عہدہ پر بھی مامور رہے۔ ۱۸۷۳ء میں جب ناصر الدین شاہ پہلی مرتبہ یورپ گئے ہیں تو وہ اسوقت وزیر اعظم کی خدمات انجام دے رہے تھے۔ بالآخر ۱۸۸۱ء میں گورنر جنرل خراسان کی حیثیت میں بمقام مشہد فوت ہوئے۔ مسجد و مدرسۂ سپہ سالار کی بنا انہوں نے اپنے ذاتی مصارف سے ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۷ء میں رکھی۔ لیکن انکے حین حیات میں عمارت پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔ انکی وفات کے بعد انکے چھوٹے بھائی میرزا یحیی خاں مشیر الدولہ نے اُن اوقاف کی آمدنی سے جو مرحوم سپہ سالار نے مدرسہ کے لئے معین کئے تھے عمارت کو مکمل کرایا۔ ۱۸۸۹ء میں جب لارڈ کرزن ایران گئے ہیں تو اسوقت عمارت ابھی زیر تعمیر تھی لیکن قریب الاختتام تھی۔ مسجد و مدرسۂ سپہ سالار کی عمارت طہران کے مفاخر میں سے ہے'

اب سے دو سال پہلے جبکہ طہران یونیورسٹی کی تجویز عمل میں آئی تو قرار پایا۔ کہ مدرسۂ سپہ سالار کو شعبۂ معقول و منقول کی درسگاہ بنا کر یونیورسٹی کیساتھ ملحق کر لیا جائے۔ چنانچہ گذشتہ سال (جون ۱۹۳۴ء میں) وزیر تعلیم نے با قاعدہ طور پہ اس کا افتتاح کیا اور مدرسہ کو یونیورسٹی کا ایک باضابطہ جزء تسلیم کیا گیا '

اس باضابطہ الحاق سے حکومت کا جو منشا ہے وہ ظاہر ہے یعنی یہ کہ علوم اسلامیہ کی تدریس کو ذمہ وار ہاتھوں میں دیا جائے جو وزارتِ تعلیم کی زیر نگرانی اپنے فرائض کو انجام دیں۔ علوم مشرقی کو زوال و فنا سے بچایا جائے اور طریقۂ تعلیم اور نصاب درس کی اصلاح کرکے متعلّمین کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ تاریخ و فلسفہ و ادب کو یورپ کی ناقدانہ نظر سے مطالعہ کر سکیں اور بالآخر فارغ التحصیل ہوکر حکومت میں عہدے پانے کے قابل سمجھے جائیں رسم افتتاح کے موقعہ پر مدرسہ کے پرنسپل حاجی سید نصراللہ تقوی نے جو تقریر کی اس سے یہ منشا بخوبی آشکار ہوتا ہے۔ دورانِ تقریر میں انہوں نے فرمایا کہ

"تاسیس دانشگاہ (یونیورسٹی) را میتوان یکی از خوشبختی ہای بزرگ مملکت دانست، چون یک قسمت معظم از علوم شرقی با رویۂ تحصیل سابق در شرف فنا و زوال بود و چندان اہتمامی در اکتساب و استفادۂ از آن در پیش نہ بود بلکہ معدودی محصّل کہ بشوق فطری توجہی بآن داشتند بملاحظۂ فراہم نبودن اسباب و بی ترتیبی در نظم تدریس یا مدرسہ و یا فقدان معلّم و غیر آن و بالآخرہ عدم تشویق از طرف مراجع امور و بی فائدہ ماندن نتیجۂ زحمات از رغبت طبیعی کاستہ و چیزی نماندہ بود کہ ازین رشتۂ تحصیل اثری باقی نماند، اکنون با تاسیس دانشگاہ امیدواری بسیاری موجود می شود نہ تنہا پرگرام این مؤسسہ امیدواری کند کہ فلسفہ و حکمت و فقہ و ادبیات دوبارہ بمرحلۂ حیاتِ جدید و رونق تازہ می رسد بلکہ باعتماد توجّہات مخصوصۂ اعلیحضرت شہنشاہ پہلوی .... و ہمّت و جدّیت آقایان وزراء عظام .... یقین باید دانست کہ این دستگاہ بزودی سیرِ تکاملی خود را بنہایت رسانیدہ و تابش انوار علم و دانش از طرق مختلفہ باطراف و جوانبِ مملکت بلکہ ہمۂ دنیا روشنی بخش میگردد"

الحاق سے پیشتر مدرسۂ سپہ سالار میں طلبہ کے لئے کوئی خاص نصاب معیّن نہ تھا۔ بلکہ اساتذہ اپنے ذاتی انتخاب سے علومِ معقول و منقول کی متداول کتابیں پڑھا دیتے تھے۔ لیکن اب وزارتِ معارف کی طرف سے نہ صرف ایک نصاب معیّن ہو گیا ہے بلکہ مدّتِ تحصیل اور امتحان اور ڈگری غرض ہر ایک چیز منضبط

ہوگئی ہے '

مدرسۂ سپہ سالار یا دانشکدۂ معقول و منقول میں تعلیم کا کورس نو سال کا ہے جن میں سے پہلے تین سال کو دورۂ مقدّماتی کا نام دیا گیا ہے - اور باقی چھ سال کا کورس دورۂ عالی کے نام سے موسوم ہے - داخلے کی صورت یہ ہے - کہ ایک طالب علم جنے کسی مدرسۂ متوسّطہ کے دورۂ اوّل[1] کا امتحان پاس کر لیا ہو - وہ یہاں آکر دورۂ عالی کی پہلی جماعت میں داخل ہو سکتا ہے - یا اگر اس نے کسی مدرسۂ متوسّطہ میں تعلیم نہیں پائی اور پرائیویٹ طور پر پڑھتا رہا ہے تو وہ دورۂ مقدّماتی کے امتحانِ نہائی میں پرائیویٹ طور پر شریک ہو سکتا ہے - اور دورۂ مقدّماتی کی پہلی جماعت میں داخل ہونے کے لئے مدرسۂ ابتدائی یعنی پرائمری سکول کی سند کافی ہے '

دورۂ مقدّماتی کے لئے کوئی فیس نہیں ہے - دورۂ عالی میں بھی نادار طالب علموں سے کچھ نہیں لیا جاتا - دوسروں سے نہایت واجبی سی فیس بحساب بارہ قران یعنی تین روپے ماہوار لی جاتی ہے -

دورۂ مقدّماتی کو پاس کرنے کے بعد وزارتِ معارف سے جو سند ملتی ہے اسکو "تصدیق مقدّمات علوم دینیہ" کہا جاتا ہے '

دورۂ عالی کے چھ سال کا کورس تین شعبوں پر منقسم ہے یعنی (۱) شعبۂ عالی منقول (۲) شعبۂ عالی معقول (۳) شعبۂ علوم ادبیہ ' ان تینوں میں سے ہر طالب علم کو اجازت ہے کہ کسی ایک کو اختیار کر لے - پہلے تین سال تمام ہونے پر امتحان ہوتا ہے - اور جو پاس ہوں ان کو جواز مدرسی

---

[1] ایران میں جدید مدارس کو دو طبقوں میں مرتب کیا گیا ہے یعنی (۱) مدارس ابتدائی (پرائمری سکول) جنمیں چھ سال کی تعلیم ہے اور (۲) مدارس متوسّطہ (انٹرمیڈیٹ کالج) جن میں پھر ۶ سال کا کورس ہے پہلے تین سال کو دورۂ اوّل اور دوسرے تین سال کو دورۂ ثانی کہتے ہیں '

(لیسانس) کی سند ملتی ہے اور وہ مدارس متوسطہ کی مدرسی کے اہل سمجھے جاتے ہیں بشرطیکہ وہ مدرسۂ دانش سرائے عالی (ٹیچرز ٹریننگ کالج) کا امتحان پاس کرلیں۔ دورۂ ثانی کے تین سال طے کر لینے پر دوبارہ امتحان ہوتا ہے اور اس میں جو کامیاب ہوں انکو اگر وہ شعبۂ منقول سے تعلق رکھتے ہوں تو فقیہ اور اگر شعبۂ معقول سے تعلق رکھتے ہوں تو حکیم اور اگر شعبۂ ادبیات کے متعلّم ہوں تو ادیب کا لقب دیا جاتا ہے۔ اور یہ تینوں لقب یورپین یونیورسٹیوں کے درجۂ ڈاکٹری کے ہم وزن ہیں، دورۂ اوّل اور دورۂ دوم کا امتحان پاس کرنے کے بعد ہر کامیاب طالب علم کو ایک مقالہ یا تھیسس بھی لکھ کر پیش کرنا پڑتا ہے۔ جس کے بغیر ڈگری یا سند نہیں مل سکتی۔

مضامین جو اس مدرسے میں پڑھائے جاتے ہیں۔ انکی تفصیل حسب ذیل ہے:-

۱۔ شعبۂ منقول

دورۂ سہ سالۂ اوّل

(۱) فقہ (۲) اصول (۳) کلام (۴) تفسیر (۵) علوم ادبیہ (۶) علم الدرایہ (۷) منطق و فلسفہ (الہیات عام) (۸) تاریخ ادبیات عرب (۹) زبانِ فرانسہ،

دورۂ سہ سالۂ دوم

(۱) فقہ (۲) اصول (۳) فلسفہ (۴) تفسیر (۵) تاریخ ملل و نحل و دیانت اسلام (۶) فقہ الحدیث (۷) علوم ادبیہ،

(۲) شعبۂ معقول

دورۂ سہ سالۂ اوّل

(۱) کلام (۲) منطق و حکمت (نظری و عملی) (۳) تاریخ ادبیات عرب (۴) علوم ادبیہ (۵) تاریخ ملل و نحل و تاریخ دیانت اسلام، (۶) تفسیر (۷) زبان فرانسہ،

دورۂ سہ سالۂ دوم

(۱) فلسفہ (مشاء و اشراق)، (۲) تاریخ فلسفہ (۳) تفسیر (۴) عرفان،

(۳) شعبۂ علوم ادبیہ

دورۂ سہ سالۂ اوّل

(۱) صرف و نحو عرب (۲) تاریخ ادبیات عرب (۳) معانی و بیان و بدیع عرب (۴) فارسی و تاریخ ادبیات ایران (۵) معانی و بیان و بدیع فارسی (۶) تاریخ ایران و تاریخ علم (۷) فقہ و اصول (۸) منطق و فلسفہ (۹) زبان فرانسہ،

دورۂ سہ سالۂ دوم

(۱) صرف و نحو عرب (۲) معانی و بیان و بدیع (۳) عروض و قوافی (۴) فقہ و اصول (۵) تفسیر (۶) فلسفہ و تاریخ فلسفہ (۷) تاریخ ادبیات ایران (۸) قرض الشعر (۹) تاریخ ملل و نحل (۱۰) زبان فرانسہ،

مدرسہ کے افتتاح کو ابھی دو سال نہیں ہوئے اور جدید نصاب تعلیم کے ماتحت ابھی تک کوئی امتحان منعقد نہیں ہوا۔ طلبہ کی تعداد اسوقت ایک سو کے قریب ہے اور اساتذہ تینتیس کے قریب ہیں، پرنسپل حاجی سید نصر اللہ تقوی ہیں جنکے علم و فضل کا ملک بھر میں شہرہ ہے۔ وائس پرنسپل (معاون رئیس) آقای بدیع الزمان خراسانی ہیں جو مشہور شاعر بھی ہیں اور ناشر بھی، مدرسہ کے سٹاف میں سیّد جلال الدین طہرانی بھی ہیں جو علم ہیئت میں بلند مرتبہ رکھتے ہیں اور متعدد کتابوں کے مصنّف ہیں،

مرحوم سپہ سالار بانی مدرسہ نے اپنی زندگی میں مدرسہ کے لئے ایک مجموعۂ کتب (قلمی اور مطبوعہ) خرید کر وقف کیا تھا۔ جنکی تعداد تین ہزار سے زائد تھی۔ اسکے بعد بھی کتابوں کی خرید جاری رہی۔ جسکے لئے ایک ہزار روپیہ سالانہ کی منظوری ہے۔ چنانچہ اسوقت کتابوں کی تعداد ۳۹۰۴ ہے۔ جن میں بعض نادر قلمی نسخے ہیں۔ فہرست کتب اسوقت زیر طبع ہے،

بموجب وقف نامہ مدرسہ کا متولّی ہمیشہ بادشاہ وقت ہوتا ہے جو اپنے وزراء یا درباریوں میں سے کسی معتمد علیہ اور متدیّن شخص کو نائب متولّی مقرر کرتا ہے۔ اسوقت وزیر تعلیمات نائب متولّی ہیں اور غالباً آیندہ بھی جدید قواعد کے رُو سے ہمیشہ وزیر تعلیم ہی نائب متولّی ہُوا کرے گا "

ہمیں قوی امید ہے کہ جب یہ مدرسہ اپنی بنیاد کو مضبوط کرلیگا اور وہاں کے فارغ التحصیل طلبہ مستخدمین دولت کے زمرے میں بلا تامّل شامل کر لئے جایا کرینگے تو اسکی حالت روز افزوں بہتر ہوتی چلی جائیگی۔ حکومتِ ایران نے اس مدرسہ کی سرپرستی اپنے ذمّہ لے کر علوم اسلامی پر بے انتہا احسان کیا ہے' اور اگر کہیں باہر کے قدیم مدارس جو زیادہ تر مشہد اور قمؔ اور اصفہان میں ہیں اور جن میں سے بعض کے موقوفات اچھی حالت میں ہیں۔ اس مرکزی مدرسے کے ساتھ ملحق کر لئے گئے تو ملک بھر میں قدیم اسلامی تعلیم کا چرچا ہو جائیگا۔ اور وہ جامعِ کمالات بزرگ جو ایران نے ہر زمانے میں پیدا کئے۔ علم وفضل کے افق پر پھر جلوہ آرا ہونے لگیں گے +

محمد اقبال

تبصرہ وتنقید

(۱) اسلامی حکومتِ ہند کے عہد میں تعلیمی اداروں کے درس کا تدریجی پروگرام

ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی ایم۔ اے۔
(انسپکٹر مدارس صوبجات متوسط) سابق

رجسٹرار دہلی یونیورسٹی نے اس عنوان سے ایک مقالہ بزبان فرانسیسی شائع کیا ہے۔ جسکو انہوں نے پیرس یونیورسٹی میں ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے پیش کیا تھا باب اوّل میں سب سے پہلے ترکوں اور افغانوں کے زمانے میں مدارس ابتدائی (مکتب) اور مدارس ثانوی (مدرسہ) کی تعلیم کا خاکہ دیا گیا ہے۔ منزلِ اوّل (مکتب) میں تعلیم قرآن، لکھنا اور ابتدائی حساب سکھایا جاتا تھا' منزلِ ثانوی میں صرف ونحو پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ علاوہ اس کے نظم' تاریخ' جغرافیہ' حسنِ اخلاق (از روی حدیث) حساب' الجبرا' اور ہندسہ بھی درس میں شامل تھا' یارھویں صدی عیسوی میں آکر علم ہیئت' قانون' تراجم' طب' اور کیمیا بھی نصاب تعلیم میں شامل ہوگئے لیکن یہ فرض نہیں کیا جا سکتا کہ ہر طالب علم کو یہ تمام چیزیں سکھائی جاتی تھیں' یہ مطالعات مسلمانوں کے تمام علمی مرکزوں میں رائج تھے۔ خواہ وہ عراق میں ہوں یا ایران وشام ومصر وہسپانیہ میں۔ مؤلف نے ہمیں ان درسگاہوں کے متعلق (جنکا ازمنۂ متوسطہ کی یورپین یونیورسٹیوں پر بہت زیادہ اثر پڑا) کچھ زیادہ نہیں بتلایا۔ لیکن انہوں نے یہ واضح کردیا ہے کہ ان میں وسعت وفراخی کے ساتھ تعلیم دی جاتی تھی اور مختلف پیشوں کے لوگ مثلاً عہدہ داران حکومت' حکّام عدالت اور فقہا وغیرہ تیّار کئے جاتے تھے۔ آٹھویں صدی عیسوی میں عربوں کا سندھ فتح کرنا ہندوستان کے باقی حصّے پر کوئی

اثر نہیں ڈال سکا لیکن گیارہویں صدی میں سلطان محمود غزنوی کے عہد سے ایک زیادہ نتیجہ خیز تسلّط کا آغاز ہوتا ہے۔ اسکے جانشین مسعود نے جدید تعلیمی مرکز قائم کرنے پر توجّہ مبذول کی جیسا کہ لاہور، جالندھر، دہلی اور اجمیر، ان مرکزوں میں علاوہ رسمی مضامین کے سنسکرت، یونانی اور فارسی زبانوں کا مطالعہ بھی ہوتا تھا۔

تیرھویں اور چودھویں صدی میں ان مختلف مضامین کی درسی کتابوں کے متعلق بھی کسی قدر اطلاع دی گئی ہے۔

باب دوم میں عہد مغلیہ کے اندر ان مختلف مطالعات کی تدریجی ترقّی کا تتبّع کیا گیا ہے۔ شہنشاہ اکبر اگرچہ خود کتب بینی میں محنت کا خوگر نہ تھا تاہم طریقہ تعلیم کے بارے میں ہدایات دیا کرتا تھا۔ معلّم کو اسبات کا خیال رکھنا پڑتا تھا کہ طالب علم جو کچھ پڑھے اسکو سمجھے بھی اور نیز یہ کہ معلّم جسقدر کم سے کم ممکن ہو سکے اسکی امداد کرے سب طالب علموں سے توقّع رکھی جاتی تھی کہ وہ حساب، مساحت، زراعت، ہیئت، اقتصادیات، علم القیافہ، منطق اور طب حاصل کریں، زاں بعد وہ کسی ایک مضمون میں تخصّص پیدا کریں مثلاً الٰہیات یا ریاضی (با ہیئت و موسیقی) یا طبیعیات، علاوہ اسکے سنسکرت میں بھی ایک نصاب تعلیم موجود تھا، ہندو اور مسلمان مشترک مدرسوں اور کالجوں میں تعلیم پاتے تھے، پھر جیسا کہ ازمنۂ متوسّطہ میں یورپ کے اندر اولیای امورِ مذہبی فلسفہ کی ترویج سے بیزار تھے بعینہ وہی حال یہاں بھی تھا تربیتِ جسمانی، فوجی اور صنعتی تعلیم کے متعلق بھی کچھ بحث کی گئی ہے،

باب سوم میں عہد انگریزی سے بحث ہے۔ اس زمانے میں مختلف نظام تعلیم منشعب ہو جاتے ہیں۔ ایک طرف تو کلکتہ مدرسہ اور اس قسم کی دوسری درسگاہیں ہیں جو پرانی روایاتِ تعلیم کو برقرار رکھنے کی کوشش کر رہی ہیں اور عربی اور فارسی زبانوں کے ذریعے سے تعلیم دے رہی ہیں۔ دوسری طرف کلکتہ یونیورسٹی ہے جو

زمانۂ حال کی مغربی یونیورسٹیوں کی تقلید میں انگریزی کو وسیلۂ تعلیم بنائے ہوئے ہے۔ مؤلف نے ان دونوں نظاموں کے بیان کو کسی قدر مخلوط کر دیا ہے ۔ ۱۸۶۵ء میں لاہور میں انجمن پنجاب کی تاسیس کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن اورینٹل کالج کے بارے میں کچھ نہیں کہا گیا جو بخط مستقیم اسکا وارث ہے' اس باب میں نظام تعلیم کے ارتقاء پر کچھ بحث نہیں کی گئی' مقالے کے آخر میں ہندوستانی یعنی اُردو کو وسیلۂ تعلیم بنانے کی نہایت زور کے ساتھ حمایت کی گئی ہے'

مقالے کی طباعت عمدہ نہیں ہوئی' کئی ایک سطریں دوبارہ چھپ گئی ہیں اور بظاہر کئی سطریں محذوف ہو گئی ہیں'

(ڈاکٹر) اے سی ولنر
(وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی)

(مترجمہ پروفیسر محمد اقبال)

(۲) **عربوں کی جہاز رانی**۔ یہ مختصر سا رسالہ اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن بمبئی کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ جو انکے سلسلہ مطبوعات کا ۵ ہے۔ دراصل یہ ان چار لکچروں کا مجموعہ ہے جو مولانا سید سلیمان ندوی نے ۱۸ - ۱۹ - ۲۰ - ۲۱ مارچ ۱۹۳۱ء کو بمبئی گورنمنٹ کے شعبۂ تعلیم کی سرپرستی میں انجمن اسلام ہائی سکول ہال بمبئی میں دیے تھے۔ ان چار خطبوں میں سید صاحب نے عہد جاہلیت میں عربوں کی جہاز رانی' عہد اسلامی میں عربوں کی جہاز رانی ۔ نہر سویز کا تخیّل ۔ عربوں کو سمندروں کا علم ۔ سمندروں کی پیمائش عرب جہاز رانوں کی علمی تحقیق ۔ واسکوڈی گاما کا عرب رہنما ۔ ڈوبے ہوئے جہازوں کا ابتدائی تجربہ اور اس نوع کے بہت سے مباحث پر لکھا ہے۔ جس سے کتاب کی وسعت واحاطہ کا اندازہ ہو سکتا ہے ۔ عربوں کی جہاز رانی ایک اہم موضوع ہے۔ جس کے لئے ان چار لکچروں کی وسعت ناکافی معلوم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر موضوع تشنۂ تکمیل ہیں ۔ قرآن مجید وغیرہ سے "عربوں کی جہاز رانی" کے متعلق استدلال کیا ہے

اس سے شاید اس مضمون کو مقدس بنا نا مقصود تھا۔ ورنہ قرآن مجید کی ان آیات سے مضمون زیر بحث کو زیادہ تقویت نہیں پہنچتی۔ بجز اسکے کہ اس سے ایک لغوی بحث تیار کر لی گئی ہے فاضل مولف نے کئی جگہ مشکوک مسائل کو چھیڑا ہے۔لیکن ان پر فیصلہ کن بحث نہیں کی۔ مثلاً ص۸ پر نوتیّ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں" لیکن کیا ہمارا ہندی ناؤ ان لفظوں کی اصل نہیں بن سکتا ؟"۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ فاضل مولف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہاں بن سکتا ہے۔لیکن اپنے قیاس کو بے دلیل سمجھ کر صرف استفہام اقراری پر اکتفا فرماتے ہیں۔

ص۹ پر نائت اور نوائت" شریف عربی النسل قوم کے متعلق کیا اچھا ہوتا کہ زیادہ تفحص اور تلاش سے کام لے کر اس پر مزید روشنی ڈالی جاتی '

ص۱۲ کے آخر میں ساحل کے لئے لفظ " مہرقان" لکھا ہے لیکن اسکو بے تفصیل چھوڑ دیا ہے '

بعض بعض جگہ ایسی غلطیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ جنکا بار اگر کتابت اور طباعت پر ڈالا جائے تو مناسب ہے۔ مثلاً

ص۲۴ پر امام" مرزوقی" کی بجائے " مرزاقی" لکھا ہے۔

ص۲۳ پر إنْ يَّشَاءْ کی بجائے إنْ يشا لکھا ہے۔

تاہم اس قسم کی خامیوں سے کتاب کی قدر وقیمت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اگرچہ یہ معلومات منتشر طور پر عربی اور انگریزی کتابوں میں پہلے سے موجود تھے۔ تاہم اردو داں حضرات کے لئے مولانا کی یہ کوشش نہایت مستحسن ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ اردو زبان میں اپنی طرز کی پہلی کتاب ہے '

طباعت وکتابت دیدہ زیب - کاغذ عمدہ ۔ آنریری سیکرٹری ایسوسی ایشن آصف علی اصغر فیضی ایم-اے - نمبر ۴۲ - چوپاٹی روڈ بمبئی ۷ سے مل سکتی ہے ۔ (س)

(۳) تنقیداتِ عبدالحق | یہ مولانا عبدالحق صاحب بی اے پروفیسر اُردو جامعۂ عثمانیہ و معتمد انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد

کی بعض تنقیدوں کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً رسالۂ اردو اورنگ آباد میں جدید تالیفات کے تبصرہ کی غرض سے انہوں نے تحریر فرمائی ہیں - یہ چھوٹی تقطیع کی ۱۷۹ صفحات کی کتاب شمس الاسلام پریس چھتہ بازار، حیدرآباد میں طبع ہوئی ہے اور ۴۲ تنقیدوں کی حامل ہے جو سنہ ۱۹۲۲ء سے سنہ ۱۹۳۳ء تک شائع ہوئیں ۔

اُردو زبان میں تنقیدی لٹریچر ابھی تک بہت کم ہے - ہمیں جناب محمد تراب علیخاں باز کا احسانمند ہونا چاہئے کہ انھوں نے ان تنقیدوں کو ایک جگہ ترتیب دیکر چھپوا دیا ہے مولوی عبدالحق صاحب اردو زبان کے چوٹی کے تنقید نگار ہیں - مقدمہ نگاری کی طرح اس فن میں بھی ان کو خاص کمال حاصل ہے - انکی تنقیدیں ملک میں بڑے شوق سے پڑھی جاتی ہیں - ہم باز صاحب کو انکی اس قابل تحسین کوشش پر مبارکباد دیتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ تنقیدی لٹریچر میں یہ کتاب ایک قابل قدر اضافہ ثابت ہوگی ۔ لکھائی چھپائی عمدہ - قیمت ۱۲؍ - ملنے کا پتہ :- 'کاشانۂ باز' - بازار گھانسی حیدرآباد - دکن ۔ (نیازی)

(۴) باز کے سو شعر | مرتبۂ محمد واحد علیخان جاوید، مطبوعۂ شمس الاسلام پریس چھتہ بازار، ملنے کا پتہ: 'کاشانۂ باز' بازار

گھانسی - حیدرآباد دکن - قیمت دو آنے - کتابت وطباعت دیدہ زیب ۔

یہ رسالہ جیسا کہ سرورق سے ظاہر ہے - مولوی محمد تراب علیخاں صاحب باز کے بہترین سو شعروں کا انتخاب ہے - اشعار کے آغاز میں بعض نامور اہل قلم کی آراء بھی درج

ہیں۔ اشعار کی سلاست اور بیساختہ پن حضرت بازؔ کے حسن مذاق کا پتا دیتا ہے ✦

(نیازی)

(۵) انجمن طلبۂ قدیم سٹی کالج حیدرآباد کا سالنامہ بابت ۱۳۴۳؁ فصلی

مرتبۂ سید محی الدین قادری صاحب زورؔ، مطبوعۂ اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد، صفحات : ۲۲۳۔ قیمت دو روپیہ۔ ملنے کا پتہ : سٹی کالج بک ڈپو حیدرآباد

یہ سالنامہ اداریہ کے علاوہ ۲۲ مضامین اور نو نظموں پر مشتمل ہے۔ نصف سے زیادہ مضامین اور ایک آدھ نظم سٹی کالج سے متعلق ہیں۔ جن میں کالج کے محل وقوع، تدریجی ارتقا، اسکی موجودہ حالت اور بعض ممتاز فارغ التحصیل طلباء کے سوانح حیات کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حصہ نثر میں ابوالمکارم مولوی فیض محمد صدیقی صاحب اور پروفیسر میر ولی الدین صاحب کے مضامین بصیرت افروز ہیں۔ حصہ نظم میں جناب صبرؔ صاحب کی غزل دلفریب ہے۔

سالنامہ کا دلکش پہلو سٹی کالج کے بعض فارغ التحصیل طلباء کی تصاویر ہیں۔ پروف پڑھنے میں زیادہ احتیاط بکار تھی، جابجا غلطیاں رہ گئی ہیں مثلاً ص۶ پر واضع (بجائے واضح)، ص۱۲ عمل آئے (بجائے عمل میں آئے)، ص۱۹ صیح (بجائے سہی)، ص۲۷ متمع (بجائے متمتع) ✦

اورینٹل کالج میگزین

جلد ۱۲- عدد ۳ | بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۳۶ء | عدد مسلسل ۴۵

فہرست مضامین

اورینٹل کالج میگزین

عرضِ واجب

اغراض و مقاصد۔ اس رسالہ کے اجرا سے غرض یہ ہے کہ احیا و ترویج علوم مشرقیہ کی تحریک کو تا حد امکان تقویت دی جائے اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شوق تحقیق پیدا کیا جائے جو سنسکرت۔ عربی۔ فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں +

کس قسم کے مضامین کا شایع کرنا مقصود ہے کوشش کیجائیگی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شایع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں' غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی بدل قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شایع کئے جائینگے +

رسالے کے دو حصے۔ یہ رسالہ دو حصوں میں شایع ہوتا ہے حصہ اول عربی۔ فارسی۔ اردو اور پنجابی (بحروف فارسی)،

وقتِ اشاعت۔ یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر۔ فروری۔ مئی۔ اگست[1] میں شائع ہوگا +

قیمتِ اشتراک سالانہ چندہ حصہ اردو کے لئے عہ/۱۲ اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کالج کے وقت وصول ہوگا +

خط و کتابت و ترسیل زر۔ خریدرسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہیئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں +

محل فروخت۔ یہ رسالہ اورینٹل کالج لاہور کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے +

قلم تحریر۔ حصہ اردو کی ادارت کے فرائض پروفیسر محمد شفیع ایم۔ اے پرنسپل اورینٹل کالج سے متعلق ہیں۔ اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے' پی۔ ایچ۔ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے +

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے۔ اس لئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شایع ہوتا ہے +

انگریزی ترجمہ خزائن الفتوح امیر خسرو

از

(پروفیسر محمد حبیب بی۔ اے (آکسن) پروفیسر تاریخ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ)

(سلسلہ کے لئے دیکھو یہی رسالہ بابت فروری ۱۹۳۶ء)

ص۱۰ س ۱۳ داند ہمہ کس کہ چون سفالی بشکست از تیرۂ زر درست نتوان کردن

And everyone knows, that when an earthen vessel breaks, you can not repair it with gold-dust 71.5 (bott).

یہاں بھی وہی تو بُرہ برابر سونا مقصود ہے نہ سونے کی خاک

ص۱۰ س ۸ افسار آنہمہ ہم با طویلۂ غلامان خاص مربوط خواہد گشت

All these horses will be banded over, along with the slaves, to the royal stables, 72.7.

افسار = باگ ڈور - طویلۂ غلامان خاص = خاص غلاموں کا طویلہ یعنے شاہی طویلہ - پروفیسر کے ہاں 'مع غلاموں کے' بالکل حشو ہے'

ص۱۱ نہ از آنہا کہ از کبر سن دندان بلند شدہ باشد یا از غایت پیری بی دندان گشتہ -

یہ عبارت ترجمہ سے چھوٹ گئی ہے۔

ص۱۱ س ۴ اینک پای را عمدۂ کار بندگی ساختہ و فرق را سدۂ باب طاعت پرداختہ می آیند

They are coming with their feet like pillars and their heads like dome of the gate of obedience. 72.13 (bottom).

سدّہ یعنی دہلیز کو پروفیسر صاحب اس سے پہلے بھی نہیں سمجھے تھے جہاں جشن سُدّہ کے معنوں میں استعمال کیا تھا۔ یہاں معلوم نہیں کس سند پر گنبد کے معنوں میں لائے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ محض فراست سے انہوں نے اندازہ کیا کہ جب پانو کو ستون کے ساتھ مثال دی گئی ہے (یہ ہاتھیوں کا ذکر ہے)، تو قیاس چاہتا ہے کہ سر کو گنبد کے ساتھ مثال دی جائے۔ مگر یہ خیال نہیں رہا کہ دروازہ کو گنبد کے مقابلہ میں دہلیز سے زیادہ مناسبت ہے۔

ص۱۱۱/۲ اگر خرمنی جان وارم ہنگام طلب آن برگزیدۂ یزدان بہ کاہ برگی برنسنجم و ہمہ را از سنگ گراں دل برکشم و بہ کارسنجان حضرت سپارم

If means of livelihood are left to me, I will collect all my "leaves" and hand them over to the Emperor's officers at his command 73.6.

یہ جملہ تو تقریباً سارا ہی غلط ہوگیا۔ مراد یہ ہے کہ اگر میرے ڈھیروں جانیں بھی ہونیں اس برگزیدۂ خدا کی طلب کے وقت برگِ کاہ کے برابر بھی انہیں وقعت نہ دیتا۔ اور سب کو اپنے دل سے اتار کر کارپردازانِ شاہی کی خدمت میں حاضر کر دیتا۔

ص۱۱۱/۴ خشت آہنین ولاوری کہ سنجیدۂ دست بندہ است برکشم و از

رایان خام پوستین ترازو کنم

I will take the brave iron spear, which befits my hand, and measure myself against other Rais. 73. 11.

خشت آہنین دلاوری یعنی بہادری کا فولادی نیزہ - خام پوستین = کچے چمڑے والے - ترازو کردن = پار کرنا

ص ۱۱/۱۳ دردی زرد را بر خاک مساس کردند چنانکہ سفال زمین رنگ روی گرفت

They rubbed their yellow faces on the earth till the ground itself acquired their colour. 73 par. II. 2.

چونکہ جوہر و معدن کا ضلع چل رہا ہے اس لئے 'سفال زمین رنگ روی گرفت' کا مطلب یہ ہوا کہ زمین کی ٹھیکری تک نے کانسی کی رنگت اختیار کر لی -

ص ۱۲/۱ خواست کہ آنرا چون سیم قلب بر روی ایشان باز زند اما در وہئہ سکندر ثانی کہ از سد ہفت جوش بلک از صنع شداد محکم تر است بہ فرمانان لشکر داد

He wished to throw back at their faces. But he communicated to the army the command of the second Alexander, which is more firm than the seven walls of steel

and the garden of Shaddad. 13 par. II 8.

' سیم قلب ' = کھوٹا روپیہ - دروہم - میں اس لفظ سے نا واقف ہوں

پہلے بھی آیا ہے - سد ہفت جوش = ساتوں دھات کی دیوار - ' صنع شداد '

کی جگہ سبع شداد یعنی ہفت سموات زیادہ موزون ہے -

۱۱۲/۵ و کرّات سکۂ عفونیزاز [سیمائی] فرخ خدایگانی فرو خوانده بودند -

لابد رای بران آسود کہ رنجی برنفس رای نہ نہند و بصدقۂ سر بادشاه جان بخش

جان او را بدان صورت زر بخشد -

And the coin of forgiveness had also been repeatedly issued from the Imperial Court, the decision arrived at was to the effect that they would subject the Rai to a tribute, but as a charitable offering for the life of the forgiving Emperor, they would spare his life in exchange for the golden statue. 74.1.

مطلب یہ ہے کہ چونکہ مکرراً معافی کا نقش حضرت اعلیٰ کی مبارک پیشانی

سے پڑھا گیا تھا - لہذا یہ رائے قائم ہوئی کہ رای کی ذات کو ایذا نہ دی

جائے - اور شاہ جان بخش کے سر کے تصدق میں اس کی جان اس سنہری

مورت کی بنا پر بخش دی جائے -

۱۱۲/۷ تارای دران صورت جان یابد اما بشرطیکہ آن صورت جاندار گردد

یہ عبارت ترجمہ سے چھوٹ گئی ہے -

ص ۱۱۲/۸ و ہرچہ از جنس نباتی و کانی و حیوانی در ملک رای است بستانند و بدرگاہ اعلےٰ رسانند

They would take away and deliver at the Court all animals, vegetables and minerals which the Rai's territory contained. 74. 6

بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ رائے کے علاقہ کی تمام اشیا از جنس نبات و کان و حیوان درگاہ شاہی میں پہنچا دی جائیں؟ پروفیسر نے اس عبارت میں 'مِلک' بکسر میم بمعنی قبضہ کو 'مُلک' بضم میم بمعنی علاقہ و عملداری پڑھا ہے۔ مطلب ان اشیا سے ہے جو رائے کے قبضہ میں ہیں۔

ص ۱۱۲/۱۷ بحیلہ آن سیماب لرزان را در قالب تسکین ریختند

With some difficulty they ran this quicksilver into a vessel. 74. 20.

مطلب یہ ہے کہ بڑی حکمت سے اس لرزنے والے سیماب کو سکون کے قالب میں ڈھالا یعنے تسکین دی'

ص ۱۱۳/۵ چون ہندو شب خزائن گوہر شب چراغ بیرون ریخت

یہ عبارت ترجمہ سے رہ گئی ہے۔

ص ۱۱۳/۱۴ کوہی بابینی سیارۂ دراز اما بی سنگ - کشتیٔ بیل در دنبال و پیش نہنگ مست و سرگران اما نہ از بادہ شرابش در سر و عرق از بناگوش کشادہ'

It looked like a hill with a long sooh for a nose, or else like a camel

with a crocodile stuck to its front. It carried its wine-glass in its head, & liquer was distilled from its ears. 75.23.

یہاں پروفیسر کا نشانہ پھر غلط ہو گیا ہے۔ میرے خیال میں امیر کا مطلب ہے: - وہ ایک متحرک اور لمبی ناک والا پہاڑ ہے مگر بے پتھر کا۔ کشتی ہے جس کے پیچھے چپّو ہے اور آگے نہنگ۔ مخمور اور بدمست ہے مگر شراب سے نہیں۔ سر میں شراب ہے اور عرق (پسینہ) کان کی لو سے ٹپک رہا ہے

ص۱۱۳ نعمانی پیشانیش از شنگرف تر لالہ پوش ابری از سواحل دریا برآمدہ برگہای نیلوفرش در بناگوش

It looked like a cloud arisen out of the sea-shore, wearing vermilion tulips on its forehead and green leaves in its ears. 75.8. (bott).

'نعمانی' پر حاشیہ کی ضرورت تھی۔ اور برگہای نیلوفر کا ترجمہ سبز پتے غلط ہیں'

ص۱۱۵ ہم ہندوکش و ہم کافر مال ہم حمول و ہم قتال ہم بار بر پشت و ہم روی بر بار ہم گردن کش و ہم فرمان بردار ہم سازش عاج و رنگش آبنوس'

Hindu slayer & yet infidel property; baggage-carrier as well as warrior. It carried a load on its back & its face looked towards the Court, for if strong necked, it was also obedient,

the ebony coloured manufacturer of ivory. 75.3.

'کافر مال یہاں اسم فاعل ہے۔ یعنے کافر کو کچلنے والا ۔ نہ (bott)

'مال کافر' جیسا کہ جناب مترجم سمجھے ہیں ۔ آخری فقرہ :- عاج اس کا

ہتیار ہے اور رنگ آبنوسی ہے'

ص ۱۱۵ س ۱۰ صف بصف آندم کہ خرامان شوند زلزلۂ الفدفد و الصف صف

And when they move together in a row,

there is an earthquake of Fad! Fad! and Saf!

Saf! 76.4.

پروفیسر صاحب 'فدفد' اور 'صفصف' کا ترجمہ نہیں کرتے ۔ بھلا

انگریزی خواں خالی فد! فد! اور صف! صف! سے کیا سمجھیں گے ۔ وہ یہ

سمجھ رہے ہیں کہ 'فد' اور 'صف' کی تکرار کی گئی ہے ۔ حالانکہ اصلی

لفظ 'فدفد' اور 'صف صف' بمعنی زمین ہموار و مسطح ہیں ۔ خاقانی ؎

قاع صفصف دیدہ و صف صف سپہ داران حاج

کوس را از زیر دستان زیر دستان دیدہ اند

ص ۱۱۵ س ۱۵ بعد گذشتن پیل خزائن پیل بالا در عرض آمد

After the elephants had passed, the treasures

they carried on their backs were displayed.

76.6.

'پیل بالا' (یعنے ہاتھی کے قد کے برابر اونچا) قابل نظر ہے ۔ اس کے

معنے ہیں ۔ تودہ و خرمن کردہ بسیار [کہ] آنرا از کثرت عظمت ببالائے

پیل تشبیہ کردند مثل پیلبار ۔ نظامی ؎

بفرمود تا خازن زود خیز کند پیل بالا پر و گنج ریز

ص ۱۱۶/۱ ع بیننده را بلا در دیوانگی دہد

Drove the onlooker mad 76. 8.

'بلاور' بروزن بہادر مخفف بلا دور - صدقہ جو الابلا ٹالنے کے لئے دیا جائے

ص ۱۱۶/۲ ہر زبرجدی در وی پروشنائی روی از آفتاب یافتہ بلکہ آفتاب از وی روی تافتہ

Every emerald (Zabarjad, sparkled in the light of the sun, or rather, the sun reflected back the light of the emerald, 76.8.

س عبارت میں 'یافتہ' کی جگہ تافتہ اور تافتہ کی جگہ یافتہ چاہیئے - مطلب یہ ہے کہ ان ڈبیوں کے زبرجد چمک دمک میں آفتاب سے منہ موڑتے تھے یعنے آفتاب کو حقیر سمجھتے تھے بلکہ آفتاب ان سے آبرو حاصل کرتا تھا۔

ص ۱۱۶/۸ شعر ؎ گر پرتو او بدانۂ نار افتد زان دانۂ نار برزند شعلۂ نار

If a ray from them had fallen on a lamp of fire, the lamp would have burst into flames. 76. 11.

پہلا نار بمعنی انار (ثمر) ہے یعنے اگر اس کا عکس انار کے دانوں پر پڑے تو اس دانہ سے آگ کے شعلے بھڑک اٹھیں'

ص ۱۱۶/۱۱ ولعل آتشین ازان بابت کہ از تاب او آتش در گوہر شب چراغ [گیرد]

The lustre of the rubies (lāl) illuminated

the darkness of the night. 76. 15.

مگر مقصد یہ ہے کہ لعل سرخ اس معیار کے تھے جنکی روشنی سے گوہر شب چراغ جل اُٹھے

ص ۱۱۶/۱۲ ـــ چنان کان گوہر رخشندہ ازوی   بسوزد چون چراغی از چراغی

And the mine, as you light one lamp from another. 76.16.

ہمارے خیال میں 'کان گوہر رخشندہ' سے مراد وہی گوہر شب چراغ ہے اور وے کی ضمیر 'لعل آتشین' کی طرف راجع ہے جو فقرۂ بالا میں مذکور ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایسا جوہر کانی جیسا کہ شب چراغ ہے۔ اس (لعل آتشین) سے اس طرح جل اٹھتا ہے جس طرح چراغ سے چراغ جل اٹھے'

الماس چنانکہ از بس لطافت چون گوہر پولاد در دل آہنین جاکندو بسبب مزاج نازک از [ارزیز] بشکنند

The diamonds (ilmas) would have pene--trated into an iron heart like an arrow of steel, & yet owing to their delicate nature, would have been shattered by the stroke of a hammer. 76.18.

'گوہر پولاد' کا ترجمہ فولادی جوہر (جوہر فولاد) ہونا چاہیئے نہ فولادی تیر۔ علیٰ ہذا 'ارزیز' کا ترجمہ رانگ ہونا چاہیئے نہ ہتوڑا۔

ص ۱۱۶/۱۴ وزری چون حلقۂ ہلال دوازدہ ماہی

The gold was like the full moon of the twelfth night. 76. 23.

ترجمہ غلط ہے۔ بارھویں رات کا چاند پورا نہیں کہلاتا۔ میرے خیال میں دوازدہ ماہی سے مقصد معیار ہے۔ ایران میں زرد ہدی یعنے دس

پایہ والا سونا خالص تریں اور بہترین مانا گیاہے۔ ہندوستان میں بارہ پایہ والا جسے بارہ بانی کہتے ہیں۔ علاؤالدین کی اشرفی بارہ پایہ کی مانی جاتی تھی۔ ابوالفضل کہتا ہے :۔ وطلای دینار گرد خورد علائی را پایہ دو از دہی انگاشتہ (صلا ۱۸ ، آئین اکبری ۔ نولکشور ۔ ۱۸۶۹ء)

اگرچہ ہندوستان میں عام طور پر بارہ پایہ والا سونا ہوا کرتا ہے۔ سلطان نامہ سے معلوم ہوتاہے کہ تیرہ پایہ والا بھی ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ ؎

زرسیزدہ ماہہ زان بیش بارش	کہ کردن توان سیزدہ مہ عیارش

ص ۱۱/۱۱ ہر مرکبی کہ در طویلہ و قصر رای بود از بیم تطویل خصومت بی تقصیر پیشکش کرد تا بحدیکہ رای را بادی ہم در دست نماند

Lest the struggle should be further pro-longed, every horse in the Rais palace & stables had been brought; even the wind of them was not left in his hands. 76. 9 (Cott).

'باد در دست' یا 'باد بدست' ایک محاورہ ہے جو پوری پوری تہیدستی اور ناکامی کے اظہار کے لئے آتا ہے اور شاہنامہ میں بکثرت ملتا ہے ؎

کہ مارا کنون جان باسپ اندراست	چو زین بگذری باد ماند بدست

ص ۱۱۹/۲ رسولان منطق سوگند یاد کردند بخدائی کہ انسان را مقوّم جوہر گردانید

By the God who has created man, the finest of "substances", swore the philosophic ambassadors, 77. Par II. l 1.

'مقوّم جوہر' کے معنے قیمت کنندۂ جوہر زیادہ صحیح ہیں۔ پروفیسر صاحب

منطق کو رسولوں کی صفت مانکر اسکا ترجمہ 'منطقی ایلچی' کرتے ہیں جو کسی طرح سے درست نہیں۔ در اصل منطق 'سوگند' کی طرف مضاف ہے اور بمعنی زبان آیا ہے۔

ص ۱۱۹/۳ میان این اجناس ہر جوہری از انہاست کہ ہیچ انسانی بہ تقویم آن نرسد۔ میان این جواہر جوہری باشند کہ در ہمہ عالم فرد توان گفت۔ نزدیک فیلسوفان کامل این چنین جوہر خود وجود ندارد۔

اس عبارت پر پروفیسر نے یہ حاشیہ دیا ہے '

This is the famous Koh-i-Nur, which according to many later writers (including Khafi Khan) was brought by Alauddin's army from the Deccan. Though logicians to put the ambassador's words in a different form, declare that there is no such thing as a "Unique substance" except the Divine Being, yet the Koh-i-nur diamond has no peer and stands in a class by itself. you cannot find a diamond to match it, Note 3. P 77.

یہ حاشیہ بھی محترم پروفیسر کی جلد بازانہ رائے زنی کی ایک اور مثال ہے جس میں کہا گیا ہے کہ 'یہ کوہ نور الماس ہے۔ جس کے متعلق اکثر متاخرین (جن میں خافی خان بھی شامل ہے) لکھتے ہیں کہ علاء الدین کی فوجیں دکن سے

لائی تھیں، حالانکہ بیان بالا سے کوئی ایسی رائے قائم نہیں کی جا سکتی "مبادا این جواہر جوہری باشد کہ در ہمہ عالم فرد توان گفت" سے یہ قطعی فیصلہ کیونکر دیا جا سکتا ہے کہ اس 'جوہر فرد' سے مراد وہی مشہور عالم ہیرا کوہ نور ہے۔ جواہرات بیشمار اقسام کے ہوتے ہیں۔ان میں ایک قسم الماس بھی ہے۔امیر کے بیان کو اگر رنگین اور شاعرانہ نہ مانا جائے تب بھی یہ بیان اسقدر عام ہے کہ ہم اس سے کوئی خاص نتیجہ نہیں نکال سکتے۔ دوسرے جو روایت کوہ نور کو علاء الدین کی طرف منسوب کرتی ہے۔ یوں ہے کہ علاء الدین کو یہ ہیرا مالوے سے ہاتھ لگا تھا۔

اس سلسلہ میں سب سے قدیم بیان واقعات بابری کا ہے کہ بکرماجیت والی گوالیر کی اولاد نے جو ابراہیم سوری کے ساتھ پانی پت کی جنگ میں مارا جا چکا تھا۔ یہ ہیرا شہزادہ ہمایوں کی خدمت میں پیش کیا۔ ابوالفضل اکبرنامہ میں یہی بیان دوہرا دیتا ہے۔ خلاصۃ التواریخ میں سجان رای نے یہ فرق کیا ہے کہ یہ الماس بکرماجیت کی اولاد سے علاء الدین کو ملا تھا جس سے ظاہر ہے کہ اس کے ذہن میں بکرماجیت مشہور راجہ اجین ہے جسکے نام پر بکرمی سمت چلتا ہے۔ رسالۂ کاوہ میں بھی بکرماجیت والی اجین کو مالک بتایا گیا ہے اور کہ فتح مالوا کے وقت علاء الدین خلجی کے ہاتھ لگتا ہے۔مغربی اہل قلم مثلاً ڈوسن میکلین اور بال وغیرہ اسی روایت کو شہرت دیتے ہیں۔ فرشتہ کا بیان ہے کہ یہ علاء الدین [محمود شاہ] خلجی مالوی ہے لیکن خافی خان کے پاس اس بیان کی کہ " از تسخیر دکن بدست او آمدہ بود"، ہمیں کوئی معتبر سند معلوم نہیں

صفحہ ۱۱۹/۱ ہر چند پیش ازیں بارای میگفتند تا قطعی وکسری درین جواہر نرسید

است قسمی ازین سوی تاجدار عہد باید فرستاد

Before this time we have been advising the Rai to send a part of the jewels, that had never been cut or divided' to the Imperial Court 77. ll.

'تا قطعی و کسری درین جواہر نرسیدہ است' مطلب یہ ہے پیشتر اس کے کہ ان جواہرات میں کوئی تقسیم یا کمی واقع ہو۔

صفحہ ۱۲ حال اینست کہ محل استماع یافت باقی رای عالی برتر بلکہ معقول انگیز - در شکل گفتار ایشان دید کہ منطق ایشان از اختلاطات خالی است

The affair is as we have represented. For the rest, your exalted judgment is higher, and even wiser.

(The Malik) saw from the propositions of their speech that their logic was clear of all confusion. 78. 17.

اس عبارت میں دید کا فاعل مذکور نہیں۔ صحیح عبارت یوں ہے "باقی رای عالی برتر۔ ملک معقول انگیز در شکل گفتار ایشان دید الخ" اور "اختلاطات" کی جگہ اختلافات چاہیئے۔

صفحہ ۱۲ موضوعات کہ در قدیم الایام بر ایشان محمول نہ بود احداث کرد بر نہجی کہ ہیچ وقت تغیر نپذیرد

He applied to them such terms,[2] as had

never been applied to them in ancient times, and that too, in a way never to be forgotton. 78. par. II. l. 2.

اس عبارت پر حاشیۂ ذیل اضافہ ہوا ہے

[2] Apparently of threats. The terms really used by Khwaja Haji were not to be found in the ancient logic of Aristotle.

ہمیں اس ترجمہ میں فاضل مترجم سے اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک اس کے معنے ہیں :- مجدداً ایسا مواضعہ (خراج) جو قدیم سے ان پر قائم نہیں تھا مقرر کیا۔ جس میں کسی وقت بھی تغیر و تبدّل ممکن نہیں تھا حاشیہ میں مترجم کا یہ خیال کہ مراد خواجہ حاجی کی دھمکیوں اور سب و شتم سے ہے جو ارسطو کی کتاب منطق میں نہیں ملتیں۔ ہمارے خیال میں کسی اصلیت پر مبنی نہیں۔ یہاں خواجہ حاجی کہاں ہے وہ تو ملک کافور بذات خود سارا معاملہ طے کر رہا ہے۔

صفحہ ۱۲/۱۱ عارض حسیب سوی امرا [ی] محسوب و کتبیہ محاسب اشارت راندکہ حاضر و غائب لشکر را در شمار آوردند

The Ariz-i-Hasib ordered the Amirs and the Katib-i-Mohasib [2] to take the roll of those who were present in, or absent from, the army 79. l 1.

عارض حسیب' اور کتیبۂ محاسب کا ترجمہ نہیں دیا گیا بلکہ اصل الفاظ

کو انگریزی میں داخل کر لیا گیا۔ جس سے انگریزی خوانوں کو کچھ پتہ نہیں چل سکتا 'کتیبۂ محاسب' پر حاشیہ ۲ میں اس کے معنے 'سیاہہ نویس لشکر' دیے ہیں۔ حالانکہ صحیح ترجمہ 'ت یا ہۂ محاسب ہیں'

صفحہ ۱۲ ہندوی بر ہندسہ خطی براستی بنوشت و وہ خزانۂ صفر را در تہ آن ثبت کرد کہ از زر مالا مال گرداند

The latter made a straight figure and put ten ciphers beside it 78.4 (bott.)

اس عبارت پر ایک حاشیہ بھی دیا ہے - وہو ہذا :-

3 *He promised to pay 10,000,000,000 ten thousand millions only (?) The figure seems to be purely suppositions. But we are here dealing not with the revenues but the heirlooms of states.*

یہ رقم تو بظاہر صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ دس ارب روپیہ (تنگہ) یقیناً خالی از مبالغہ نہیں۔ مگر اسی قسم کا طریق بیان سلطان نامہ میں بھی ملتا ہے۔ چنانچہ قطب الدین کے عہد میں راجہ ارنگل کی زبان سے یہ شعر ادا ہوا ہے ؎

خطی بود بالای صد صفر گنجم کنوں صفر بی خط شد الفخت رنجم

ہم پروفیسر کے اس خیال سے متفق نہیں کہ یہ دس ارب روپیہ ان خزانوں اور اجناس کی قیمت ہے جو راجہ کے ہاں سے خزانۂ علائی میں آئے ہیں۔ یہ تو محض خراج کی رقم ہے۔ جو سالانہ ادا ہونی ہے۔ اس کے متعلق کوئی شک و شبہ نہیں۔ چنانچہ اس عبارت سے سابقہ عبارت یہ ہے :- چون سپہ کش

یگانہ بر سر ہند و خراجی بیروں از حساب وضع فرمود صفحہ ۱۲۱

میں سمجھتا ہوں کہ امیر کا یہ بیان بطریق تعمیہ ہے اور اصل رقم بہت کم ہے۔ لیکن آخر وہ رقم کیا ہو سکتی ہے ؟

جب علاءالدین کی وفات پر راجہ ارنگل نے سرکشی کی ہے۔ قطب الدین مبارکشاہ نے اسپر دوبارہ فوج کشی کی اور صلح کے بعد رقم خراج ساٹھ لاکھ مقرر ہوئی لیکن یہ رقم راجہ کے کہنے سننے پر بیس لاکھ رہ گئی۔ چنانچہ سلطان نامہ سے

خراجی کہ بر شصت لک جہو زر بہ بخشید چل ' بست لک شد مقرر

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عہد علائی میں بھی بیس لاکھ کے قریب ہوگی

صفحہ ۱۲۲ آن روز گوئی خلق را عید ثانی بود کہ مسافران حجاج بعد قطع وادیہای بسیار بہ بیت الحرم خدایگانی رسیدہ بودند و حاجات ایشان کہ مشاہدۂ یوسفی خلیفۂ حجاج غلام بود روا شدہ۔

The day looked like a second 'Id for the people, when the pilgrims, after wander-ing through many valleys, had at last reached the sacred precincts of the Imperial Court, and their wishes, compared to which the ambitions of Hajjaj yusuf were slavish longings, had been realized. 79. 10 (bott).

اس فقرہ میں مشاہدۂ یوسفی خلیفۂ حجاج غلام بود' کا ترجمہ قابل غور ہے۔ پروفیسر کہتے ہیں :- اور انکی آرزوئیں جنکے مقابلہ میں حجاج یوسف کی مرادیں محض غلامانہ خواہشات تھیں بر آئیں ' لیکن اس ترجمہ سے ہم مطمئن

نہیں۔ حجاج اور یوسف کے درمیان ایک اضافت ہے جو اضافت ابنی کہلاتی ہے یعنی حجاج پسر یوسف محمود سبکتگین میں بھی یہی اضافت ہے۔ چونکہ اس فصل میں کعبہ کا ضلع لایا گیا ہے۔ اسلئے اوپر کی عبارت میں عید ثانی۔ حجاج (جمع حاج)، قطع وادی۔ بیت الحرام۔ حجاج (وزیر عبدالملک) اور یوسف (پدر حجاج) وغیرہ الفاظ لائے گئے۔ ہمارے نزدیک اسکا ترجمہ یوں ہونا چاہئے :۔ اور انکی مرادیں یعنے حجاج غلام خلیفہ کے جمال یوسفی کا مشاہدہ برآئیں۔

ص ۱۲۶ عزم لشکر بسوی دھور سمند و معبر
ہمچو دریا که رود جانب دریای دگر

ع نسبت نگر از ستارگان باز

چون روز مریخ از آغاز جہاد خبر گفت و شمار ماہ جمادی الآخر از کوچ بی پایان و بی کم نوید رسانید و سنہ ہجرت بشارت آورد کہ امداد حق کہ بیش می باید با لشکر یار است نظم

یعنی سہ شنبہ و عدد مہ چہار و بیست　تاریخ سال ہفصد و دہ گشتہ در شمار

بطالعی کہ مشتری از آن سعادت خرد و وقتی کہ آفتاب از و روز بازار یابد۔ سایہ بان خاص بر سمت معبر نامزد گشت۔ الحق سایہ بانی کہ عرصۂ آن دو توی آسمان است و آسمان ہیچ توی یا آن برابر نہ بلکہ اگر آسیب بخیمۂ سپہر زند تو بر توش در غلطاند نظم

چرخ نہ توش بگویم زیراک　ستّرت فیہ جہات ستّة

اس عبارت کا ترجمہ حسب ذیل ہے

The march of the army to Dhur Samandar

and Ma'bar, like a river that flows towards an other river[4] ___

On Tuesday 26th Jamadi-ul-akhir 710 A.H a fortunate moment, at about mid-day the red canopy started for the expedition. 81. Par. II

Note 4 Allusion to stars.

اب اس ترجمہ کو تحت اللفظی تو نہیں کہا جا سکتا اور ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ امیر نے اس عبارت میں تاریخ بیان کرنے کا جو پیچدار طریقہ اختیار کیا ہے وہ یہ ہے :-

روز مریخ = منگل۔ آغاز جہاد = ج = ۳ - جس سے پھر اشارہ سہ شنبہ (منگل) کی طرف ہے۔ گویا منگل کا دن تھا۔ شمار ماہ جمادی الآخر از کوچ بی پایاں - کوچ = ۲۹ - چ = ۳ = ۲۶ و بی کم = ب = ۲ یعنے ۲۶ - ۲ = ۲۴ جمادی الآخر۔ اور سال کے لئے لکھتے ہیں :- امداد حق = ۱۵۸ - کہ بیش می باید = ۲ - یعنے امداد حق میں بے کے عدد (۲) اضافہ کرو۔ ' با لشکر یار است ' یعنے لشکر کے اعداد = (۵۵۰) میں شامل کردو۔ بالفاظ دیگر ۱۵۸ + ۲ + ۵۵۰ = سنہ ۷۱۰ھ

صفحہ ۱۲۶/۵ و سواد تنگل را از اطلس لعل خویش سرخروئی تمام ارزانی داشت

And halted at Tankal, which it made quite red with its ruby velvet. 81. 3 (bott.)

سرخروئی سے مراد چہرہ کی سرخی نہیں بلکہ عزت و نیکنامی

صفحہ ۱۲۷ در زیر مظلۂ آسمان وش عارض والا سپاہی بعدد قطرات باران در شمار می آورد

While the Ariz-i-wala collected his men like drops of rain under the towering canopy. 82.1.

' در شمار می آورد ' یعنی گنتی کر رہا تھا - ' والا ' عارض (بخشی) کی صفت ہے '

صفحہ ۱۲۷ و صد ہزاران کمان رستم از ہر سوی بر آمدہ

A hundred thousand Rustams appeared on every side with their bows 82.10.

'کمان رستم' = قوس قزح - یہاں کمانوں کو قوس قزح سے مثال دی ہے -

صفحہ ۱۲۸ بعضی رستمان سرخ موی کہ از خون سیاوشان نقش نتوان کرد و بعضی گرگینان اردشیر صولت کہ بزخم مشت استخوان شیر آرد کنند و پلنگان برزین کہ از پوست گودرز افسار رخش سازند

Some of them were so red haired that you could not have painted them even with the blood of Siawash. There were Gurgins who, with the impetuosity of Ardshir, could have pounded a tiger with a piece of bone, and lions like Barzin, who could have made a headstall for Rakhsh with

the skin of Godurz[2]. 82. 11.

'خون سیاؤشان' ایک سرخی مائل گھاس ہے۔ دوا میں استعمال ہوتی ہے۔ اس سے مطلب سیاؤش کا خون نہیں۔ 'بزخم مشت استخوان شیر آرد کنند' یعنے گھونسے کی ضرب سے شیر کی ہڈیاں آٹے کیطرح پیس دیتے۔ یہ مطلب نہیں کہ شیر کو ہڈی کے ٹکڑے سے پیس دیتے۔ 'پلنگان بہ زین' زین کے پلنگ (چیتے)، یعنی گھوڑوں کے سوار۔ یہاں برزین کسی شخص کا نام نہیں ہے بلکہ مرکب ہے 'بہ' اور 'زین' سے اگرچہ ایہام کی رعایت ضرور ہے۔ گودرز پر حاشیۂ ذیل دیا گیا ہے۔

[2] Rakhsh was Rustam's horse & Godurz was his son. The biographies of the heroes of the Shah Nama, whose names occur in this paragraph, need not be detailed here.

اس حاشیہ کی روشنی میں یہ معلوم نہیں ہوا کہ گودرز رخش کا بیٹا ہے۔ یا رستم کا۔ ہم سے اگر پوچھا جائے تو کہینگے کہ وہ نہ رستم کے رخش کا بیٹا ہے اور نہ رستم کا۔ خدا جانے پروفیسر صاحب نے یہ ہوائی کیوں چھوڑی۔ ان میں جو رشتہ ہے یہ ہے کہ یہی گودرز جسے پروفیسر رستم کا بیٹا بنا رہے ہیں رستم کے نواسے بیژن کا دادا ہے۔ بہت اچھا ہوا کہ پروفیسر نے شاہنامہ کے افراد و اشخاص پر حاشیہ دینا ضروری نہیں سمجھا ورنہ خدا جانے کیا کیا نئے گل کھلاتے۔ مگر منہ پر آئی بات روکنا بھی نہیں چاہئے۔ وہ یہ ہے کہ پروفیسر مشہور اشخاص کیخسرو۔ نوشیرواں اور ضحاک وغیرہ پر تو حاشیہ دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ لیکن جہاں ذرا غیر مشہور نام مثلاً گرگین۔ اردشیر۔

وغیرہ آئے حاشیہ کی ضرورت نہیں سمجھی'

صفحہ ۱۲۸/۱۴ مدت بیست و یک روز رانندگان تیزی تیز رو منزلہای دراز می [بریدند]۔

For twenty one days the men of the army made long marches. 82. par III.

'رانندگان تیزی تیز رو' یعنی رانندگان تازی تیز رو - یہ فقرہ ترجمہ سے چھوٹ گیا ہے

صفحہ ۱۲۹/۳ اسپان پیل ہیکل از بس بلندی کوہ بحدی خورد می نمودند گوئی تیغ کوہ مورچہ گرفتہ

On the summits of the mountains the horses appeared small like needle-points of rust on the blade of a sword. 82. par III. l. 6

اس جملہ میں 'تیغ کوہ' پہاڑ کی چوٹی - اور 'مورچہ' چیونٹی ہے - مطلب ہے کہ قوی ہیکل گھوڑے بلندی کی بنا پر ایسے چھوٹے چھوٹے معلوم ہوتے تھے جیسے پہاڑ کی چوٹی پر چیونٹی رینگتی ہو - پروفیسر کا یہ کہنا کہ 'تلوار کے پھل پر سوئی کی نوک کے برابر زنگ' بالکل غیر موزوں ہے -

صفحہ ۱۲۹/۹ و ہر کوہ بحدی بلند کہ کرگس کیکاؤس با چندان بلند پری ہم در بر رفتن آن مردار شود کہ بہ تیغ نرسد.

And the vultures of Kai Kāūs[4] would have perished in attempting to fly above the mountains 82. par III. l. 10.

یہاں پھر تیغ (پہاڑ کی چوٹی) کا ترجمہ حذف ہوگیا ہے اور کیکاؤس پر یہ حاشیہ دیا ہے :-

[4] Kai Kaus, a famous emperor of Persia, attempted to fly to the sky on a throne carried by birds, but when the birds were tired, he fell down and died.

سبحان اللہ ابھی چند سطر پہلے رستم کو گودرز کا باپ بیان کیا گیا تھا - یہاں کیکاؤس کو مار دیا جاتا ہے - اگر کیکاؤس آسمان پر اڑتے وقت گر کر مر جاتا تو فردوسی یہ مشہور شعر اس کے پہلوان گودرز کی زبان سے جو ملامتاً سے کہا گیا ہے - کبھی نہیں لکھتا ؎

بجنگ زمیں سر بہ سر تاختی کنوں باسمان نیز پرداختی

ہم پروفیسر صاحب کو یقین دلاتے ہیں کہ کیکاؤس اس واقعہ کے بہت عرصہ بعد تک زندہ رہکر اپنی قدرتی موت مرتا ہے '

ص ۱۲۹/۱۵ آنکہ سر [برکف] نہد در پیش تیغ از بہر دین
[اوز] باکی ترسد از خود تیغ رویدِ بر زمین

For when a man, for the sake of his faith, carries his head on the palm of his hands before the enemy's sword, the blade of steel is frightened and hides.

82. l. 2 (bott.).

آخری مصرع کا ترجمہ نشانہ سے دور ہے - امیر کا مطلب ہے کہ جو شخص

دین کے واسطے سر دینے کو تیار ہے وہ بھلا پانو کے واسطے اگرچہ تلواریں زمین سے اُگنے لگیں کیوں ڈرنے لگا یعنے جو دین کے لئے سر بکف ہے اسے پانو کی پروا کیوں ہونے لگی ۔

ص ۱۳۰/۴ سے ۵ و [سی] صد شکر یزدان را کہ بگذشتہ ازان لشکر
کطیر علی جوّ و فلک علی ماء

A hundred thanks to God, that the army was able to cross the rivers, even as a bird flies through rain or the sky traverses the Ocean. 83.3.

"پچھلے مصرع کا ترجمہ قابل اعتراض ہے ۔ جوّ = خلا ۔ فلک = کشتی یعنی جسطرح پرندہ ہوا میں اور کشتی پانی میں"

ص ۱۳۰/۹ سے و فوقہ علم السلطان لورفعوا کانّہ علم من فوقہ علم

Like standards[2] fixed on mounds, they were sent as presents to the Sultan, if he would accept them. 83.10.

صحیح ترجمہ یوں ہوگا :— اور اسپر شاہی عَلم اگر بلند کیا جائے ۔ تو ایسا معلوم ہو کہ پہاڑ پر جھنڈا لہرا رہا ہے "

ص ۱۳۲/۳ و باز در قلع جنگلہا و استیصال باغیان بادی گشت

And afterwards employed itself in cutting down the jungles and destroying the gardens. 84.5.

'باغیان' باغی کی جمع ہے ۔ پروفیسر نے باغ بنا لیا ۔ بادی = ابتدا کنندہ ۔

ص۱۳۳ رای رایان رام دیو کہ از کوس مہابت محمدی آوازۂ "اسلم شیطانی" شنیدہ بود و دیو نفس خود را رام آن درگاہ ساختہ و رایش بر اخلاص جانی آرام گرفتہ'

The Rai Rayan, Ram Deo, had heard safety to satan proclaimed by the dread-ful Mussalman cymbals, and submitting to the Imperial Court, considered himself safe under the protection promised to him.

84. par II. l 8.

کوس مہابت محمدی' یعنے محمد کے خوف کا نقارہ نہ جھانجھ - 'محمد' علاءالدین کا نام ہے - 'دیو نفس خود را' ترجمہ سے چھوٹ گیا ہے - 'رایش بر اخلاص جانی آرام گرفتہ' یعنی اسکی خواہش دلی اخلاص پر قائم تھی - عبارت متن میں کوئی ایسے الفاظ نہیں جنکے معنے وعدہ کردہ حمایت ہوں - 'اسلم شیطانی' (میرا شیطان اسلام لے آیا) تلمیح ہے ایک حدیث کی طرف جس میں یہی الفاظ وارد ہوتے ہیں - اگرچہ مجھ کو اصل حدیث جس میں 'اسلم شیطانی' آتا ہے نہیں ملی - مگر میں اپنے اس خیال کی تائید میں اسی کے قریب ایک اور حدیث نقل کرتا ہوں -

" عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم ما منکم من احد الّا وقد وکّل بہ قرینہ من الجن و قرینہ من الملائکۃ قالوا و ایّاک یا رسول اللہ قال و ایّای ولکن اللہ اعاننی علیہ فاسلم فلا یامرنی الّا بخیر - رواہ مسلم (مشکوٰۃ المصابیح ص۱۰ باب الوسوسہ - طبع دہلی ۱۲۶۷ھ)

اب ظاہر ہے کہ کسی حدیث میں ' اسلم شیطانی بھی آتا ہے۔

ص ۱۳۴/۱۲ و تنگہای سرخ و سپید چون گل سوری و صد برگ نو بر تو نہادہ

And red and white tankas lay before them like roses & many petelled flowers

85 . 2 .

صد برگ کا ترجمہ گلاب درست نہیں - خسرو کے بیان سے جو گل کوزہ اور گل صد برگ کے متعلق دول رانی خضرخاں میں دیا گیا ہے - معلوم ہوتا ہے کہ کوزہ اور صد برگ دونو ہندوستانی پھول ہیں جو ایران میں نہیں ہوتے اور ان کے یہ فارسی طرز کے نام مسلمانوں کے رکھے ہوئے ہیں

ز گلہاے تر ہندوستان ہم — شدہ سرگشتہ باد و بوستان ہم
گل کوزہ کہ دور چرخ گردان — پدید از خاک پاک ہند کرد آن
بہ ترّی آب را در کوزہ کردہ — لطافت آب ازو دریوزہ کردہ
گل صد برگ را خوبی ز حد بیش — نمودہ صد ورق دیباچۂ خویش
اگرچہ پارسی نامند اینہا — ولی در ہند زادند از زمینہا
گر این گل در دیار پارسی زاد — چرا ز و نیست در گفتارشان یاد ص ۳۱-۱۳۰

صد برگ امیر کے نزدیک ایک زرد رنگ کا پھول ہے چنانچہ قرآن السعدین

یاد ہمہ خاک زمیں را بہ بخت — یافت زر و ڈر بر صد برگ رخت
بسکہ گرانی زر از حد گذشت — دامن صد برگ بصد پارہ گشت

اس سے ظاہر ہے کہ امیر 'ہزارہ' کو صد برگ کہتے ہیں '

ص ۱۳۵/۷ حا ۱۱۷/... تا ہر کہ ہست عدالی میداد و بقیمت عدل کالائے می خرید

قرا ری ؟

Everyone gave good money and bought things at a just price. 85-10.

عدالی کی جگہ عدلی پڑھنا چاہئے جو ایک سکہ کا نام ہے۔ طامس جو مسلمانی مسکوکات ہند پر امام فن کہلائے جانے کا مستحق ہے اپنی مشہور تصنیف "تاریخ پٹھان سلاطین دہلی میں (صفحہ ۲۴۸) خزائن الفتوح سے یہی جملہ نقل کرتا ہے اور صاف عدلی لکھتا ہے۔ سلطان محمد بن تغلق کے عہد کے مسکوکات اور انکی قیمت پر بحث کرتے ہوے طامس کا بیان ہے کہ اس عہد میں دو قسم کے نقرئی سکے رائج ہیں۔ پہلا تنکۂ قدیم جو ۶۴ کانی کا ہے اور دوسرا عدلی جو صرف پچاس کانی کا ہے جو انگریزی حساب سے بالترتیب '۱۷۵' اور '۱۴۰' گرین وزن میں ہوئے۔

پیرزادہ محمد حسین سفرنامۂ ابن بطوطہ جلد دوم صفحہ ۱۱ / ح ۲ لکھتے ہیں کہ معمولی تنکۂ نقرہ کے چوسٹھ جیتل ہوتے تھے اور عدلی کے پچاس اور فرشتہ نے جو لکھا ہے کہ تنکہ کے ۵۰ پول آتے تھے اسکی مراد عدلی ٹنکہ ہے اور پول سے اسکی مراد جیتل ہے۔ اسی حاشیہ میں صفحہ ۱۲ موصوف رقم طراز ہیں " بطوطہ کے وقت میں تین طرح کے ٹنکے تھے (۱) ٹنکہ سفید جو خالص چاندی کا سو رتی کا اور اسّی رتی کا ہوتا تھا۔ اسّی رتی والے کو عدلی بھی کہتے تھے . . . . ابن بطوطہ نے معمولی ٹنکہ سفید کو ہمیشہ دینار کہا ہے اور عدلی کو درہمی دینار۔"

یہاں میں ایک عدلی کا سکہ بھی بغرض اطلاع ناظرین درج کر دیتا ہوں رخ اول = کلمۂ شہادت۔ رخ دوم = الواثق بتائید الرحمٰن محمد شاہ السلطان" اور حاشیہ پر " ضرب ہذا العدلی بحضرۃ دہلی - سنہ خمس وعشرین وسبعمایہ " طامس کے ہاں اس سکہ کا نمبر ۱۸۰ ہے اور وزن ایک سو چالیس گرین ہے۔

(صفحہ ۲۱۳) - انڈین میوزیم میں ایک اور عدلی ہے جسکا نمبر ۳۲۲ ہے اور وزن ۵ء۱۴۱
(فہرست انڈین میوزیم کلکتہ جلد دوم از نیلسن رائٹ)

مگر یہ ذکر محمد تغلق کے عہد کا ہے - جب سکّوں کے تعلق میں جدید تبدیلیاں ظہور میں آئی ہیں - حضرت امیر خسرو کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عدلی علاء الدین کے عہد میں بھی کسی "سکہ" کا نام ہے - اگرچہ اس عہد میں کوئی چاندی کا "سکہ" ایسا نظر نہیں آتا جسکا وزن اسّی رتی یا ایکسو چالیس گرین ہو -

صفحہ ۱۳۴/۲ آن شکل عہد یعنی رای رایان برای رضای بندگان شاه نامهٔ بندگی را برقم اخلاص بیاراست

In order to please the servants of the Emperor, this model of his generation, i.e., the Rai Rayán, wrote a letter of homage with pen of sincerity. 84.23.

یہاں شنکل (شنکل) چاہیئے نہ شکل - شنکل ہندوستان کے راجہ کا نام ہے - جسکے پاس بہرام گور قاصد بنکر آتا ہے - رائے رایان نے خط نہیں لکھا ہے بلکہ بندگی کو نامہ سے اور اخلاص کو رقم کیساتھ مثال دی گئی ہے - بالفاظ دیگر اسنے اپنی خدمت کو اخلاص کیساتھ آراستہ کیا -

صفحہ ۱۳۴/۹ باشارت رای نیک اصل که نهال کردهٔ درگاه خلافت پناه است بازارهای شهر را چون بوستان ارم بیاراستند

At the order of the noble Rai, who was a tree planted by the Imperial Court, the markets of the city were decorated like the

garden of Aram. 84. 5 (bott).

نہال کردن وہی محاورہ ہے جو اردو میں بھی آتا ہے - یعنے نہال کرنا - مالامال کرنا - سرافراز کرنا - ارم بکسر اوّل ہے نہ بفتح -

ص ۱۳۴/۱۵ میوہای بہ از بہ و نغز تر از نغز بار بر بار انبار کردہ -

Fruits better than pomegranates & rarer than nghz lay in heaps. 85.6.

'بہ' انار کو تو نہیں کہتے بلکہ وہی بہی ہے - جسے آپ بھی کہتے ہیں - پروفیسر کا ترجمہ قابل اطمینان نہیں - 'نغز' کسی میوے کا نام نہیں - آم کے معنوں میں نغزک آتا ہے - ہمارے خیال میں یوں ترجمہ ہوتا :- اچھے سے اچھے اور عمدہ سے عمدہ میوہ کا ڈھیر پر ڈھیر انبار لگا ہوا تھا

ص ۱۳۴/۱۴ بزازان جامہای گوناگون کہ از بہار ہند تا باورد خراسان امثال آن بورود صبا [نشان ؟] نتوان یافت

The cloth-merchants had every variety of cloth from bahar-i-Hind to the bawardi Khorasan, the like of which you cannot find among the flowers of the gardens. 85.3.

ترجمہ کا آخری حصہ غلط ہے - مطلب یہ ہے جسکی مثال ورود و صبا میں بھی نہیں مل سکتی - ورود اور صبا (سبا؟) شہروں کے نام معلوم ہوتے ہیں -

ص ۱۳۹/۲ ، ازان مہابت چون زحل منعکس بحال بد و طالع معکوس بسوی برج ہبوط خویش راجع شدہ و از سیارہ سیر و نسر طائر طیر دام شدہ در بیت

الخفیف خویش رسیدہ

Bilal Deo like an upturned and unlucky saturn marched down to his own low constellation 87, 8.

یہ ترجمہ تحت اللفظی نہیں مانا جاسکتا۔ اسکا آخری نصف ترجمہ سے حذف ہو گیا ہے۔

ص ۱۳۹ س ۱۴ و تیغ زنانی کہ بیک ضرب شمشیر [گرد] کوہ را چون جوزی بدو نیم سازند

And swordsmen who could cut a hill into two like a nut. 87. par II. l.7.

گردکوہ ایک پہاڑ کا نام ہے۔ اسی قسم کی غلطی اس سے پہلے بھی نظر سے گذری ہے

ص ۱۴۰ س ۴ واز [زہرہ] دیدن آن یاد بقفا افتد

And the attempt to gaze at the heights took away the onlooker's breath. 87. par II. l10.

یہ مطلب نہیں کہ تماشائی کا دم الٹ جائے بلکہ یہ مطلب ہے۔ کہ ہوا اوندھے پل گرے۔

ص ۱۴۲ س ۲ روزگارہا باید تا چون تو [دودہ] از دودمان آتش پرستان در دھور

سمندر بر آید خود وران شبہ نیست ع من النار بید و بالدہور سمندر

Ages will be required, said they, before the pillar of fire-worshipping tribes can be raised in Dhur Samandar again. There

is no doubt that our origin is from fire and from Dhur Samandar (Salamandar) 88. par II, l. 13.

یعنے بڑا زمانہ درکار ہے تب کہیں دہور سمندر میں نیز جیسا خاندان آتش
پرستوں کے قبائل میں پیدا ہو سکتا ہے اور مصرع کا مطلب یہ ہے کہ بہت
زمانہ گذرنے کے بعد آگ میں سمندر پیدا ہوتا ہے۔

ص۱۴۲ س۱۱ آخر این قلعہ کہ بیرو دھور سمندرش میگویند نزدیک خویش آبی
دارد و پیوستہ درین زمین [با آب] بودہ است

Our fort is called Dhur Samandar (sea); water is, and always has been, within reach. 88. par II. l. 6 (bott)

آب یہاں بمعنی عزت و احترام ہے۔ نہ پانی کے معنوں میں

ص۱۴۳ س۱۱ و آن ہمہ ساغرہای دریا وش را کہ گردا گرد دور حصار بود
میدان کمیت تصور کرد

He thought that the flasks by the side of the ditch were like a wine table laid out. 89. par. II, l. 4.

یہ ترجمہ ناقابل قبول ہے۔ "ساغر" یہاں ہندی لفظ "ساگر" (تالاب)
کا معرب ہے۔ یہ لفظ دہلی میں مسلمانوں کے داخلے کے بہت جلد بعد فارسی
میں لے لیا گیا ہے۔ قران السعدین میں بھی آتا ہے۔ چنانچہ

ؔ چوترہ و قصر بلندش در آب گشت ازان ساغر صافی حباب (ص۳۲ علیگڑھ ایڈ)

قلعۂ بیر کے گرد امیر خسرو کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ساگروں (تالابوں) کا ایک سلسلہ جا رہا ہے۔ اس سے قبل بھی چنانچہ کہا ہے ع

محیط گشتہ زہر سو بگرد بیر غدیر (ص۱۴۱ خزائن)

غدیر سے مطلب یہی ساگر ہیں۔ اسکے علاوہ اس مصرع کیساتھ والی عبارت میں جس کے متن کی صحت سے میں عاجز ہوں اور پروفیسر نے اپنے ترجمہ میں حذف کر دی ہے پھر ان ساغروں کے سلسلہ کا ذکر آتا ہے و ہو ہذا ؎

گوئی میان گرداب بنیاد بست محکم   باچندان دور ساغرہای لبالب خرابیش کم (کذا)[1]

ہمارے نزدیک اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ان ساگروں کو جو قلعہ کی چاروں طرف اور دریا کی طرح وسیع تھے۔ اسپ دوانی کا میدان خیال کیا

ص۱۴۳/۱۲ والنگ ہای شیران مست و سرگران بہشیاران شیر گیر مجلس بہ مجلس مرتب گردانید

The ferocious lions and tigers (of the army) were organized, party by party.

89. par. II, l. 5.

'النگ' (= جمعی را گویند کہ مردم بیرون قلعہ جا بجا بجہت گرفتن قلعہ تعین نمایند) کا ترجمہ شامل نہیں۔ 'شیرانِ مست و سرگران' کا ترجمہ شیر ببر اور شیر مناسب نہیں۔ 'ہشیاران شیر گیر' بھی ترجمہ سے حذف کر دیا گیا ہے

ص۱۴۴/۱۶ تا چون بامداد آن روز خجستہ جمعہ جامع عالم را بہ بساط نور بیارا ید آن جماعت مجاہدان بہ سنت غزا کار جہاد و پیش [مزید] دیوار حصار را چون مصلائی

---

[1] میں نے یونیورسٹی کے مخطوطہ سے اس عبارت کو نقل کیا ہے۔ جہاں وہ شعر کی شکل میں لکھا گیا ہے۔ مطبوعہ متن تو نہایت غلط ہے۔

صف بر روی زمین پست بگستردند و درآن دیو خانه باصفهای ملائک درروند
وبعزت تمام شعر

یقیمون فیہا خطبة وجماعة   الی ان اصناما تخرّو تسجد

Next morning they would commence the struggle and enter the houses of demons in full force to establish the <u>Khutba</u> and prayer where the idols had been worshipped. 90. par II, l 11.

یہ ترجمہ نہ مرادی ہے نہ تحت اللفظی اور اسکی خامیاں میرے بتائے بغیر ظاہر ہیں -

صفحہ ۱۴۵ چون کیسو مل درگیسوی مل دام شب چون عساکر انبوه تر از موی [سر عظمہ] الله را سراسر معاینہ کرد

When through the locks of the night, Gaisu Mal saw the enormous army spread out like the hair on a man's head. 90. par. III, l 1.

یہ لفظ گیسو مل ہے یا کیسو مل ؟ مل دام اور عظمہ الله کا ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے

صفحہ ۱۴۶ و اگر بنیاد کاو کاو برای خرابی این چہار دیوار باشد پیش خویش دیوار برنتوان آورد حصار حصار پادشاه است

If all this noise and tumult is for the destruction of the four walls of this fort,

they are, as they stand, no obstacle to your advance. The fort is the fort of the Sultan; take it. 91.7.

کاو کاو کے معنے کاوش و محنت و تعب ہیں نہ شور و غوغا جیسا کہ مترجم نے لکھا ہے۔ یہ لفظ اس سے پہلے بھی آچکا ہے اور مترجم ہر جگہ اس کے لئے نئے معنے دیتے ہیں۔ 'پیش خویش دیوار بر نتوان آورد' یعنے اپنی حفاظت کی غرض سے دیوار تک نہیں بنا ؤ نگا۔' اس پر قبضہ کرلو' اس مطلب کی کوئی عبارت متن میں موجود نہیں

صفحہ ۱۴۶ گیر کہ بندہ بلال دیو از سر قلعہ سنگے چند پرتاب کرد۔ لاحول کہ آن سنگ دیو بر آدمیان آسیب تواند آورد۔ پس چہ بہ ازانکہ سنگ خود با خود نگہ دارم و چون ہندوان دیوگیر سر در پریشانی نہ نہم

The servant Bilal Deo, has thrown a few stones from the top of his fort; but God forbid that the stones of a demon should do any harm to men! and what can be better for me than to keep my stones to myself and remain out of harm's way like the Hindus of Deogir? 91.9.

'گیر' یہاں 'فرض کرو' کے مفہوم میں لایا گیا ہے۔ پروفیسر نے 'اس پر قبضہ کرو' معنے دیکر جملۂ سابق سے اسے متعلق کردیا۔ 'سنگ خود' یعنے آبروئے خود' امیر کا مطلب یہ ہے کہ مجھے چاہیئے کہ میں اپنی آبرو کی حفاظت

کروں اور دیوگیر کے ہندوؤں کی طرح اپنے آپکو (مقابلہ کرکے) پریشانی میں مبتلا نہ کروں' یہ اشارہ ہے رام دیو والی دیوگیر کی سرکشی کی طرف۔ اس کی تنبیہ کے لئے ۷۰۶ھ میں بسرکردگی ملک نائب باربک ایک مہم روانہ ہوئی۔ رام دیو گرفتار ہوا اور دہلی لایا گیا (خزائن الفتوح ص۷۳-۷۶)

ص۱۴۶ س۱۱ بنگر کہ چند جانہای دیوان ہندو در غبار لشکر بادشاہ گرد باد شدہ می گردد۔

Behold! The spirits of so many Hindu demons are revolving in the dust round the Imperial camp. 91. 16.

گرد باد = بگولا۔ بگولے کے متعلق ہندوؤں (راجپوتانہ) میں آج بھی اعتقاد ہے کہ اس میں بھوت ہوا کرتا ہے۔ امیر خسرو کی عبارت میں اسی عقیدہ کی صدای بازگشت معلوم ہوتی ہے

ص۱۴۷ س۶ کہ اول شمع دو زبانۂ لا شہادت پیش ایشان داریم

First I am to place before them the two negatives of the oath of affirmation 91. par II, l. 5.

یعنے سب سے پہلے ہم لا شہادت کی دوہرے شعلے والی شمع (بغرض ہدایت) ان کے سامنے رکھیں۔ کلمۂ شہادت میں لا نافیہ صرف ایک ہے نہ دو۔ شمع دو زبانہ سے مراد کلمۂ شہادت کا لا نافیہ ہے۔ جسکی شکل اگر اسکو کوفی خط میں لکھا جائے تو شمع دو زبان سے ملتی ہے یعنی اسطرح لا

ص۱۴۷ س۱ ازین سہ شرط بلال دیو بہ کدام می آساید ما نیز بارای زنان لشکر بدان میزان کار بسنجیم۔ جوابی باید بمیزان رای سنجیدہ تو تیز اندیشۂ خویش

ی سنتہ اورہیں کاج ہیزین

مصرع بصنق سنج بدان سان کہ ما ترا ذوری

Which of these three conditions pleases Rai Bilal Deo most, so that I may consult the heads of the army & give you a reply suited to your judgement as well as mine? Weigh your reply carefully, even as I weigh you. 92.1.

اس عبارت میں پچھلے حصّے کا ترجمہ غلط ہو گیا ہے - مطلب یہ ہے کہ ان تینوں شرطوں میں سے بلال دیو کو کونسی منظور ہے - وہ ہمیں بتائے تاکہ ہم بھی اس کی بنیاد پر اپنے لشکر کے مشیروں سے مشورہ کرلیں - جواب غور و خوض کے بعد آنا چاہیئے - تیری رائے سچائی پر مبنی ہونی چاہیئے - جس میں دروغ و فریب نظر نہ آئے -

ص ۱۴۷/۱۵ فرستادگان رای از سہم آن پیغام نزدیک بود کہ سپری شوند از سر شکستگی گفتند کہ ما پیکان ہندو ایم و این پیغامہا کہ از تیر راست تر است چون ہندوان را کیش درست نیست شاید کہ کژی درانہا راہ یابد

The Rais' messengers nearly collapsed at the fearful ultimatum. 'We are Hindu arrows', they said with their broken spirits, 'and Hindus are not good marksmen. may be your message, which is straight as an arrow, will become somewhat crooked (if we deliver it). 92-4.

'از سر شکستگی گفتند' یعنے عاجزی سے کہا - 'پیکان ہندو = ہندو قاصد نہ ہندو تیر - پیک واحد ہے اور پیکان جمع - ہندوان را کیش درست

نیرت ' یعنے ہندووں کا مذہب سچا نہیں ہے - اس عبارت میں کوئی ایسا فقرہ نہیں جس کا یہ مطلب ہو کہ ہندو اچھے نشانہ باز نہیں ہوتے '

ص۱۴۸/۴ ملک را [این چنین] فرستادنی کہ رمیاً بغیر رام بود محض ثواب نمود و کس حاجب ہندوان پرمار را کہ مانند تیر ترکان مار با پر دیو بہ نیروی تمام با آن دو سہ روندۂ دیگر پرتاب کرد

The Malik welcomed the idea. He ordered some Hindu Parmar hajibs — who like Turkish arrows, were strong snakes with wings of demons to go along with the two or three ambassadors of the Rai, 92. par. II, l. 1.

اس فقرہ میں ' این چنین فرستادنی کہ رمیاً بغیر رام (ایسا بھیجنا جس کا اچانک موقع مل گیا) کا ترجمہ چھوٹ گیا - ' مار با پر دیو ' کی جگہ ' مار با پر بود ' چاہیئے یعنے پروار سانپ تھا '

ص۱۴۸/۷ رای بمجرد شنیدن آن سر بر زہرہ شگاف دیوانہ وار از جای بجست

The Rai jumped up from his place like a mad man on hearing their venus rend-ing voices. 92. par. II, l. 6.

' زہرہ شگاف ' یعنے پتّہ پھاڑ دینے والی مراد دل ہلا دینے والی آواز - ستارۂ زہرہ سے مراد نہیں جیسا کہ مترجم صاحب سمجھے

ص۱۴۸/۱۲ بندہ بلال نیز یکی از دہ نکان است

Bilal is also one of the tribute payers.

دھانک ہندی لفظ ہے جس کے معنے تیر انداز ہیں - یہاں مراد خدمتگار و ملازم ہیں -

ص ۱۴۹/۴ رسولان چون تواضع رای کہ در شکستگی بکمان لزوم می مانست درست کروند بدان اعتماد کہ شکستگی [او] استواری تمام داشت

When the Imperial messengers had consoled the Rai, who looked like a broken bow, and were sure that his weakness could not be repaired. 92.4 (bott).

'شکستگی' = عجز و لجاج - 'کمان لزوم' = کمان لیزم - کمان نرم برای مشق مبتدیان - 'درست کروند' تحقیق کرلیا - ثابت کرلیا - اس فقرہ میں پروفیسر صاحب نے بالکل راہ غلط کر دی - مطلب یہ ہے - کہ جب شاہی ایلچیوں نے رائے کی عاجزی کو جو بلحاظ لجاج و تواضع (جھکنے) لیزم کی کمان کی طرح تھی تحقیق کرلیا - اس اعتماد پر کہ اسکا عجز و الحاح قابل یقین تھا -

ص ۱۴۹/۶ و خدمتیہاے [وجوہ] خم خوردۂ او کہ بابت زہ بود بہ کمان کشان لشکر رسانید چون ملک را درست گشت کہ آن متعصب [بی گم] بقربان خویش راضی شدہ گردن خشم از سر ابرو یکسو نہاد و کمان غزا را [از] شکنجہ آسایش داد

The Rais' presents, which were suitable for the bow-string, were given over to the archers of the army; and the

Malik, having assured himself that the Rai was sincere in the promise he made, removed the knot of anger from his brow and placed his bow comfortably on its rack. 92. l. l.

'بابت زہ' تحسین کے قابل۔ 'وکمان غزا را [از] شکنجہ آسایش
داد' یعنے جہاد و جنگ کی کمان کو چلہ کشی کے شکنجہ سے سکون دیا۔

ص ۱۴۹/۱۵ وقامت خدمت را پیش سائبان اعلیٰ بقدر تیر پرتابی کمان خدمتی ساختند
وسخن پرچاشنی آغاز کردند کہ بہ زہی پر زد

They brought their presents & bowed before the Imperial Canopy, like a bow when an arrow is shot from it; next, like an arrow springing from the bow string, they began their alluring speech. 93 - par. II, l. 5.

یہ ترجمہ صحیح نہیں مانا جا سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ انہوں نے سائبان اعلیٰ
کے سامنے اپنے خدمت کرنے والے قد کو ایک تیر پرتاب کے فاصلہ سے تسلیمات
بجالانے میں کمان کی طرح بنا دیا (جھکا دیا) اور چاشنی دار گفتگو جو
بہت کچھ قابل تحسین و آفرین تھی شروع کر دی۔

ص ۱۵/۱۲ "دو شاخہ آہن در بیناگوشش پنداری لائے لاحول است
ع" کہ کردہ است آہرمنی را زبون"
یہ عبارت ترجمہ سے رہ گئی ہے'

ص ۱۵۱/۱۴ سخت سری فرمان بردار [وزن] بارہای گران گرانبار ساختهٔ بار بادشاه، از درآرایش درگاه، قصابی ستور را از کنگر آهن آویخته و کنگر آهن را از عاج دسته انگیخته زرتاب برتابش کمرکار بسته تابش هنگام کار در آهن غرق نشسته بناگوشش از دو جناق زینت و زیبائی سوار درعقب جناق - بی رکاب کارگر خرطومش نشانهٔ ماهی، گوشش باد بیزن داخل بادشاهی - فراخ نای باریک آواز، دستش بی چنگ پایش دو طرف دف ساز

Hard-headed but obedient, it bore on its back the prestige of the court. From a wide throat it emitted a soft sound. Its hands were without fingers & its feet beat like drums on either side. 93. par. III. l. 5.

عبارت بالا میں سے صرف خط کشیدہ حصّہ کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ پہلے جملہ کے نصف ثانی میں 'وزبارہای' کو 'دربارہای' پڑھ کر پروفیسر نے اسکا ترجمہ 'وہ اپنی پشت پر جلال و جاہ دربار کا حامل ہے' کیا ہے حالانکہ صحیح ترجمہ 'اور بھاری بھاری وزنوں سے لدا ہوا' چاہیے۔ 'دستش بی چنگ' کے معنے 'اسکے ہاتھوں میں چنگ (ساز موسیقی) نہیں ہے' چاہیئے

ص ۱۵۱/۱۴ گرگ را از و درشکم [دندان و شیر را از] دندان او پہلو چون دہن خندان

It could tear open the sides of a wolf as wide as laughing lips. 93. par III. l. 9.

یہاں 'گرگ' کی جگہ 'کرگ' (گینڈا) پڑھنا چاہیئے۔ ہاتھی کے لئے بھیڑیے کا پیٹ پھاڑنا کونسی ناموری کا کام ہے۔ مطلب ہے کہ اس کے دانت گینڈے کے پیٹ میں گھس جاتے ہیں اور شیر کا پہلو اس کے دانتوں سے منہ کی طرح ہنسنے لگتا ہے یعنے کھل جاتا ہے۔

ص ۱۵۱/۲ ناخنش دافع ناخنہ اما ہر جا کہ آن ناخن رسیدہ چشم با ناخنہ بیرون پریدہ

And at the same time carve out their eyes with her nails. 93. l.2 (bott)

اس عبارت کا تو یہ مطلب ہے کہ اس کے ناخن آنکھ کی بیماری ناخنہ کو دور کرتے ہیں۔ بلکہ جہاں جہاں یہ ناخن پہنچتا ہے۔ آنکھ ناخنہ سمیت نکل پڑتی ہے۔

ص ۱۵۲/۵ [اذیال] سایہ بان کہ باوتاد جبال پیوستہ بود

And the canopy, which has the hills for its pegs. 94.10.

فقرۂ بالا کا یہ مطلب نہیں کہ سائبان اعلیٰ جس کی میخیں پہاڑ ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے۔ سائبان شاہی کا سایہ جو پہاڑوں کی میخوں سے پیوست ہے۔

ص ۱۵۲/۱۲ نقرہ خنگاں سیہ سم پنداری کہ شب در پای خورشید افتادہ است

White horses with black hoofs, like an eclipse over-shadowing the sun. 94. par II, l.12.

اس فقرہ کے آخری حصّہ کا اصل اور ترجمہ میں تخالف مطالب میرے کہے بغیر ظاہر ہے

ص ۱۵۳/۱ طینت شان از باد انگیختہ چنانکہ از آب نتوان ریخت

Their essence was from the wind, and rain could do them no harm. 94. par. II. l.15.

طینت سے مقصد طبیعت اور فطرت ہے۔ انگیختہ یعنے آفریدہ۔ ریختن تشکیل دینے اور صورت بنانے کے معنوں میں ہے۔

ص ۱۵۳/۲ سم شان از آہن والیتاد شان برہوا مکن کلاک شان چون نی بر آب از غرق شدن ایمن

They wore shoes of iron and could, nevertheless, dance in the air. Their limbs were like reeds, and they could not therefore, be drowned in water. 94. par. II. l.17.

کلاک۔ پاؤ اور ٹانگ کے معنوں میں معلوم ہوتا ہے۔ اس کا استعمال ص ۱۶۸/۱ پر بھی ہوا ہے

ص ۱۵۴/۵ آن ہمہ گنجہای خورشید تاب کہ از دست او خاک برسر افگندہ بود دامن افشان کردہ پیش سایہ بان ہمایونی رسانید

The Rai brought all the sparkling gems, which he had hitherto kept under ground, in his skirt before the august canopy 95.4.

از دست او خاک بسر افگندہ بود۔ جسکی بنا پر وہ خاک برسر یعنے

تباہ اور پریشان تھا - یہ مطلب نہیں کہ اسنے زیر زمین دفن کر رکھا تھا -
دامن افشان کردہ - دامن جھاڑ کر - دست بردار ہوکر - یہ مقصد
نہیں کہ دامن بھر کر لایا -

ص ۱۵۵/۲ وسوی تریہای دریا گاؤ بر گاؤ لگام شتری راہ برداشتند و
از مرّہ [جمال] را رشتہ دراز دادہ زمین می پیمودند و در زمینہای شترگریہ
کرشتر در مغاکہای آن گریہ نماید چون پلنگ می جستند و موش خانہای
مار پیچ کہ دست بختیان در وی تا موشک [بازو] فرو رود بپویہ شتر
می گذشتند'

And led up and down accross valleys and rivers. The ground was extremely uneven; but the men jumped like lions accross hallows which made the camels weep, & cantered like camels over snake-holes & rat-holes where a bakhti[2] would have sunk down to the neck. 95.14.

گاؤ = فرسنگ - یعنے دریا کی تری کی طرف فرسنگ بفرسنگ اونٹ کی چال
چلتے - اونٹوں کی مہاریں ڈھیلی دیے ہوئے راہ طے کرتے اور اونچی نیچی زمین
پر جسکے گڑھوں میں اونٹ بھی گریاں نظر آتے چیتے کی طرح کودتے پھاندتے
جاتے - چوہوں کے پیچدار سوراخ جن میں اونٹوں کا پانو بازو کی مچھلی تک
دھس جاتا پوٹیہ عبور کر جاتے - تیسرے فقرہ میں پروفیسر نے گریہ (نالہ وزاری)
پڑھا ہے - گریہ (بلّی) زیادہ موزون ہے -

ص ۱۵۵/۲ وتیغہای کوہ سمّ اسپان را مانند شید (شیل) شتران می شگافت

نیزہہای [چوب] ہودجہای سخت را می درید وجوال دوزہای خار میدوخت، لشکر فرمان بردار در تحمل مشقت مہم بادشاہ ہر روز اگر بارکوہ گران بر ایشان می نہادند بی ہیچ ناقہ وحملے برمیداشتند

The pointed stones tore the horses hoofs with the deceptivity of a camel; the litters were torn by the rapidity of the march & then sewn up again by the thorns. yet the obedient army patiently bore all the labours of the campaign. If a heavy mountain had been laid on its back every day, it would have carried the mountain without hesitation or protest. 95 par. II, l. 9.

پہلا فقرہ = پہاڑ کی چوٹیاں گھوڑوں کے سموں کو اونٹوں کے پانو کے شگاف کی طرح پھاڑ دیتی تھیں۔ تیغ کوہ (پہاڑ کی چوٹی) کے معنے ابھی تک پروفیسر صاحب کی سمجھ میں نہیں آئے۔

فقرہ دوم:- لکڑیوں کے تیز عاریوں کو پھاڑتے اور کانٹوں کے سوے انہیں سیتے 'تیز ہہای' کی جگہ 'تیر ہای' زیادہ مناسب ہے۔ اگرچہ فقرے کی گنجلک پھر بھی باقی رہتی ہے'

ص ۱۵۵/۱۵ کوہی پدید آرگشت سر بابر سودہ و ضلع از رستنیہا ازین کوہی کمر بستہ و تیغ برداشتہ وخیبریان را در پناہ گرفتہ'

A mountain was seen that rubbed its head

against the clouds; on the hills in front of it, there grew thorny trees, which spear in hand, protected the garrisons that had taken re-fuge among them. 95. par III, l 2.

واصلع از رستنیہا - یعنے گنجا پہاڑ تھا - روئیدگی نہیں تھی - ازین کوہی کمربستہ
ومن کوہ سے اپنے کمر باندھے ہوئے - تیغ برداشتہ - تیغ اٹھائے ہوئے یعنے
اپنی چوٹی بلند کئے ہوئے -

ص ۱۵۷/۲ ولایتی مادۂ فساد ہیچ وقت فحول اسلام را بہ خواب ندیده

The rebels of that territory had never seen Muslim horsemen even in their dreams. 96. par. II, l. 8.

'یعنے' وہ علاقہ فساد کے مادہ سے بھرا ہوا تھا اور کسی وقت بھی اسنے اسلام
کے نروں (بہادروں) کو خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا - مادہ کی رعایت سے فحول
لایا گیا ہے -

ص ۱۵۸/۲ درو غین شہر بیرورای بیر نظم ـ
آن بیر بلا ہر دو چون کرد فلک پیدا   بازاہ شیاطین قد یعمر بیران
یہ عبارت ترجمہ سے رہ گئی ہے -

ص ۱۵۸/۵ چون بیر را گفتند کہ" واقعہ خواہد افتاد" سرش بازشد وہان باز
کردہ بماند - خواست کہ چون چاہ در زمین فرود رود اما باز در خود فرو رفت کہ نباید
رسن در گلویش کنند و آبش بہ برند

An event is going to happen, they told Bir,

your head will be taken off and you will be left with your mouth open. Bir wished to sink into the earth like a well, but on further reflection, he felt afraid that they (the mussalmans) might throw a rope down his throat and take out all his water. 97.3.

واقعہ خواہد افتاد یعنے بڑا حادثہ پیش آنیوالا ہے۔ سرش باز شد۔ مطلب یہ ہے کہ اسکی آنکھیں کھلیں۔ دہان باز کردہ ماند یعنے حیران و سراسیمہ رہ گیا۔
و آبش بہ برند = اور اسکی بے عزتی کریں۔

ص ۱۵۸/۱۰ اکنون مرا کہ بیرم از انبوہی لشکر ترک بی آبی تمام پیش آمدہ است

But now I, who am Bir (well), suffer from a great scarcity of water owing to the enormous Turkish army. 97.11.

بے آبی تمام پیش آمدہ است یعنے بڑی بے آبروئی کا موقعہ پیش آیا ہے

ص ۱۵۸/۱۲ ای بیر بدین سوی نیائی کہ مارا درچاہ افگنی بلک از دست تو خود را درچاہ افگنیم۔ ما حوض خشک نہ ایم کہ کاو کاو بیر در ما افتد

O Bir, do not come to this side, for in this fall of kingdoms, I will be only overthrowing myself along with you. I am not a dry pond, in which you can dig a well (bir) 97.14.

اے بیر اس طرف نہ آنا تو ہمیں کنویں میں گرا دیگا بلکہ تیری بنا پر ہمیں کنویں

میں گرنا پڑیگا۔ ہم کوئی خشک حوض تو ہیں نہیں کہ بیرکی کد و کاوش کا ہم پر اثر ہو

ص ۱۵۹/۱ چندین گاہ عبرہ ما برکف مشتی خس و خاشاک گذرداشت الغون کہ من آبی را گرد لشکر بادشاہ خاک گردانید بعد ازین من دریا نیم گوئی کہ در خرائب حضرت یکی از عملۂ خاشاکم

Very often people have sailed over me upon a handful of wood and straw; but now I will change my water into dust at the feet of Imperial troops. You may consider me one of the meanest of Imperial servants. 97. 23.

من آبی را گرد لشکر بادشاہ خاک گردانید ۔ یعنے مجھ گنہگار کو لشکر شاہی کی گرد نے خاک کر دیا ہے ۔ خرائب ، خرابہ (ویرانہ) کی جمع ہے

ص ۱۵۹/۱۲ ازانجا کہ آن ہمہ آبیان را بی آبی صعب پیش آمد

As these aquatic animals were beset with a great scarcity of water. 98.5.

آبی = گنہگار و سرکش ۔ بی آبی = بے آبروئی

ص ۱۵۹/۱۷ [براہمۂ] کبار چون رای رایان را از برگ طاقت تہی دست دیدند

When the great Brahmans saw that the Rai Rayan was weaker than a leaf 98.8.

از برگ طاقت تہی دست دیدند یعنے سروسامان طاقت سے خالی پایا ۔ نہ یہ کہ وہ ایک پتے سے بھی زیادہ کمزور تھا

ص ۱۶۲/۱۶ وبسبب آشنائی دریا جانب ایشان جہتی سخت گرفت و ازین طرف نیز مددی عارضی می نمود ومیخواست که درمیان [غباری] بنشاند

Owing to its friendliness with the Sea, strove hard for the Ma'baris. To the Mussal-mans also it gave some formal help. In fact it was very deceptive. 99. par III, l. 2.

ومیخواست که درمیان غباری بنشاند - غبار (گرد - کدورت) کو عیاّر پڑھ کر اسکا ترجمہ دھوکہ باز کیا ہے - حالانکہ حضرت مصنّف کا مطلب ہے - کہ فریقین میں دشمنی مٹا کر صلح کرا دی جائے

ص ۱۶۳/۲ ہم ازین طرف چشمۂ شریعت را آب میداد و ہم بدان جانب آبیان را مدد میکرد

On the one hand it gave water to the stream of Shari'at, and on the other, it assisted those aquatic animals. 99. par III, l. 5.

'آبیان' = نافرمان و عاصی نہ 'آبی جانور' جیسا کہ پروفیسر صاحب نے ترجمہ کیا ہے

ص ۱۶۳/۱۴ وگاه بیلکها را از ہندسوی [زنگ] ره می نمود و گاه بلطف میان تیرو[پر] درمی تزید و ہردو را ازیک دیگر جدائی می افگند و گاه در گوشهای کمان چینری [فرو می ریخت] و از زہش میگسیخت - تخم خود در پیٔ کمانها چنان درشسته بود که میخواست که بند بند ہر یک جدا کند

And made the Hindi sword rusty: it got

in between the arrow and its (iron) point & separated them from one another; it also whispered something in the 'ears' of the bows & untwisted their strings. 100. 6.

بیلک = تیز نہ تلوار جیسا کہ پروفیسر صاحب نے ترجمہ کیا ہے - ہند = سیاہی
زنگ = زنگار و زنگ یعنے سیاہ سنانیں کثرت بارش سے زنگ آلود ہو گئیں -
گوشہا - جمع ہے گوشہ (کونا) کی - یہاں اسکے معنے 'کان' درست نہیں -
'گوشۂ کمان' عام روزمرہ ہے - خط کشیدہ عبارت ترجمہ میں شامل نہیں -

ص ۱۶۴ راوتان ہندو کہ سوارگان آبی بودند گنبدکنان در می رسیدند و
زیر پای مرکبان ترک پست می شدند - سیل خون و سیل آب راہ سیلان گرفتہ
می دوید تا پیش سپاہ خلیفۂ عہد قدم آدم را شفیع سازد

The Hindu rawats came forth riding in troops but were laid low before the Turkish horse. A deluge of water and blood flowed forward to plead for mercy before the Caliph's army. 100. 14.

کہ سوارگان آبی بودند - ترجمہ سے چھوٹ گیا ہے - سوارۂ آبی یعنی سوار
سرکش - گنبدکردن = نوعی از جست حیوانات کہ بہر چہار پا جہند مانند جست
آہو یعنے چوکڑی بھرتے - سیلان = سراندیپ مشہور جزیرہ جسے لنکا بھی کہتے
ہیں - خسرو سہ چو موکبش بزمین گوالیر آمد
ز موج لشکر او سیل تا بسیلان شد .

قدم آدم اسی جزیرہ میں ہے - یعنے ہندو راوت جو سرکش سوار تھے
جوق جوق آگے بڑھتے - اور ترکی گھوڑوں کے قدموں میں پست ہوتے -
خون اور پانی کے سیلاب نے سراندیپ کا راستہ اختیار کیا تاکہ خلیفۂ
زمان کی فوج کے پاس قدم آدم کو شفیع بنائے -

ملاحظہ ۱۶۴ صد و بیست پیل ابر وش درسلسلۂ قید آمد و پیل بالا خزائن

One hundred and twenty cloud-like elephants were captured at the place & on the backs of the elephants were treasure.

101. 12.

پیل بالا = بقدر قد پیل یعنے ڈھیروں اور انباروں

ملاحظہ ۱۶۵ چنانکہ پیلکان آن سواد از آلایش خون آن اصحاب فیل طیراً
ابابیل شدہ بودند و نوای شکر رب الکعبہ [بہ] پیلان ابر می رسانیدند

It seemed that smeared with the blood of those possessors of the elephants, the elephants of that land became like birds in flocks and carried to the elephentine clouds the words of thankfulness to the Lord of Ka'ba. 101. 21.

پیلکان کی جگہ بیلکان تیروں کے معنوں میں ہے۔ پروفیسر صاحب نے ہاتھی
ترجمہ کیا ہے -

(باقی دارد)

محمود شیرانی

قیافۃ الاثر

(The Tracker's Art.)

کسی شخص کے بُشرہ، خط و خال اور جسمانی وضع و قطع کو دیکھ کر اُس کا قبیلہ اور نسب دریافت کرنے کو قیافہ کہتے ہیں اور جو شخص اس فن میں ماہر ہو اُس کو قائف یعنی قیافہ شناس۔ زمانہ قدیم میں قبیلہ مذحج کے لوگ بالخصوص اس فن میں خوب مشّاق گنے جاتے تھے۔

کسی انسان یا حیوان کے نقشِ قدم (= اثر) کو پہچاننے اور اس سے نتائج اخذ کرنے کو قیافۃ الاثر کہتے ہیں۔ اس مختصر مضمون میں اسی دوسری قسم کے قیافہ سے اختصار کے ساتھ بحث ہے۔

ملک عرب کے اکثر علاقے کم و بیش ریتلے ہیں۔ جب کوئی انسان یا حیوان ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت کرتا ہے تو خواہ مخواہ ریت پر اپنے نشان چھوڑ جاتا ہے۔ بدوی لوگ چونکہ بالعموم جوتی نہیں پہنتے۔ اس لئے چلتے وقت ان کے قدموں کے نشان ریت پر ثبت ہو جاتے ہیں۔ اور ایک دوسرے سے مختلف نظر آتے ہیں۔ جس قدر ریت باریک یا گہری ہوتی ہے اسی قدر نشانات بھی گہرے اور دیرپا ثابت ہوتے ہیں۔ مدت دراز کے مشاہدہ اور مشق سے عربوں کو اس قسم کے نشانات سے طرح طرح کے نتائج نکالنے میں ایسی دستگاہ حاصل ہو گئی ہے کہ اجنبی شخص کو ان کی مہارت اور مشاقی پر بڑا تعجب ہوتا ہے۔ صفحۂ ریگ گویا ایک کھلا صحیفہ ہے۔ جس کو ہر بدوی

بلکہ غیر بدوی بھی، اپنی سمجھ کے مطابق پڑھ سکتا ہے۔
ریتلے علاقے کے لوگوں کو کثرت مشاہدہ سے اس فن میں خوب مہارت حاصل ہو گئی ہے۔ اس کے برعکس پتھریلے علاقوں میں جہاں مشاہدہ کے مواقع کم ہیں . . . . لوگ

اس فن میں اتنے ماہر نہیں۔ اگرچہ تمام اہل بادیہ قیافۃ الاثر میں درک رکھتے ہیں تاہم اس بارے میں بعض قبیلوں کو بعض پر فوقیت حاصل ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ زمانۂ قدیم میں قبیلہ مذحج کے لوگ اس فن میں خوب مشّاق گنے جاتے تھے۔ آجکل وسط عرب میں اہل مُرّہ اور شمال میں قبیلہ شمر کی ایک شاخ سنجارہ کو اس باب میں خاص شہرت حاصل ہے۔

اب ہم ذیل میں چند ایک واقعات اور تمثیلات لکھتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہو گا کہ مختلف نشانات سے کس طرح اور کیا کچھ نتائج نکالے جاتے ہیں۔

مُوسِل صاحب (Musil) جو آجکل پراگ یونیورسٹی کے شعبۂ مشرقیات کے صدر ہیں اور جنہوں نے کئی سال شمالی عرب کے طاقتور اور اہم قبیلہ رُوَلہ کے ساتھ بسر کئے ہیں۔ اپنی کتاب "شمالی نجد" میں لکھتے ہیں کہ ایک دن نازل نامی بدوی نے ریت پر چند ایک آدمیوں کے نشانات دیکھ کر ہمیں بتایا کہ وہ کس طرح اہل بادیہ اور اہل جبال میں شناخت کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ صحراء نفود کے ساکنوں کے پاؤں چوڑے ہوتے ہیں۔ اور اُن کی ایڑیاں ریت سے گھس کر صاف

ہو جاتی ہیں ۔ اس کے برعکس پہاڑی علاقے کے لوگوں کے پاؤں تنگ ہوتے ہیں اور اُن کی ایڑیوں پر پتھروں کی خراش کے نشانات پائے جاتے ہیں ۔ اہل بادیہ اور اہل جبال ہمیشہ سے ایک دوسرے سے برسر پیکار چلے آتے ہیں ۔ اگر موخر الذکر قسم کے بہت سے نشانات دیکھنے میں آئیں تو سمجھ لو کہ اہل جبال تاخت و تاراج کے لئے نکلے ہیں ؛

فلبی صاحب (Philby .) اپنی کتاب " قلب العرب " میں لکھتے ہیں کہ سواری کی تیز رفتار سانڈنیوں اور لدو اونٹوں کے نشانات میں فرق کرنا مشکل نہیں ۔ سواری کے جانوروں کے نشانات قدم چھوٹے اور خفیف ہوتے ہیں ۔ اس کے مقابلہ میں باربردار اونٹوں کے نشانات بڑے اور گہرے ہوتے ہیں ؛

قیافۃ الاثر کوئی وہبی ملکہ نہیں بلکہ اس کی بنیاد تمامتر مشاہدہ اور فہم و قیاس پر ہے ۔ جیسا کہ ڈاؤٹی صاحب کے ایک بیان کردہ واقعہ سے ظاہر ہے ۔ وہ اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ سفر کے دوران میں مَیں نے اونٹوں کے نشانات دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ آیا وہ کسی دشمن کے نشانات ہیں یا چرنے والے اونٹوں کے ۔ میرے رفیق اس معاملہ پر کچھ روشنی نہ ڈال سکے ۔ مگر مَیں نے اونٹوں کے بچّوں کے نشانات دیکھ کر نتیجہ نکالا کہ وہ ضرور مواشی کا کوئی گلّہ ہے جو ایک چراگاہ سے دوسری چراگاہ کو گیا ہے ۔ اگر دشمن غزوہ پر نکلا ہوتا تو ان کے ساتھ چھوٹے بچّے نہ ہوتے ۔ میرے رفیق شک میں تھے کہ کہیں کسی غزوہ کے نشانات نہ ہوں ۔ اور وہ اسی خیال میں تھے کہ ہم نے معاً سامنے کچھ فاصلہ پر ایک سرسبز چراگاہ میں اونٹوں کو چرتے

دیکھا +

مسٹر ٹومس (Bertram Thomas.) جنہوں نے ۱۹۳۱ء کے موسم بہار میں ربع خالی کو جنوب سے شمال کی طرف سفر کرکے طے کیا تھا، اپنے حالات سفر میں لکھتے ہیں کہ "ایک دن میرے رفیقوں نے سامنے زمین پر چند نشانات دیکھ کر مجھ سے کہا کہ دیکھو صاحب! یہ فلاں شخص کے قدموں کے نشان ہیں۔ یہ اُس کی اونٹنی کے قدم ہیں جس کی مُہار کو پکڑے وُہ آگے آگے چل رہا تھا۔ اُس کی اونٹنی اب حاملہ ہوچکی تھی۔ دیکھو اس کے قدموں کے نشان کتنے گہرے ہیں چنانچہ ریت میں اِن ہی نشانات پر چلکر ہم اُن اشخاص کو جا ملے جن کی تلاش میں ہم تھے۔ مجھے اپنے ساتھیوں کی قیافہ شناسی پر بڑا تعجب ہوا۔ کہ انہوں نے کس صحت اور درستی کے ساتھ اپنے پیش رو لوگوں کا پتہ لگا لیا تھا۔ اور جن نشانات پر ہم چل رہے تھے وُہ اُن کے لئے کس قدر معنیٰ خیز تھے۔ صحراء میں ہر بدوی ریت کے نشانات کو آسانی سے پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ تمام لوگ ننگے پاؤں چلتے پھرتے ہیں۔ میرے رفیقوں میں ہر بدوی میرے کاروان کے ہر فرد بشر اور ہر اونٹ کے قدموں کو پہچان سکتا تھا اور نہ صرف اپنے قبیلہ کے غائب افراد بلکہ بعض دشمنوں کے نشانات کو بھی شناخت کرسکنے کا مدّعی تھا۔ جب کوئی پرندہ زمین پر بیٹھتا ہے یا کوئی جنگلی جانور یا حشرات الارض میں سے کوئی کیڑا مکوڑا چلتا ہے تو وہ ریت پر لامحالہ اپنی نقل و حرکت کے نشانات چھوڑ جاتا ہے اور وہ نشانات اس وقت تک باقی رہتے ہیں جب تک کہ ہَوا چلکر باریک ریت سے اُن کو محو نہیں کردیتی۔ اسی

قسم کے غماز نقوش کی مدد سے ہم نے بہت سے صحرائی لومڑ، سانپ، خرگوش اور انواع و اقسام کے گرگٹ پکڑے۔ انہوں نے چھپ کر جان بچانی چاہی تھی۔ مگر انکی یہ کوشش بالکل بے سُود ثابت ہوئی"۔

حموی نے اپنی کتاب "ثمرات الاوراق" میں ایک حکایت نقل کی ہے۔ جس سے قیافۃ الاثر اور اس کے اصول کی مزید وضاحت ہوتی ہے :۔

"نزار کے چار لڑکے تھے مضر، ربیعہ، ایاد اور انمار۔ وہ نجران کے ملک کی طرف چلے۔ راستہ میں مضر نے چرا ہوا گھاس دیکھ کر کہا کہ جس اونٹ نے یہ گھاس چرا ہے وُہ کانا ہے، ربیعہ نے کہا کہ وہ کج بدن (اَزْوَر) ہے۔ ایاد بولا کہ وُہ دم بریدہ بھی ہے۔ انمار نے کہا کہ وُہ مفرور ہے۔

ابھی وہ تھوڑی دُور چلے تھے کہ انکو ایک شخص ملا جسنے اُن سے اپنے گمشدہ اونٹ کے متعلق پوچھا۔ مضر نے جواب میں پُوچھا۔ کہ کیا وہ کانا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ ہاں وہ کانا ہے۔ پھر ربیعہ نے سوال کیا کہ کیا اس کے بدن میں کجی ہے۔ تو اسنے جواب دیا کہ ہاں پھر ایاد نے پوچھا کہ کیا وُہ دم بریدہ ہے تو اسنے کہا کہ ہاں۔ پھر انمار نے دریافت کیا کہ کیا وہ تمہارے ہاں سے بھاگ نکلا ہے تو اس نے کہا کہ ہاں۔ بخدا میرے اونٹ کی یہی نشانیاں ہیں۔ مجھے اس کا پتہ بتاؤ کہ کہاں ہے؟

مگر انہوں نے حلف اٹھایا اور کہا کہ ہم نے اسے نہیں دیکھا وُہ شخص اُن کے ساتھ ہو لیا اور کہا کہ مَیں تم کو کیسے سچّا سمجھوں۔ جو

نشانیاں تم نے بیان کی ہیں وہ بعینہا میرے اونٹ کی ہیں۔ آخرکار جب وُہ نجران پہنچے اور الافعی الجرہمی کے پاس اُترے تو اُونٹ والا بولا کہ ان لوگوں نے پہلے تو میرے اونٹ کی نشانیاں مجھ سے بیان کیں۔ مگر اس کے بعد صاف انکار کر گئے۔ جرہمی نے اُن سے پوچھا کہ تم نے بغیر دیکھے اُونٹ کی صفات اور نشانیاں کیسے بیان کیں؟

مضر نے جواب دیا کہ مَیں نے دیکھا کہ اونٹ نے چراگاہ کی ایک جانب کو چرا تھا اور دوسری جانب کو چھوڑ دیا تھا۔ اس سے میں نے معلوم کیا کہ وُہ ضرور کانا ہوگا؀

ربیعہ نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ اس کے ایک پاؤں کا نشان تو بالکل صحیح و سالم تھا۔ مگر دوسرے پاؤں کا نشان خراب تھا۔ اس سے میں نے نتیجہ نکالا کہ کج بدن ہونے کی وجہ سے اس نے ایک پاؤں پر اتنا زور دیا ہے کہ اس کا نشان خراب ہوگیا ہے؀

ایاد نے کہا کہ مَیں نے اسکا فضلہ دیکھا کہ ایک جگہ اکٹھا پڑا ہے۔ اس سے مَیں اس نتیجہ پہ پہنچا کہ وہ ضرور دم بُریدہ ہوگا۔ کیونکہ اگر اسکی دم ہوتی تو فضلہ اِدھر اُدھر بکھرا ہوتا؀

انمار نے کہا کہ مَیں نے اس کا فراری ہونا اس بات سے معلوم کیا کہ پہلے وہ گھنی گھاس میں چرتا تھا۔ اسکے بعد وہ ایسی جگہ جا نکلا جہاں گھاس کم تھی اور خراب تھی (اگر اسکا مالک اسکے ساتھ ہوتا تو وہ اُسے صرف عمدہ گھاس میں چراتا)؀

الافعی نے یہ سب باتیں سنکر اونٹ والے سے کہا کہ جاؤ۔ ان لوگوں کے پاس تمہارا اونٹ نہیں ہے"؀

(عنایت اللہ)

مثنوی مفتاح الفتوح

از

حضرت امیر خسرو دہلوی

مثنوی مفتاح الفتوح خسرو کی دوسری مثنویات کی طرح جو نظامیؒ کے تتبع میں لکھی گئیں ایک مستقل تصنیف نہیں ہے۔ یہ دیوان غرۃ الکمال کی ضیا پاش اور دلفریب ناصحانہ اور مادحانہ نظموں اور قصیدوں کا تاریخی ضمیمہ ہے اور چونکہ تاحال غرۃ الکمال نے طباعت کا جامہ اختیار نہیں کیا ہے۔ یہ بھی اپنے اصل کے پہلو بہ پہلو خطی نسخوں میں مستور رہی ہے'

خسرو کے دل و دماغ کا بہترین حصّہ اور اس کے جوہر خداداد کی اعلیٰ ترین پیداوار غرۃ الکمال میں محفوظ ہے' عدل و انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ اسے تماماً اور یکجا شائع کرایا جائے تاکہ 'طوطیٔ ہند' کے ارادتمند اسکے شیریں ترین نغموں سے پوری پوری طرح محظوظ و مسرور ہوسکیں۔ مگر یہ بات وقت طلب ہے اور فرصت کاروبار شوق کیسے۔ دوسرے یہ کام جیسا کہ اصحاب ظاہر بیں تصور کرتے ہیں چنداں آسان نہیں۔ اسکی مشکلات صرف وہی جانتے ہیں جو اس ہفتخواں میں اتر چکے ہیں۔

اس سوال کا جواب کہ ہماری نظر انتخاب سب سے اول مثنوی مفتاح الفتوح پر کیوں پڑی اور دیوان کا کوئی دوسرا حصّہ کیوں اختیار نہیں کیا یہ ہے کہ مفتاح الفتوح ایک خاص تاریخی اہمیت اور دلچسپی کی حامل ہے جو دیوان

کی دوسری نظموں میں مقابلۃً بہت کم دکھائی دیتی ہے جلال الدین فیروز شاہ[۵]
کے متعلق اس میں تاریخی مواد کافی مقدار میں موجود ہے - یہ اس کی بعض
لشکر کشیوں اور فتوحات پر خوب خوب روشنی ڈالتی ہے -

مثنوی کا متن مندرجہ ذیل نسخوں پر مبنی ہے :-

۱ - (ا) دیوان غرۃ الکمال مملوکۂ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور $\frac{VI}{405}$ Pi -

یہ نسخہ اگر قدیم ترین نہیں تو کم از کم قدیم ترین نسخوں میں سے ضرور ہے - کاتب
اور تاریخ کتابت نہیں رکھتا - لیکن اس کی بعض خطی اور لسانی خصوصیات
سے ظاہر ہے کہ یہ آٹھویں صدی ہجری میں لکھا گیا ہوگا -

قدامت کے علاوہ اس نسخہ کے متعلق یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس
کے سرورق پر مولانا گدائیؒ بن جمالی کنبوہ کی ایک مہر بدیں الفاظ ثبت ہے

المفتقر الی الملک المتعالی + الحقیر گدآئی بن جمالی

اس مہر سے ظاہر ہے کہ یہ نسخہ دسویں صدی ہجری میں گدآئی کی ملکیت
میں تھا اور چونکہ گدآئی بذات خود بلند پایہ شاعر اور طبعاً لنب نواز واقع ہوا
تھا - اس لئے لازماً یہ نسخہ اس کے زیر مطالعہ رہا ہوگا -

نیز اس میں متعدد جگہوں پر شکست ریخت و تحریف و تصریف بھی کی
گئی ہے - لیکن وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ردّ و بدل گدائی ہی کے
قلم کا نتیجہ ہے - واللہ اعلم بالصواب

۲ - (ب) کلیات خسرو مملوکۂ انڈیا آفس لائبریری نمبر E.1190
تاریخ کتابت ندارد

---

[۵] گدائی کے حالات کے لئے دیکھو یہی رسالہ بابت اگست ۱۹۳۲ء

۳ - (ج) دیوان غرۃ الکمال مملوکۂ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور نمبر $\frac{VI}{54}$ Ri

کاتب : شیخ کبیر، تاریخ کتابت : ۲۹ ذوالحجہ ۹۸۲ھ

۴ - (د) کلیات خسرو مملوکۂ انڈیا آفس لائبریری نمبر E.1186

تاریخ کتابت : ۸۶۶-۶۷ھ

مثنوی کی تاریخی اور ادبی قدر و قیمت متن کے شائع ہو جانے کے بعد ایک علیحدہ مضمون کی صورت میں پیش کی جائے گی جو مثنوی کے لئے بمنزلہ مقدمہ ہوگا -

بسم الله الرحمن الرحیم

بین مثنوی وخاصه چنین فتح نامه
کزخواندنش تهمتن شهنامه گشت زال

گفتار در ثنای خداوند داد گر
کو باز می کند در فیروزی وظفر

سخن بر نام شاهی کردم آغاز — که بر شاهان در دولت کند باز
خداوندیکه صورت بند هستی است — فرو بالاکن بالا و پستی است
بمعبودی پرستش را سزاوار — بوحدانیتش هستی باقرار
قلم رانده بصنع حکمت آموز — سواد شام را بر نامهٔ روز
مدور کرده نو پرکار افلاک — پدید آورده در وی نقطهٔ خاک
بسیر چرخ و اجرام کواکب — ز حکمش بر هوا گشتند راکب
چنان پرداخت گیتی را بتدبیر — که کس آگه نبود الا که تقدیر
چنان بربست صورت ازکمالش — که صورت بست نتواند خیالش

---

۱ ب = به

خرد را داد در تدبیر دانی | کلید گنجهای آسمانی
سخن را گوهر از تیغ زبان داد | ازین به گوهری خود چون توان داد
ز بخشش کردنش مردم عزیز است | که بخشنده است و بخشاینده نیز است
ضعیفان را برحمت پروریده | قلم بر حرف جباران کشیده
اگر بخشش کند لطفش عیانست | وگر خشم آورد حکمش روانست
مراد او گر امیدست وگر بیم | کرا زهره که تن ندهد به تسلیم
یکی را آنچنان بخشد[۱] بلندی | که آرد بر بلندان ارجمندی
کند مر دیگری را آنچنان پست | که هرگز نایدش بر آرزو دست[۲]
نه زو[۳] پرسد چو بر اوجش برد تخت | نه زین ترسد[۴] چو در خاکش کشد رخت
کند چیزی که خواهد از کم و بیش | نه از حکم کسی از حکمت خویش
خداوندا ز خسرو نامد آن کار | که درگاه ترا باشد سزاوار
تویی چون جرم[۵] آمرز و خطابخش | خطایش را بعون مصطفی بخش

گفتار در شمائل پیغمبری که یافت
زیر لوائش آدم و من دونه مقر

محمد کآفرینش را پناه است | بحجت بر سریر شرع شاه است
ولایت دار تخت پادشاهی | عنایت نامهٔ سر الهی
ز کنیت گشته بو القاسم خطابش | هدایت زاده از ام الکتابش

---

۱ د: آرد   ۲ ا و ب = زین،
۳ ا و ب و ج: که چون درکش   ۴ ب و ج = کند،
۵ ا و ب و ج = محرم آمر (مجرم آمرز) باشد،

زهی امی که بهر امت از غیب قلم می راند بر منشور لاریب
درونش موج دریا را وفا داد که سنگش مروه را کوه صفا داد
چو از کوه صفا بر زد عقیقش بخدمت بنده شد بیت العتیقش
همان کعبه که او ناف زمین است ز چین گیسوی او نافه چین است
بشبها روشنائیها که سوزند چراغی از چراغی بر فروزند
چراغی کو بنور اول افروخت فلک چندین چراغ خویش ازان سوخت
براقش تنگ بسته زینت زین کشش[1] کرده بحد قاب قوسین
شده محرم درون هفت پرده سپهر از بهر او هر[2] هفت کرده
بقطع ماه انگشت آزموده فلک را حجت قطعی نموده
گل از رخسارهٔ او کرده خوی پاک وزان پس رسته بهر طیب از خاک
گلابی را که گل می زاید از پوست خوی پیغامبرست این نی خوی اوست
خضر زنده شد از آب حیاتش مسیحا دم نزد در معجزاتش
بزرگا! چون بحضرت دان افگنی نور مرا زان پرتو دولت مکن دور
دران منگر که خسرو گشت نامم تو آن بین کاستانت را غلامم
دلی دارم بجان وقف هوایت چو دل جان نیز خاکی در سرایت
دلم را خاص حضرت کن نهانی چو با جان او فتد کارم تو دانی

گفتار در محامد شاهنشه جهان
کز مدح اوست زینت دیباچهٔ هنر

---

[1] کشش : را، رفتن شتابان بروزی بر سبیل تواتر

[2] هر هفت : آرایش ۵۳ او ب دج: آنکه

زبان بگشای ای کلک سخن گوی — شگافی کن سخن را موی در موی

سخن دارم چو آب زندگی صاف — تو نیز باد روان بر روی زره باف

ق

ندارد ایستادی از روانی — مسلسل کن که ماند جاودانی

سخن را بوسه زن چون نقش بندی — که هستش از ثنای شه بلندی

سر افسروران سلطان آفاق — بپایه با سریر عرش هم ساق

جلال الدین افریدون جلالت — حمایت بخش اسلام از ضلالت

ز مهر و کین ولی ساز و عدو سوز — بفیروزی چو نام خویش فیروز

مسلم کرده از عون الهی — جهان بر خطبهٔ فیروز شاهی

فلک نامش به پیشانی نبشته است — به پیشانی ازان فیروز گشته است

مبارک نامش از توقیع شاهی — قلم رانده سپیدی تا سیاهی

بدان تا کاف و نون گردد زبونش — هم از طغرای خود کافیست نونش

وقارش سنگ بخش کوهسار است — که کوه قاف حرفی زان وقار است

گرفته حرف حرف آن فرخ اوصاف[1] — بقهر و قدرت خود قاف تا قاف[1]

درش را فتح کرده تخته تسلیم — نبشته سورهٔ فتحش بتعلیم

شهان چندان بران سجدگهٔ پاک — سواد چشم خود سودند بر خاک

کزان کحلی سواد چشم شاهان — سیه شد خاک چون کحل سپاهان

چو اسکندر جهانگیر و جهان جوی — بتیغ آئینه ایش روی در روی

چنان شمشیر او خاره نشین است[1] — که کوه قاف ازان دندانه سین است[1]

کمر بربسته[2] در عالم کشادن — که هم بستن تواند هم کشادن

---

۱ ر و ب = از ست د = گشته

۲ و بستست

جهان هم بسته هم بگشاده دادش   بنامیزد[1] زهی بند و کشادش
بعهدش کس بسر افسر نه بیند   وگر افسر ببیند سر نه بیند
کشاده دست چون ابر[2] آسمان میغ   نبسته مشت جز در قبضهٔ تیغ
بمانده از کفش دریا پر از جوش   وزان کف جوش[3] خود را کرده خس پوش
ز عدلش گرگ با بز خانه کرده   بدندان موی بز را شانه کرده
نه[4] خود این زهره باشد گرگ را بیش   که موئی بگسلد از شانهٔ میش
جهان از داد و دینش باد معمور   مبادا[5] داد و دین از دولتش دور

گفتار در فزونی اقبال شه که بخت
ببرید گردن همه اعداش سر بسر

چو دولت مرد را خواهد بلندی   پدید آید نشان ارجمندی
۱۲۹-ب سری کانرا بر آرد بخت بر میغ   نیفتد گر ببارد ز آسمان تیغ
گرش دشمن شود خلقی وگر دوست   زیانی نبودش چون بخت با اوست
کسی کز بهر او گردد بد اندیش   اگر خنجر کشد بر[7] تو سر خویش
گلی کآراست خواهد بوستانش   نگهدارد ز تاراج خزانش
سلیمان چون دهد دولت نگینش   ز دریا بر کشد انگشترینش
جهان داند که سلطان جهانگیر   ز رفعت بر چه سان گشت آسمان گیر
چگونه کرد ملک از فتنها پاک   چه سرهای سران افگند در خاک

---

۱ بنامیزد : بنام ایزد پاک : شد از نور نخستش چرخ بر پای بنامیزد زهی ماه فلک زای دوارانی خضرخان علیگڈھ اڈیشن ص ۹   ۲ د = از   ۳ د = جوشش خود کرده

۴ د : نه (ز) خودکی   ۵ ا و ب و ج = مبادا از دین و داد آن دولتش دور

۶ ب : ج بقدر سی و چهار بیت آتیه در موضع دیگر نوشته ، ۷ د : بر

همه عالم بکینش گشت هم‌پشت — که بر حرفش کسی را نامد انگشت
اگر[1] بهرام گور از دست تاراج — برون برد از دو شیر کینه‌کش تاج
دو صد بهرام را چون شه پی افشرد — اسیر گور کرد و تاج شان برد
بسا دشمن که پیش آمد بشمشیر — که موی کم نشد ز اندام آن شیر
چو دولتمند را ز اقبال کم نیست — گرش دشمن شود آفاق غم نیست
یکی را کاسمان صاحب قران کرد — ستیزه چون توان با آسمان کرد
بکوشش گر شدی[2] هر کس جهانگیر — نبودی هیچکس محتاج تقدیر
ولی چون کار بر حکم خدایی است — نه هر مردم سزای پادشاهی است
سزاوارست[3] هر کس بهر هر کار — نیاید کار تا نبود سزاوار
کسی را کو دهد چون و چرا نیست — غلط بر حکمت بیچون روا نیست
زهی فیروز سلطانی که در حال — بر آید چار فتحش در یکی سال
بفتح اول از تیغ ظفرناک — سر یک ایتمر[4] افگند در خاک
چنان فیروزیش بر کوه زد رنگ — که در فیروزکه فیروزه شد سنگ
بفتح دومین کرد از یکی ضرب — ز دوم ایتمر[5] نوک سنان حرب

---

[1] هفت پیکر نظامی: بچه شان پاره کرد و زندان خورد — سر و تاج از میان شیران برد

[2] د: بدی [3] هر کسی را بهر کاری ساختند، ذالک فضل الله یوتیه من یشاء

[4] ایتمر کچهن باربک درگاه شمسی بود [5] ایتمر سرخه، وکیلدر سرای شمسی بود، ایتمر کچهن باربک و ایتمر سرخه وکیلدر خواستند و اتفاق کردند که جلال الدین را از درمیان بردارند، جلال الدین از ارادت مشئومهٔ شان خبر یافته بهاڑ پور را لشکرگاه خود ساخت

ایتمر کچهن باسواری چند به بهاڑ پور رفت تا او را ازان جا بفریبد و بیارد و در سرای شاهی کار او باخر رساند، چون جلال الدین و رفقاء او ازین حال هوشیار شده بودند بمجرد آنکه ایتمر

بسیوم فتح در ہندوستان تاخت | جہان از ترکیِ[۱] دشمن بپرداخت
بچارم فتح بر رای دگر راند | غبار باد پا بر جہآین افشاند
چہ باشد چار فتح اردولت این است | ہزاران[۲] دیگرش درآستین است
حیاتش باد در فرمان روایی | بفیروزی و فرّ بادشاہی
بدست بندگانش گشتہ تسلیم | کلید دار ملک ہفت اقلیم

گفتار در جلوس شہنشہ[۳] بتخت ملک

کز پای او سر پر[۴] شہی گشت پایہ ور

سہ شنبہ کآفتاب از مہد شب جست | بتخت آسمان فیروز بنشست
جماد دومین را سیومین روز | سیوم ساعت ز روز عالم افروز
بگاہ چاشت با فیروزی فال | ز ہجرت ششصد و ہشتاد و نہ سال ۶۸۹
ز جوزا چشمۂ خورشید در[۵] اوج | ہمہ نور فلک زان چشمہ در موج
عطارد ہم بجوزا منزلت گیر | یکی برج و یکی چشمہ یکی تیر

(بقیہ حاشیہ ص۵۹) پیش در او رسید او را از اسپ فرود آوردند و ہلاک ساختند پسران سلطان جلال الدین شمس الدین پسر سلطان معز الدین را از تخت سلطنت ربودہ نزد پدر رسانیدند، ایتمر سرخہ برای خلاصیٔ بادشاہ و تادیب عاصیان دنبال شان گرفت اورا درمیان راہ تیر زدند و لغلطانیدند و اورا در بہارپور بردہ گرو گان داشتند، تاریخ فیروز شاہی ص۱۷۲، طبقات اکبری ج۱، صفحہ ۱۱۴ - ۱۱۵، تاریخ مبارک شاہی ج۱، ص۶۰ بعد، گلشن ابراہیمی ج۱ - ص۸۰، منتخب التواریخ ج۱، صفحہ ۱۶۴ - ۱۶۵،

(حاشیہ صفحہ ہذا) [۱] ا و ب: تیرگی [۲] د: ہزار [۳] ا و ب و ج: سہ شنبہ [۴] د: بر [۵] د: موج،

چنان برجی بتیر و چشمه معمور ‌‌ ‌ درو غلغل ز نان زهره طنبور
شرف را مشتری نو کرده پایه ‌ ‌ نهاده پا به تخت پنج پایه
بعقرب یافته مریخ تمکین ‌ ‌ چو ترکی درمیان عقرب[1] زین
نشسته در حمل کیوان فراهم ‌ ‌ چو کید[2] هند و ذوالقرنین باهم
ز ماه نو بخرمن یافته داس ‌ ‌ درو و آورده کشت خوشه را راس
۱۳۰۰-ب ذنب در حوت بهر صید خواهی ‌ ‌ ز دُمّ مار کرده دام ماهی
مه اندر برج شیر و طالع شیر ‌ ‌ بتخت شیر بر شد شه بشمشیر
ز طالع در چنین وقت مبارک ‌ ‌ نهاد اکلیل سلطانی بتارک
ز رای وی تیغ داد اقلیم را آب ‌ ‌ بظل عدل داد اسلام را خواب
مخالف گرچه میکرد از درون جوش ‌ ‌ سیاست بانگ بر میزد که خاموش
رعایت را نگهبان جهان کرد ‌ ‌ کرم را با سیاست کامران کرد
بعدل آرایشی نو بست دین را ‌ ‌ نوازش بیش کرد اهل زمین را
نظر بر زیر دستان آنچنان داشت ‌ ‌ که نتوان شکر آنرا بر زبان داشت

---

[1] عقرب زین : در کتب لغت نوشته که دوالیست که درمیان زین و دمچی اسپ واسطه باشد لاکن این سهو باشد چراکه در تصانیف امیر این ترکیب برای تمائی زین و دوال مذکوره می آید ؎ "هنوز عقرب زین بر پشت اسپان نیش می زد" - خزائن ص۸۲

[2] کَید : بفتح کاف ' نام یکی از پادشاهان کنوح که معرب آن قنوج بوده ' معاصر اسکندر رومی که دختر خود باسکندر رومی داد ' خسرو این لفظ را بمواضع متعدد کار برده ؎ کید هندو را چو بخت کینه ور بی کینه گشت ‌ تیغ اسکندر به پیش روی او آئینه گشت خزائن الفتوح ص۴۳
روابط سکندر و کید هند در شرف نامه هم آمده " دل کید هندو پر از نور یافت ؛ ز کید یکی بنده کرد و دریافت "

باطرافِ جہان فرمان فرستاد   اساس خطبه را نو کرد بنیاد
بخدمت سرکشانِ هفت اقلیم   بمالیدند رخ بر خاک تسلیم
کمر بستند و سر بر خط نهادند   بطاعت گاه فرمان ایستادند
صدای[1] خطبه را بردند بر ماه   زر افشاندند بر نام شهنشاه
همه کردند بهر بندگی جهد   مگر میر کره[2] پهچوی[2] بدعهد
غرور افگند بادی در دماغش   که گم شد روشنایی در چراغش
ز هندوستان سپاهی[3] چند بی دین   رضا دادند حکمش را بتمکین
ندانستند هیچ از بیم و امید   که ذره بر نتابد پیش خورشید
خبر شد شاه را زان فتنهٔ نو   که بر دزدان هندو زد روا رو
بتندی همچو شیر نر بر آشفت   دران تندی وزان آشفتگی گفت
که تخه خه در جهان باشد چنان مرد   که در میدان من خیزد ازو گرد
۱۳۱-ا چه نرمی دید از من آن نگون بخت   که دارد پیش پیکان دیدهٔ[4] سخت
درفش خنجر من گر ندیده است   ز دور آوازهٔ آخر شنیده است
که من در غزنین و کرمان و برجند   چه سان در باز کردم تا بدر بند
چنان راندم بخون خصم فرمان   که[5] کر ماند از ترنگ تیغ کرمان
که از فرق مغل در خون زدم کاس   بنیزه بر چپی بستم نگون[6] طاس
که افغانرا سنانم ضربتی داد   که آمد کوه ازان افغان بفریاد

---

[1] ا و ب و ج: صلای [2] رجوع کنید به: دیباچهٔ غرة الکمال نسخهٔ خطی انڈیا آفس لائبریری ق ۳۴ شعر العجم ج ۲، ص ۱۱۱ حیات و تصنیفات امیرخسرو از وحید مرزا ص [3] ایلیٹ: سپاهی، ج ۳ ص ۵۳۶ [4] دیدهٔ سخت: چشم بی شرم [5] د: که کرمان دار بر (هر) یک تیغ کرمان [6] مراد از طاس نگون، سرهای مقتولان است که بر نیزه ها برداشتند،

که از جا بنجوهه[1] خون ریزم چنان بود که کشتی شد روان اندر که جود
ز هندو خود نیاید در تصور که دوزخ را چگونه کرده ام پر
چه دانست است آن نادان بی[2] رای که دارد پیش دست آویز من پای
تو دوزخ دان سزای آن بهشتی که بر طوفان آتش راند کشتی
کسی کو پنجه بر[3] شیر آزماید اجل بر جان او انگشت خاید
بحضرت بود سر بر آستان پست که دانستی که چیزی در سرش هست
چو رو در پشت دادن داشت رایش سزا من که نمودم سزایش
کنون بنمایم از تیغ آن نبردش که زان سوی عدم بینند گردش
چو زینسان گرمئ[4] بازوی خود کرد بگرما گرم[5] شه را نامزد کرد
روان شد از کلنجان تند چون باد بگردش لشکری چون کوه پولاد
وزان پس گفت گنجور کرم را که از زر حشمتی بخشد حشم را
بواجب داده شد از گنج شاهی حشم را خواسته چندان که خواهی
اگر چه هشت ماهه بود واجب زر ده ماهه میداد از مواجب
۱۴۱-ب تن هر مرد کو بر داشت مالی ز بار بدره خم شد چون هلالی
سپه شد مستعد پیش سپهکش چو کوه آهن و دریای آتش
چو استعداد لشکر شد مهیا علم را سر بر آمد بر ثریا

---

[1] بنجوهه، بهیند - گلاسری آف ٹرائبز اینڈ کاسٹس، جلد ۲، ص ۳۵۲؛ جهلم گیزیٹیر، ص ۹۳
[2] د: بد [3] د: با [4] د: خوی
[5] گرد گرم بمعنی گردان و جنگ کردان -

سحرِ حلال

یہ مضمون آخر جنوری یا فروری ۱۹۳۶ء میں وصول ہوا تھا جبکہ رسالہ زیر طبع تھا اسلئے اب شائع کیا جاتا ہے

میں نے ایک مضمون بعنوان 'معمار تاج' سالنامہ کارواں ۱۹۳۴ء میں لکھا تھا۔ جس میں احمد معمار اور اس کی اولاد کے علمی اور فنی کارناموں کے متعلق تفصیلی ذکر کیا تھا۔ اس کے سوا ایک طویل مقالہ "لاہور کے ایک مہندس خاندان" کے عنوان سے ادارۂ معارف اسلامیہ کے جلسہ ۱۹۳۳ء کی روئداد میں ۱۹۳۵ء میں طبع ہو چکا ہے۔ اس مضمون میں بھی احمد معمار کی اولاد کے متعلق مفصل بحث کی گئی ہے۔ ان میں سے لطف اللہ مہندس خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ جس کے بہت سے علمی کارنامے ہمیں معلوم ہیں۔ ان سطور کا موضوع رسالہ 'سحرِ حلال' بھی لطف اللہ ہی کی تصنیف ہے یہ ایک مختصر بیس ورق کا رسالہ ہے۔ اس کی بڑی خصوصیت یہ ہے۔ کہ قابل مصنّف نے اسکو صنعت عاطلہ میں لکھ کر اپنی اعلےٰ قابلیت اور زباندانی کا ثبوت دیا ہے۔ مجھے سب سے اول اسکا ایک نسخہ جناب غوث محمد صاحب صیغہ دار دفتر دیوانی حیدرآباد دکن کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اور میں جناب موصوف کا ممنون ہوں کہ انھوں نے از راہ علم پروری میرے استفادہ کے لئے یہ رسالہ مجھے عنایت فرمایا۔ آخیر میں اس کا ایک اختصار مصنّف کے اپنے الفاظ میں درج کر دیا جاتا ہے'

اس رسالہ کو میں نے داخلی اور خارجی شہادت کی بنا پر فوراً لطف اللہ کی تصنیف تسلیم کر لیا۔ اگرچہ اس نے اپنا نام جسکے ایک جزو لطف میں

خامی معمہ کی بنا پر نقطہ موجود ہونے سے بالتصریح بیان نہیں کیا ہے۔ بلکہ اسکی نشان دہی کا اور طریقہ اختیار کیا ہے۔ جو ذیل کی تشریح سے واضح ہوگا ہمارے مصنّف نے اس رسالہ کو اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ وقت کے نام پر معنون کیا ہے۔ بادشاہ کا نام بھی نقاط کی وجہ سے معمے کے پیرایہ میں مع شرح کے یوں بیان کیا ہے :

اسم اکرم او حامل ،، کلمہ اول حامل ،، کلمہ اول سر عدل یعنے (ع) و دل واو (الف) ،، ل علم (ل) ، دسر مراد (م) = [عالم] دسر گل (گ) ، دل سرو (ر) ، و در سر گل دول سرو وہ در آمدہ (۱۰) یعنے ی = [گیر] اور یہ تمام نام " عالمگیر" ہوتا ہے ۔

میرا خیال تھا کہ اس رسالہ کا کوئی اور نسخہ شاید ہی ملے مگر حسن اتفاق سے مجھے قبلہ مولوی عبدالحق صاحب معتمد انجمن ترقی اردو اورنگ آباد نے فہرست مخطوطات بمبئی یونیورسٹی مطبوعہ حال برائے تبصرہ عنایت کی۔ خوش قسمتی سے اسکو کھولتے ہی ' سحر حلال کی صراحت (ص ۴۸-۴۷) دیکھنے کا اتفاق ہوا جسے فاضل مرتب جناب قبلہ پروفیسر شیخ عبدالقادر صاحب نے نورالدین احمد معمار یعنے لطف اللہ کے چھوٹے بھائی کی طرف منسوب کیا ہے۔ میں یہ بیان دیکھ کر متحیر ہوا۔ اس لئے لازم ہوا کہ بمبئی یونیورسٹی کا اصل نسخہ مطالعہ کروں چنانچہ میں نے اسکو بمبئی جاکر دیکھا۔ مجھ کو یقین ہوگیا کہ یہ کتاب واقعی لطف اللہ مہندس کی ہی تصنیف ہے۔ اور پروفیسر شیخ صاحب کو سہو ہوگیا۔ جس کی توضیح یوں ہے ۔

مصنّف نے اپنے متعلق " ... مملوک ہوادار ولد احمد معمار" اور " احمد معمار والد مملوک واوار سہ وارد " جس کے معنے یہ ہیں کہ مملوک (لطف اللہ)

احمد کا لڑکا تین بھائی رکھتا ہے۔ جن میں سے اول عطاء اللہ[1] جو آسانی سے بیان ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اس میں کوئی حرف معجم نہیں ہے۔ جسنے بہت سے رسالے تصنیف کئے ہیں۔ پھر اس کے بعد منجھلے لڑکے یعنے لطف اللہ مصنف کا ذکر ہے۔ جسکو سابق کی طرح پھر بلفظ 'مملوک' بیان کیا ہے اور اس کے ساتھ درگاہ کردگار الفاظ لگا کر یقین کرا دیا ہے کہ یہی مصنف ہے۔ کیونکہ عام طور پر مصنفین اپنے آپ کو اسی طرح کے نیازمندانہ الفاظ میں بیان کیا کرتے ہیں اور اپنا نام یوں لکھا ہے :-

اسم مملوک حامل را کلمہ دوم الله اور کلمہ اول لام و طا ر معادل و عدد عطا یعنے عطا کے عدد کے اسی (۸۰) ہوتے ہیں جو ف کے ہیں یعنے لطف اور پورا نام لطف الله ہُوا اور یہی مصنف کا نام ہے۔ کیونکہ اس نے اول سے آخیر تک اپنے لئے لفظ مملوک کی تخصیص رکھی ہے اور اپنے تیسرے

---

[1] عطاء اللہ کے متعلق عرض ہے کہ لطف اللہ نے جہاں اپنے دیوان میں نظم میں عطاء اللہ کا ذکر کیا ہے وہاں اس کا تخلص رشیدی ظاہر کیا ہے سہ

پس سہ پسر مانند زمرد سترک زان سہ عطاء اللہ رشیدی بزرگ

مگر مجھے عطاء اللہ کی تصنیف "بیج گنت" کے دو نسخے دیکھنے کا اتفاق ہوا ایک تو ہرنش سوز ہم میں اور ایک اپنے مکرم دوست ڈاکٹر حمید اللہ کی معرفت سعیدیہ کتبخانہ حیدر آباد میں دونوں میں بالاتفاق عطاء اللہ رشدی درج ہے نہ کہ "رشیدی" مؤخر الذکر نسخہ مورخہ ۱۰۴۵ھ بہت اہم معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کے حواشی ظاہر کرتے ہیں کہ تین بڑے ماہرین ریاضیات کے پاس رہا ہے۔ ایک ان میں سے مرزا خیر اللہ یعنے لطف اللہ کا بڑا لڑکا جو آسانی سے یہ غلطی صحیح کر سکتا تھا۔ اس بنا پر میں عطاء اللہ رشدی ہی صحیح سمجھتا ہوں۔ مزید براں

بھائی نوراللہ کے علم و فضل کو عطاءاللہ کے برابر ہی بیان کرتا ہے - ایسے الفاظ کوئی مصنف اپنے لئے استعمال نہیں کرسکتا. ور اسکا نام بھی دو کلموں پر مشتمل ہے - کلمہ دوم اللہ اور کلمہ اول ابتدائی حرف معاول عدو مطا یعنے (۵۰) جو (ن) کے برابر ہے اور" واو ورا " (و + ر) یعنے نوراللہ ہے - معلوم نہیں قبلہ شیخ صاحب کو یہ مغالطہ کس طرح پیش آیا - میں نے جب مخطوطہ بمبئی یونیورسٹی کے ورق اول کے باہر دیکھا تو اوپر کے کونے میں "سحر حلال تصنیف لطف اللہ" لکھا تھا - اگرچہ یہ ضرور ہے کہ لطف کے ابتدائی حروف یعنے لام و طوئے صاف نہیں پڑھے جاتے تھے - مگر وقت نظر سے اگر دیکھا جائے تو کسی کو شک کی گنجائش نہیں رہتی '

یہ رسالہ ماہ محرم سال" سحر حلال ورد اہل حال آمد و درس لوح کمال" یعنے ۱۰۷۲ھ میں تصنیف ہوا جو اورنگ زیب کی سلطنت کا چوتھا سال ہے اور رسالہ سحر حلال کا اختصار یہ ہے :-

سحر حلال

اللہ علا اسمہ'

دراول کلام کردگار آور دم مالک ملک واحد صمد سلام ملک او سرمد و دوام حکم او مدام

حمد مر کردگار عالم را که وہد راح و روح آدم را

(بقیہ حاشیہ ص۴۳) میں نے عطاءاللہ کے ضمن میں بمبئی یونیورسٹی کا مخطوطہ "خزینۃ الاعداد" نمبر ۱۰۱ مصنفہ عطاءاللہ دیکھا ہے یہ کسی اور عطاءاللہ کا ہے جیسا کہ فاضل مؤلف فہرست نے درج کیا ہے - مگر معارف فروری ۱۹۲۹ء سے معلوم ہوتا ہے کہ سید سلیمان صاحب ندوی کو شک پیدا ہوا کہ یہ عطاءاللہ ابن احمد کا ہے جو صحیح نہیں ہے ؛

در محل دعا

کردگارا راہ را گم کردہ ام در ہوا و حرص رو آوردہ ام

مدح رسول اللہ صلے اللہ وسلم

درود لامحدود و سلام لا معدود مر سرور عالم و سالار آل آدم را احمد محمود مودود،

سرورِ دہر احمد مرسل اہل دل را و داد او در دل

مدح آل رسول صلے اللہ وسلم ـــــــ مدح سالار داد گر

اسم اکرم او حال دو کلمہ او سر عدل و دل داد و دل علم و سر مرا دو کلمہ دوم سر کل و دل سرو و در سر کل و دل سرو دہ در آمدہ ملک علام و صمد سلام ہموارہ او را محور سماء کرم و کل او را محسود دو حہ ارم دارد ۔ مدح رسالہ و حال محرر اصلح اللہ حالہ مملوک ہوا وار ولد احمد معمار رسالہ کہ مداو او کحل مداح اہل حال و مسطر او سلم

درگاہ سالار کامگار دام اللہ ملکہ .... مصرع

دلم داما کلام گوہر آمد

سرو را مملوک ہوا دار ولد احمد معمار گوہر عمر را در کارگاہ و کل کاسد کردہ و ملکہ اِلا کم کردہ او را محال آمد ..... اطلاع کامل دارد رسالہ مملوک ہوا دار را اصلاح دہد احمد معمار والد مملوک وادار سر دار و اول عطاء اللہ سلمہ اللہ سالک مسالک علم و حال در حل مراحل صعود و کمال ۔ شعر

عالم و عامل و علامہ عصر کہ در علم و عمل آمدہ حصر

رسالہا در علم اعداد مسطور کردہ حال صحیح و کسور و ولد دوم اوسط ہر سہ

مملوک درگاه کردگار و اسم مملوک حال ز و کلمہ دوم اللہ علا اسمہ و کلمہ
اول لام و طا و معادل ز عدد عطا ولد سوم در مسالک علم و حال و
مراحل صعود و کمال مساہم عطاء اللہ آمد و اسم او ہم دو کلمہ دارد کلمہ
دوم اللہ علا اسمہ و کلمہ اول معادل عدد عطا و واو زا اصلح اللہ حالہم
و حصل اللہ آمالہم، معلوم اہل علم گردد کہ اسم رسالہ والا سحر حلال آمد،

شعر

سحر را اہل علم کردہ حرام سحر آمد حرام در اسلام
سالک مسلک صعود و کمال کردہ اسم رسالہ سحر حلال

معلوم اہل کمال گردد کہ سحر حلال را در ماہ محرم الحرام مسطور کردہ سال
رسم سحر حلال ملہم اہل حال و معلم اہل کمال را سوال کردم صدا در داد کہ سحر حلال
ورد اہل حال آمد و درس لوح کمال مدح عدل .... مدح سماح ..... لوم
امساک .... لوم حسد .... لوم طول امل .... لوم حرص و طمع .... لوم
کسل .... مدح کد .... مدح علم .... مدح دل .... مدح واداد و
حال اہل دل .... ہوس وصل دلدار .... حصول وصل دلدار .... لوم
ہوس دوام وصل .... مدح مل .... مدح سرود درود .... کلام اہل دل....

سرورم رو دہد در ہر سر مو دلا ہر دم مرو در طرۂ او
کہ دارد در سر ہر مو دو صد دام

خاتمہ

تالیف ولد احمد معمار در فن اخلاق از دست بندہ غلام عبد الغفار و
المخاطب عظیم خاں بہادر .... سنہ ۱۲۲۱ ہجری

محمد عبد اللہ چغتائی

ادارہ معارفِ اسلامیہ
کا
دوسرا اجلاس

ناظرین کو اخباروں کے ذریعے سے غالباً اس بات کا علم ہو چکا ہے کہ ادارۂ معارف اسلامیہ کا دوسرا اجلاس تین سال کے بعد لاہور میں ۱۰-۱۱-۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء کو مینارڈ ہال میں بصدارت عالیجناب میاں سر فضل حسین بالقابہ منعقد ہوا۔ اجلاس کا مفصل پروگرام پہلے شائع کیا جا چکا ہے۔ اور تین دن کی یومیہ کارروائی کا خلاصہ بھی لاہور کے اخباروں میں چھپتا رہا ہے۔ لہذا اسکی تفصیل کو یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن بعض باتیں جو ناظرین کو اخبارات کے ذریعے سے معلوم نہیں ہو سکیں اور انکا جاننا ادارہ کے ساتھ دلچسپی رکھنے والوں کے لئے ضروری ہے۔ سطور ذیل میں عرض کی جاتی ہیں۔

سب سے پہلے ہمیں اس بات کا اعلان کرنے میں فخر اور مسرت ہے کہ ادارہ کا یہ دوسرا اجلاس پہلے کی نسبت بہت زیادہ کامیاب اور بارونق تھا بیجا نہ ہوگا اگر ہم بعض امور میں پہلے اور دوسرے اجلاس کا موازنہ کریں تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس قلیل عرصے میں ادارہ کی ترقی کا پیمانہ کیا ہے؟ اجلاس اوّل کے پروگرام میں مقالات کی تعداد پندرہ تھی جن میں سے

تیرہ پڑھے گئے - اجلاس دوم میں ان کی تعداد اڑتیس تھی جن میں سے پچیس پڑھے گئے - چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جہاں اجلاس اوّل کی کارروائی فقط ایک دن میں تمام ہوگئی وہاں اجلاس دوم میں تین دن صرف ہوئے - اجلاس اوّل میں مندوبین کی تعداد گیارہ تھی - اجلاس دوم میں سولہ تھی استقبالیہ کمیٹی کے ممبروں کی تعداد پہلے اجلاس کے وقت ۳۹ تھی - اجلاس دوم میں ۴۷ اور یہ باوجود اس کے کہ چندہ کی مقدار دُگنی کردی گئی تھی - علی ہذالقیاس حاضرین جلسہ کی تعداد بھی بہ نسبت سابق بہت زیادہ تھی - مخطوطات اور مصنوعات کی نمائش جو اجلاس دوم میں ہوئی وہ بھی پہلی نمائش کی نسبت بہ لحاظ آرائش اور تعدادِ اشیا بہت بڑھ چڑھ کر تھی - ان باتوں سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ ادارہ کے اغراض و مقاصد کے ساتھ مُسلم پبلک کو پُوری ہمدردی ہے - اگر کارکنانِ ادارہ تن دہی کے ساتھ کوشش میں مصروف ہوکر اہلِ ثروت کی توجّہ اسکی ضرورت کی طرف منعطف کرانے میں کامیاب ہوسکیں تو کچھ شک نہیں کہ ہندوستان میں اسلامی تہذیب و علوم کو زندہ رکھنے میں ادارہ بہت بڑی خدمت کرسکتا ہے -

اجلاس دوم کا افتتاح ۱۰ اپریل ۱۹۳۶ء کو ۱۰ بجے صبح مینارڈ ہال میں ہُوا - اُسوقت حاضرین کی تعداد تین سو کے قریب تھی - جن میں لاہور کے بعض معزّز اور سربرآوردہ ہندو حضرات بھی شریک تھے - سب سے پہلے حافظ محمد حسن صاحب کوہاٹی نے سورۂ فتح کا آخری رکوع خوش الحانی کے ساتھ پڑھا - جسکو حاضرین نے تعظیماً کھڑے ہوکر سُنا - اس کے بعد علامہ عبداللہ یوسف علی صدر استقبالیہ کمیٹی نے مندوبین اور حاضرین کا خیر مقدم کرتے ہوئے ادارہ کی ضرورت اور اسکی مختصر گذشتہ تاریخ سے

سامعین کو آگاہ کیا - اور یہ بتلایا کہ اسکو کامیاب بنانے میں ارباب اورینٹل کالج نے بہت کوشش کی ہے - علاّمہ موصوف کا پورا خطبہ روئداد ادارہ میں شائع ہوگا جسکی طباعت شروع ہوگئی ہے'

اسکے بعد میاں سر فضل حسین بالقابہ نے اپنا مختصر لیکن پُرمغز خطبۂ صدارت پڑھا - چونکہ وہ لاہور کے انگریزی اخبارات میں طبع ہوچکا ہے - اور اسکا اُردو ترجمہ بھی مقامی اخباروں اور رسالوں میں چھپ چُکا ہے - اسلئے ہمیں اس کے متعلق یہاں کچھ بتلانے کی ضرورت نہیں - اب انشاء اللہ اسکو روئداد ادارہ میں دوبارہ چھاپا جائیگا -

اختتام خطبہ پر ملک برکت علی صاحب ایڈووکیٹ لاہور نے مناسب الفاظ میں جناب صدر کا شکریہ کارکنانِ ادارہ کی طرف سے ادا کیا - حقیقت میں میاں صاحب موصوف اس شفقت اور کرمفرمائی کے لئے ہماری دلی شکر گذاری کے مستحق ہیں کہ انہوں نے کارکنوں کی حوصلہ افزائی کے خیال سے باوجود ضعف و علالت کے ادارہ کی صدارت کو قبول فرمایا - جزاہ اللہ عنّا خیر الجزاء'

افتتاحی اجلاس کی کارروائی گیارہ بجے تمام ہوئی - جس کے بعد جناب صدر نے یونیورسٹی لائبریری میں نمائش کا افتتاح فرمایا - حاضرین میں سے اکثر اصحاب نے نمائش کا بالاستیعاب معائنہ کیا اور کارکنانِ ادارہ کو مشکور فرمایا - مسکوکات جو اس نمائش میں دکھلائے گئے وہ تمام تر اور مخطوطات کا معتد بہ حصّہ ہمارے مخدوم پروفیسر حافظ محمود شیرانی کی ملکیت تھا لیکن اس کے علاوہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے بعض نادر قلمی نسخے' پروفیسر سراج الدّین آذر کے ذاتی کتبخانے کی بیش قیمت کتابیں' پروفیسر محمد شفیع صاحب

کے بعض نادر اسلامی مصنوعات اور انڈیا آفس لائبریری کے چند قلمی نسخے نمائش کی زینت کا باعث تھے - ایک نمایاں چیز جو اس نمائش میں دکھلائی گئی وہ اسلامی عمارات کے کتبوں کے چربے تھے - جن کو ماسٹر محمد عبداللہ چغتائی نے مہینوں کی لگاتار محنت اور زحمتِ سفر سے کاٹھیاواڑ اور گجرات اور دکن کے بعض دُور و دراز مقامات سے جمع کیا تھا اور پھر کئی دن کی مسلسل محنت سے انکو ترتیب دیکر نمائش کے کمرے میں دیواروں پر سجایا تھا - ان چربوں کی ایک فہرست بھی انہوں نے مرتب کی تھی جسکو ادارہ کی طرف سے طبع کرا کر زائرین نمائش کو تقسیم کیا گیا تھا - امید ہے کہ اس نمائش کا مفصّل حال اور قلمی نسخوں اور سکّوں کی پوری کیفیّت میگزین کے اگلے نمبر میں شائع کی جائیگی -

ذیل میں ہم بالترتیب اجلاس کی مختلف نشستوں کا اور جو مقالات ان نشستوں میں پڑھے گئے - انکا ذکر کرینگے -

نشست اوّل - ۱۰ - اپریل ۸ سے ۱۰ بجے شام

بصدارت مولوی محمد شفیع ایم - اے

پرنسپل اورینٹل کالج لاہور

اس نشست میں مقالاتِ ذیل پڑھے گئے :-

۱ - ڈاکٹر محمد حمیداللہ صاحب ایم - اے - ڈی لٹ - پروفیسر وڈیلیگیٹ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد -

"ابتداو زمانۂ اسلام میں ایران کے ساتھ مسلمانوں کے سیاسی تعلقات" بزبان انگریزی '

۲ - مولانا محمد اسلم جیراجپوری - ڈیلیگیٹ جامعۂ ملّیہ دہلی -

" علم تفسیر" بزبان اردو "

۳ - خانصاحب قاضی فضل حق ایم - اے - پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور

" پنجابی علم ادب میں مسلمانوں کا حصہ" (بزبان اُردو)

۴ - خواجہ سخاء اللہ ایم - اے - پروفیسر عربی اسلامیہ کالج پشاور -

" باب المدح فی کتاب العجائب للشیزری" (بزبان انگریزی)

۵ - ملک محمد باقر ایم - اے - متعلّم پنجاب یونیورسٹی - لاہور

" آدینہ بیگ خاں حاکم پنجاب" (بزبان انگریزی)

چونکہ وقت معیّن دو گھنٹے تھا اور پانچ مقالات تھے - لہذا ہر مقالے کو ۲۵ منٹ دیے گئے - وقت میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے کسی مقالے پر بحث یا سوالات نہ ہو سکے - اور یہی حالت ہر نشست میں رہی "

اس نشست کے پروگرام میں ڈاکٹر داؤد پوتہ پروفیسر اسماعیل کالج بمبئی کا مضمون بہ عنوان " ابن خلدون کے خیالات تعلیم کے بارے میں" (بزبان انگریزی) اور سید مسعود رضوی پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی کا مضمون " فارسی مراثی" پر بزبان اردو تھا - یہ دونو حضرات خود تشریف نہیں لا سکے - لیکن اپنے مضامین انہوں نے ارسال فرما دیے ہیں - جو روئداد میں طبع ہونگے -

نشست دوم - ۱۱ - اپریل - ۹ سے ۱۲ بجے صبح

بصدارت میاں بشیر احمد صاحب بی - اے (آکسن)

اس نشست میں مقالات ذیل پڑھے گئے : -

۱ - پروفیسر شجاع منعمی ایم - اے - ایم - ایس - سی - پروفیسر طبیعات

صادق ایجرٹن کالج - بہاولپور (ڈیلیگیٹ ریاست بہاولپور)
"انحرافِ ضوء کا سبب جسکو مسلم سائنس دانوں نے واضح کیا"
(بزبان انگریزی)،

۲ - مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی (ڈیلیگیٹ دارالمصنفین اعظم گڈھ)
"سراج ہندی" (بزبان اردو)

۳ - ڈاکٹر زبید احمد صاحب ایم - اے - پی - ایچ - ڈی - پروفیسر الہ آباد یونیورسٹی،
"وہ تصانیف جو علومِ قرآنی پر ہندوستان میں بزبان عربی لکھی گئیں" (بزبان اُردو)

۴ - قاضی احمد میاں اختر جوناگڈھی
"شبلی بحیثیت شاعر" (بزبان اردو)،

۵ - سید امتیاز علی عرشی - ناظم کتب خانہ رامپور،
"سمعانی اور اس کی کتاب الانساب"

باقی چار مقالات جو اس نشست کے پروگرام میں داخل تھے - کچھ وقت کی تنگی اور کچھ پڑھنے والے حضرات کے تشریف نہ لا سکنے کی وجہ سے نہیں پڑھے گئے - ڈاکٹر وحید مرزا صاحب پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی نے اپنا مضمون بہ عنوان "مقدمہ ابن خلدون میں مراکش کی شاعری کے نمونے" ہمیں ارسال فرمادیا ہے جو روئداد میں چھپے گا - ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب اور پروفیسر شیرانی صاحب سے ہم معافی کے طلبگار ہیں کہ ان دونو حضرات کو وقت میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے پڑھنے کا موقع نہ دیا جاسکا -

نشست سوم - ۱۱-اپریل-۲ سے ۴ بجے سہ پہر

بصدارت شمس العلماء مولوی عبدالرحمٰن صاحب دہلوی

مضامین ذیل اس نشست میں پڑھے گئے :-

۱ - ڈاکٹر نظام الدین صاحب ایم - اے پی - ایچ - ڈی - پروفیسر و ڈیلیگیٹ جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد
"ایرانِ حاضر کے ادبی رجحانات" (بزبان انگریزی)

۲ - ڈاکٹر وجاہت حسین عندلیب شادانی ایم - اے - پی - ایچ - ڈی پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی -
"تاج المآثر تالیف حسن نظامی نیشاپوری" (بزبان اُردو)

۳ - ڈاکٹر اظہر علی صاحب ایم - اے پی - ایچ - ڈی - پروفیسر و ڈیلیگیٹ دہلی یونیورسٹی
"تاریخ محمد عارف قندھاری" (بزبان اُردو)

۴ - یٰسین خان نیازی ایم - اے - متعلم پنجاب یونیورسٹی
"نیازیوں کی تاریخ" (بزبان انگریزی)

۵ - قاضی احمد میاں اختر جوناگڈھی ،
"سعدی کا عربی کلام" (بزبان اُردو)

ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی پروفیسر کلکتہ یونیورسٹی کا مضمون "مسند احمد بن حنبل" پر اور ڈاکٹر حسین الہمدانی کا مضمون "تصانیف احمد حمید الدین کرمانی" پر ہمیں موصول ہو گئے ہیں - روئداد میں شائع ہونگے ،

نشست چہارم - ۱۱ - اپریل ۸ سے ۱۰ بجے شب

بصدارت ڈاکٹر عبدالحق پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدر آباد

اس نشست میں علامہ عبداللہ یوسف علی نے اپنا فاضلانہ مضمون بہ عنوان " تاریخ اسلام کی وسعت اور یونیورسٹیوں میں اس کی تعلیم کی ضرورت " بزبان انگریزی پڑھا - اس وقت حاضرین کی کثرتِ تعداد غیر معمولی تھی علامہ موصوف کی تقریر میں جو کشش ہے وہ محتاج بیان نہیں اور یہ تعداد اسی کشش کا نتیجہ تھی - مضمون ایک گھنٹے میں تمام ہوا جسکے بعد پروفیسر ڈاکٹر ہادی حسن (ڈیلیگیٹ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ) نے " تصوف اسلام " پر بزبان انگریزی لکچر دیا - پروفیسر موصوف کی فصیح البیانی اور پُر ظرافت گفتگو مشہور و معروف ہے اور اس شہرت کی انہوں نے اس لکچر سے پوری تصدیق کی - لکچر کے تمام ہونے پر چونکہ وقت میں گنجائش نہ رہی تھی لہٰذا ڈاکٹر تصدق حسین صاحب خالد کا مضمون جو اس نشست میں پڑھا جانے والا تھا - نہ پڑھا جا سکا -

نشست پنجم - ۱۲ - اپریل ۹ سے ۱۲ بجے صبح

بصدارت ڈاکٹر اظہر علی صاحب پروفیسر دہلی یونیورسٹی

مضامین ذیل اس نشست میں پڑھے گئے :-

۱ - پروفیسر محمد شفیع ایم - اے - پنجاب یونیورسٹی لاہور

" بعض قدیم کاغذات جو پنجاب یونیورسٹی لائبریری محفوظ ہیں " (بزبان انگریزی)

۲ - ڈاکٹر برکت علی قریشی ایم - اے - پی ایچ ڈی - پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور
" ابن خلدون کا عقیدہ تہذیب و سیاست کے بارے میں " (بزبان انگریزی) -

۳ - پروفیسر محمد فضل الدین قریشی ایم - ایس سی - پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور
" فجر و شفق (مطالعۂ طبیعی) حکماء مسلمین کی نظر سے " (بزبان انگریزی)

۴ - ماسٹر محمد عبداللہ چغتائی - لاہور
" بعض اسلامی عمارات اپنے کتبوں کی روشنی میں " (بزبان انگریزی)

۵ - حکیم محمد حسن صاحب قرشی - پرنسپل طبیہ کالج - لاہور
" دورانِ خون کے انکشاف میں مسلمانوں کا حصّہ " (بزبانِ اردو)

۶ - ڈاکٹر عبدالحق ایم - اے - ڈی فل - پروفیسر و ڈیلیگیٹ جامعۂ عثمانیہ (حیدرآباد)
" مصر حاضر کے دو شاعر - شوقی اور حافظ " (بزبان اردو)

۷ - شمس العلماء مولوی عبدالرحمان صاحب دہلوی - پروفیسر و ڈیلیگیٹ دہلی یونیورسٹی
" الرواج حول الجزیۃ والخراج " (بزبان اردو)

قاضی محمد اسلم صاحب ایم - اے پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور کا مضمون بہ عنوان " اسلامی طریقۂ عبادت میں فلسفۂ توجّہ " موصول ہوا لیکن ان کے تشریف نہ لا سکنے کی وجہ سے پڑھا نہیں گیا -

نشست ششم - ۱۲ - اپریل ۲ سے ۴ بجے سہ پہر

بصدارت ڈاکٹر زبید احمد صاحب ایم. اے پی ایچ ڈی
پروفیسر الہ آباد یونیورسٹی -

اس نشست میں حسب ذیل رزولیوشن بالاتفاق پاس ہوئے :-

۱ - ادارہ معارف اسلامیہ کا یہ جلسہ حکومت ہند کے محکمۂ آثار قدیمہ کو بتاکید اس امر کی ضرورت جتلاتا ہے کہ وہ قدیم اسلامی عمارات کے کتبوں کو بلا تاخیر جمع کر کے شائع کرنے کا بندوبست کرے - ورنہ اندیشہ ہے کہ مزید غفلت سے عمارات کے پتھر اور درو دیوار کہنہ ہو کر شکستہ ہو جائینگے اور انکے کتبوں کی عبارات کے خستہ و محو ہو جانے کے باعث محققین علم تاریخ ان کے استفادہ سے محروم ہو جائینگے" -

محرّک : ڈاکٹر عبدالحق پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدر آباد
مؤیّد : مولوی محمد شفیع صاحب ایم - اے - پرنسپل اورینٹل کالج لاہور

۲ - ادارۂ معارف اسلامیہ کا یہ جلسہ مسلمانوں کو بتاکید تحصیل زبان عربی کی ترغیب دلاتا ہے جو کہ ان کے تمام علوم و معارف اور تہذیب گذشتہ کی خزینہ دار ہے"

محرّک : ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی ایم - اے ڈی لٹ - انسپکٹر مدارس جبل پور (سی - پی)
مؤیّد : پروفیسر شجاع منعمی ایم - اے - ایم ایس سی - بہاولپور

۳ - ادارۂ معارف اسلامیہ کا یہ جلسہ ان تمام مندوبین کا دلی شکریہ ادا

کرتا ہے۔ جو زحمتِ سفر گوارا کر کے لاہور تشریف لائے۔ اور ادارہ کے اجلاس دوم میں شریک ہوئے۔

محرّک : پروفیسر محمد اقبال (سیکرٹری ادارہ)

مؤیّد : ماسٹر محمد عبداللہ چغتائی

۴ - ادارۂ معارف اسلامیہ کا یہ جلسہ اُن تمام حضرات کا دلی شکریہ ادا کرتا ہے۔ جنہوں نے اپنی لگاتار محنت سے ادارہ کے اجلاس دوم کو کامیاب بنانے کی کوشش کی۔ بالخصوص لالہ لبھو رام لائبریرین پنجاب یونیورسٹی لائبریری ہماری شکر گذاری کے مستحق ہیں۔ جنکی محنت اور توجہ سے نمائش کو کامیابی ہوئی"

محرّک : ڈاکٹر اظہر علی پروفیسر دہلی یونیورسٹی

مؤیّد : ڈاکٹر وجاہت حسین عندلیب شادانی پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی

فہرست مندوبین جو ادارہ معارف اسلامیہ کے اجلاس دوم میں شریک ہوئے :

دہلی یونیورسٹی :

۱ - شمس العلماء مولوی عبدالرحمٰن پروفیسر عربی

۲ - ڈاکٹر اظہر علی پروفیسر فارسی

جامعۂ ملّیہ دہلی :

۱ - مولانا اسلم جیراجپوری

علیگڈھ یونیورسٹی :

۱ - پروفیسر ڈاکٹر ہادی حسن

ریاست بہاولپور :

پروفیسر شجاع منعمی ایم - اے - ایم - ایس - سی

رامپور سٹیٹ لائبریری :

۱ - سید امتیاز علی عرشی ناظم کتب خانہ

۲ - سید عبدالسلام خان

الہ آباد یونیورسٹی :

پروفیسر ڈاکٹر زبید احمد

ڈھاکہ یونیورسٹی :

پروفیسر ڈاکٹر وجاہت حسین عندلیب شادانی

جامعہ عثمانیہ حیدر آباد :

۱ - پروفیسر ڈاکٹر نظام الدین

۲ - پروفیسر ڈاکٹر عبدالحق

۳ - پروفیسر ڈاکٹر حمید اللہ

اسلامیہ کالج پشاور :

خواجہ ستار اللہ ایم - اے پروفیسر عربی

جوناگڈھ :

قاضی احمد میاں اختر

دارالمصنفین اعظم گڈھ :

مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی

انکے علاوہ بمبئی یونیورسٹی کی طرف سے ڈاکٹر محمد بدل الرحمن پرنسپل اسماعیل کالج اور لکھنؤ یونیورسٹی کی طرف سے پروفیسر سید مسعود رضوی بطور ڈیلیگیٹ نامزد ہوئے تھے لیکن یہ دونو حضرات کسی مجبوری کی وجہ سے تشریف نہ لاسکے +

(پروفیسر) محمد اقبال

سیکرٹری ادارہ معارف اسلامیہ

الشہاب الحجازی

نسب نامہ اور ولادت

احمد بن محمد بن علی بن حسن بن ابراہیم، بنو خزرج کے اس خاندان کا چشم و چراغ تھا جو دولتِ اسلام سے بہرہ ور ہو کر انصار کہلائے۔ اس لحاظ سے الانصاری اور الخزرجی مشہور ہوا خزرجی ہونے کی وجہ سے مدنی یا یثربی ہونا حتمی اور قطعی ہے۔ شہاب الدین لقب، ابوالطیب کنیت اور الحجازی نسبت۔ اوائل عمر میں زکی الدین لقب اور ابوالعباس کنیت کا پتہ بھی چلتا ہے۔ الشہاب الحجازی کے لقب سے زیادہ مشہور و معروف ہوئے۔ فقہیات میں امام شافعیؒ کے مسلک کو ترجیح دیتے، اس لئے الشافعی کہلائے،

ابوالطیب شہاب الدین احمد الحجازی ۲۷ شعبان ۷۹۰ھ (اگست ۱۳۸۸ء) کو قاہرہ میں پیدا ہوا

الحجازی کے آبا و اجداد کیا تھے۔ کب اور کیوں مصر میں وارد ہوئے؟ یہ تمام واقعات ہم تک نہیں پہنچے

اس کا نسب نقل کرتے ہوئے علامہ سیوطی نے نظم العقیان میں احمد بن محمد بن علی بن حسین بن ابراہیم لکھا ہے۔ حالانکہ تمام دیگر سوانح نگار اور خود سیوطی "حسن المحاضرۃ" میں حسین کی بجائے حسن لکھتا ہے اور یہی درست بھی ہے،

بعض سوانح نگار ابوالطیب کو "المصری" لکھتے ہیں۔ مثلاً سیوطی اور صاحب معجم المطبوعات، اور بعض "القاہری" مثلاً ابن العماد،

عہد طفولیت و تعلیم

شہاب الدین الحجازی کے عہد طفولیت کے حالات ہم تک نہیں پہنچے۔ اس لئے ہمارے مؤلف کے اس زمانے کے متعلق جو کچھ بھی کہا جائیگا وہ محض ظن و قیاس پر مبنی ہوگا۔ تاریخی شہادت کی وجہ سے ہم خاموش رہنے پر مجبور ہیں۔ بہت چھوٹی عمر میں تحصیل علم میں مشغولیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ الحجازی کا خاندان علم و فضل میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ اور کم از کم یہ حقیقت ضرور ہے کہ اس کے والدین علم دوست تھے۔ قرآن، حدیث، ادب، فقہ، اصول وغیرہ علوم میں الحجازی نے متعدد باکمال اہل علم و فضل کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔

اساتذہ

الحجازی کے تمام تر اساتذہ اپنے وقت کے اجلہ فضلاء تھے اور بعض تو اپنے فن میں یکتائے روزگار سمجھے جاتے تھے۔ اس کے اساتذہ کی مکمل فہرست فراہم کرنا تو سخت دشوار ہے۔ اس لئے کہ الحجازی کے سوانح نگاروں نے اس چیز پر زیادہ توجہ نہیں دی۔ مگر تفحص و تلاش کے بعد ہم ذیل کے چند نام گنوانے کے قابل ہو سکے ہیں:-

(١) محدث عصر حافظ زین الدین ابوالفضل عبدالرحیم العراقی (٧٢٥-٨٠٦ھ) جن کے متعلق ابن تغری بردی رقمطراز ہے :- شیخ الحدیث بالدیار المصریۃ (النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر و القاہرۃ جلد ٦ صفحہ ١٦)

(٢) ادیب وقت المجد الحنفی

(٣) بدر النسابۃ (٧٦٧ - ٨٦٦)،

(٤) البرہان الابناسی (٧٢٥ - ٨٠٢ھ) جسکے متعلق سیوطی حسن المحاضرہ میں لکھتا ہے :- شیخ الشیوخ بالدیار المصریۃ

(٥) ابن ابی المجد

(۶) الکمال الدمیری (متوفی ۸۰۸ھ) جو بہت بڑے محدث وادیب تھے الحجازی نے دمیری کی شرح سنن ابن ماجۃ خود دمیری کی زبان سے سنی -

(۷) شیخ عزالدین ابن جماعۃ (۷۵۹ - ۸۱۹ھ) جو معقولات میں مرجع خاص وعام تھے - علامہ سیوطی لکھتا ہے :- و مال الی فنون المعقول فاتقنہا اتقانا بالغا الی ان صار ھو المشار الیہ فی الدیار المصریۃ

(۸) مصر کا شہرۂ آفاق اصولی وفقیہ ولی الدین العراقی (۷۶۲-۸۲۶ھ) جنکے متعلق تمام سوانح نگار بیک زبان ہوکر لکھتے ہیں :- الامام العلامۃ الحافظ الفقیہ الاصولی

(۹) قاضی البساطی (۷۵۶ - ۸۴۲)

(۱۰) امام الحفاظ ابن حجر عسقلانی (۷۷۳ - ۸۵۲) جنکے متعلق ابن تغری بردی ذیل کے الفاظ میں جذبات عقیدت کا اظہار کرتا ہے : شیخ الاسلام حافظ المشرق و المغرب امیر المؤمنین فی الحدیث شہاب الدین.... قاضی القضاۃ الدیار المصریۃ و عالمہا وحافظہا و شاعرہا (النجوم الزاہرۃ ج ۷ ص ۳۲۶)

یہاں یہ ذکر کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ الحجازی کے سوانح نگار عام طور پر ابن حجر کو اسکے اساتذہ میں شامل نہیں کرتے مگر فتح الباری کے آخر میں حافظ ابن حجر کے تلامذہ میں الحجازی کا نام احمد بن محمد الانصاری وضاحت کے ساتھ ملتا ہے - اسی طرح ابن حجر کی وفات (۲۹ ذو الحجہ ۸۵۲ھ) پر الحجازی نے ایک مرثیہ لکھا جسے سیوطی نے حسن المحاضرۃ اور حافظ ابن فہد نے لحظ الالحاظ ذیل طبقات الحفاظ للذہبی میں اضافے کیساتھ محفوظ کیا ہے، جسکا یہ شعر میرے من اندازمیں اس حقیقت کی چہرہ کشائی کرتا ہے کہ الحجازی کو ابن حجر سے شرف تلمذ

حاصل ہے' ؎

لصفی علی شیخی الذی سعدت بہ صحب و اوجہ ناظریہ ناضرۃ

الحجازی کے اساتذہ کی فہرست اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ وہ بہت چھوٹی عمر میں تحصیل علم میں مشغول ہوا۔ مندرجہ بالا فہرست اساتذہ میں ۱۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ الحجازی بمشکل ۱۲ برس کا تھا جبکہ ابناسی کا انتقال ہوا اور اس سے زیادہ حیرت انگیز چیز یہ ہے کہ اسکا استاذ ابوالفضل العراقی ۸۰۶ھ میں وفات پاتا ہے جبکہ الحجازی کی عمر سولہ سال کے قریب ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ وہ اس مقتدر ہستی سے تحدیث کی باقاعدہ اجازت حاصل کر چکا تھا'

شعر و شاعری اور ادب ابتدائی زمانہ میں الحجازی کی توجہ علم حدیث اور دیگر علوم متعلقہ پر مرکوز رہی مگر کچھ عرصہ بعد ان علوم سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور تمامتر توجہ ادب پر صرف کر دی'

الحجازی اپنے وقت کے بہترین شعراء میں شمار کیا جاتا تھا اور قاہرہ کے چھ مشہور ترین شعراء جو سب کے سب الشہاب کہلاتے تھے ہیں کا ایک تھا۔ یہ ایک الگ بات ہے کہ الحجازی کو ایسے شاگرد اور عقیدت مند میسر نہ آسکے جو اسکے اشعار کو چار دانگ عالم میں مشہور کرتے اور اسکی شہرت کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچاتے۔ جیسا کہ اسکے بعض معاصرین کو یہ چیز نصیب ہوئی۔ مگر الحجازی کی مقابلۃً غیر معروفی چنداں اسکی قابلیت اور بلندی مرتبت میں آڑے نہیں آسکتی۔ آفتاب بہرحال آفتاب ہے خواہ گھنگھور گھٹائیں اٹھیں اور آسمان پر چھا جائیں' آندھیاں اور جھکڑ گرد و غبار کو مشرق و مغرب میں پھیلا دیں۔ مگر یہ سب چیزیں آفتاب کی تمازت کے سامنے عارضی ہیں۔ دیدۂ بینا آفتاب کی شعاعوں کو گرد و غبار کے بادل چیرتے دنیا کو روشن کرتے دیکھتا

ہے اور ناممکن ہے کہ آفتاب نمودار ہو اور اسکی تمازت حساس قلوب کو نہ گرمائے ۔

قدرت نے الحجازی کو شعر و شاعری کے لئے بہترین دل و دماغ ودیعت کیا تھا، اور اسکی علمی استعداد، فطری رجحان اور خداداد ذہانت نے اس کو شاعری کے لئے موزوں تر بنا دیا تھا ۔ چنانچہ سیوطی اسے "الشاعر البارع" کے الفاظ سے یاد کرتا ہے اور ابن العماد "الشاعر المفلق" کا لقب تجویز کرتا ہے ۔ الحجازی کے اشعار کا مطالعہ اس حقیقت کو بے نقاب کر دیتا ہے ۔ کہ شعر و سخن میں اسکا کتنا بلند مرتبہ ہے ۔ قصیدہ و غزل، ہجو اور مرثیہ کوئی سی چیز لے لو، الحجازی ایک استاذ کامل کی حیثیت میں نظر آتا ہے ۔ مختلف مقامات پر بکھرے ہوئے اشعار کے علاوہ الحجازی نے ایک مستقل دیوان چھوڑا ہے،

یہ صریح ناانصافی ہوگی اگر الحجازی کو محض ایک شاعر کی حیثیت میں پیش کیا جائے ۔ اور دوسری تمام خوبیاں نظر انداز کر دی جائیں ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک بہترین شاعر تھا ۔ مگر اس کی مختلف النوع تصانیف پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ الحجازی کو ادب سے اسقدر شغف اور دلبستگی تھی کہ وہ اپنے تمام اقران و معاصر سے سبقت لے گیا ۔ اس سلسلے میں اس کے سوانح نگاروں کی شہادت ہی کافی وقیع اور وزنی ہے :

وعنی بالادب کثیرا حتی صار احد اعیانہ (حسن المحاضرۃ)

وقد رثاہ (ابن حجر) جماعۃ من الفضلاء والادباء النبلاء منھم الادیب شھاب الدین ابو الطیب احمد .... (لحظ الالحاظ)

وعني بالأدب كثيرا الى ان تقدم فيه (نظم العقيان)

وعني بالأدب كثيرا حتى صار اوحد اهل زمانه . . . . وتميز

في فنون لكنه هجر ماعدا الادب منها (شذرات الذهب)

كان عالما فاضلا بارعاً في الادب (معجم المطبوعات)

ان تاریخی شہادتوں کے بعد الحجازی کی ادبی شخصیت کے اعتراف میں کسے تامل ہو سکتا ہے اور کون ہے جو اسکی جلالت قدر اور رفعت مقام سے انکار کرے؟

نویں صدی ہجری اور ادبی ذوق

یہ صدی علم و ادب کی خدمت میں بہت پیش پیش نظر آتی ہے۔ اس صدی میں ہمارے اکابر نے جسقدر محنت کی اور علمی خدمات سر انجام دیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو آج ہم علم کے ایک بہت بڑے حصّے سے محروم ہو چکے ہوتے اور ہماری معلومات بعض علوم کے متعلق بالکل سطحی اور غیر مکمل ہوتیں۔ ہمیں یہ تسلیم کرنے میں بالکل کوئی باک نہیں کہ یہ زمانہ اکثر و بیشتر جمع و تدوین کا زمانہ تھا اور بہت کم جدید علوم معرض وجود میں آئے۔ تاہم کیا یہ خدمت کچھ کم ہے کہ اسلاف کے علوم کے قیمتی ذخیرۂ معلومات کو یکجا جمع کر دیا جائے تاکہ آنے والی نسلیں ان مقید خزائن علوم سے متمتع ہو سکیں۔ نویں صدی نے بہترین دل و دماغ پیدا کئے یا کم از کم بہترین دل و دماغ رکھنے والے لوگوں نے نویں صدی کو پایا۔ اس جمع و تدوین کے سلسلے میں ایک استثناء ضرور ہے۔ میرا مطلب ابن خلدون سے ہے۔ جسنے فلسفۂ تاریخ کی بنیاد رکھی اور دنیا کو ایک نئے شعبۂ علم سے روشناس کرایا۔ ابن خلدون کا فلسفۂ تاریخ بجائے خود ایک مستقل مضمون ہے جو الگ فرصت چاہتا ہے۔ اس صدی کی نامور شخصیتوں کے چند اسماء یہ ہیں:

ابن خلدون ، المقریزی، ابن تغری بردی، السخاوی، ابوالفضل العراقی، ابن حجر، القلقشندی، مجدالدین فیروزآبادی،

اس صدی کی ایک اور خصوصیت بھی ہے جسکو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا یعنی سلاطین و ملوک کی کورذوقی ۔ بنو امیہ (مغربیہ) اور بنو عباس کے عہد میں سلطنت و حکومت کا علم پرور، ادب نواز اور معارف آفرین دست شفقت آمیز ہزاروں شعراء، ادباء، نقاد اور مؤرخ پیدا کرنے میں کامیابی کے ساتھ ذروۂ اعلےٰ پر پہنچا۔ مگر ان ازمنہ میں شعراء کی کثرت، علوم و معارف میں ترقی چنداں جاذب نظر نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ جس چیز کو حکومتیں اور سلطنتیں اپنی خسروانہ کرم فرمائیوں سے نوازیں اور جو ترقی دربار شاہی کی مرہونِ منت ہو، اس میں کیا خوبی کی بات ہو سکتی ہے۔ اچھی سے اچھی اور بُری سے بُری چیز جسے حاکم وقت چاہے رائج ہی نہیں بلکہ ترقی کے ساتویں آسمان تک پہنچا سکتا ہے۔ قابل قدر اور خوبی کی بات یہ ہے کہ ایک چیز خواہ علوم سے متعلق ہو یا صنعت و حرفت سے، بغیر کسی شاہانہ سرپرستی کے ترقی کرے اور اتنی ترقی کہ دنیا انگشت بدنداں رہ جائے۔ اُردو کی مثال ہمارے سامنے ہے، اگر اردو ادب دکن میں ارتقائی منازل طے کرتا نظر آئے تو چنداں تعجب اور خوبی کی بات نہیں، مگر جب یہی ادب پنجاب میں بغیر کسی خسروانہ سرپرستی کے ترقی کی اعلےٰ منزل پر ہو تو سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ زبان میں ایک قدرتی جذب و کشش ہے، ایک خوبی ہے، ایک حسن ہے اور ایک جمال ہے جو ایک دنیا کو مسخر کر چکا ہے،

اس صدی کے چھتر برس الحجازی کے سامنے گذرے اور اس عرصے میں ہمارے مصنف نے سولہ ملوک و سلاطینِ مصر کو سریر آرائے سلطنت ہوتے دیکھا

ان سولہ ملوک میں سے صرف دو سلطان ایسے نظر آتے ہیں جو شعر و ادب سے شغف رکھتے تھے اور علوم و فنون میں دلچسپی لیتے تھے۔ پہلا علم دوست سلطان الملک المؤید (۸۱۵ - ۸۲۴ھ) ہے، اسکی تمامتر توجہ فتنہ و فساد کی آگ کو فرو کرنے پر مرکوز رہی۔ نو برس کی مدت میں ایک دن بھی چین و راحت کی زندگی نصیب نہ ہو سکی۔ دوسرا باذوق سلطان الملک الظاہر ہے جو ۸۲۴ھ کے تین مہینے اور چار دن سے زیادہ حکومت نہ کر سکا۔ اسے علوم و فنون سے خاص انس تھا، علماء و فضلا اور ظرفاء و ادباء کی صحبت کو پسند کرتا، شعراء اور اہل علم و فضل کی قدر و منزلت کرتا تھا۔ ان دو شخصیتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے باقی چودہ سلاطین کے متعلق تاریخی شہادت کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ بالکل کور ذوق تھے، علم و ادب سے انہیں کوئی نسبت نہ تھی، اور نہ شعر و سخن کی ان کے ہاں کوئی وقعت تھی،

سیاسی حالات

اس صدی میں مصر علوم و فنون اور شعر و ادب کا مرکز بن گیا مگر اس مرکزیت میں خسروانہ توجہات کو بہت ہی کم دخل ہے۔ اس مرکزیت کا باعث ان برگزیدہ شخصیتوں اور ممتاز ہستیوں کا اجتماع ہے جو اپنے خاص فنون میں یگانۂ روزگار تھیں۔ سلاطین اور ملوک کو اپنے اپنے عہد میں ہمیشہ داخلی اور خارجی فتنوں اور بغاوتوں کا سامنا رہا، اور آپ خود اس امر سے اندازہ فرمائیں کہ الحجازی کی وفات یعنی ۸۷۵ھ تک سولہ سترہ بادشاہ تاج و تخت کے مالک بنے اور بعض دفعہ تو ایک برس میں چار چار سلاطین یکے بعد دیگرے تخت حکومت پر چڑھتے اور اترتے نظر آتے ہیں۔ ۸۲۴ھ اور ۸۷۲ھ اس امر کی کافی شہادت ہیں اور جس سلطان کو دس بارہ سال حکومت کرنے کا اتفاق ہوا، اسے ایک دن بھی تو چین نصیب

نہ ہو سکا۔ کبھی مشرق سے بغاوت کی خبر آئی تو کبھی مغرب سے، کبھی جنوب میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکتی نظر آئی، تو کبھی شمال میں دشمنوں نے سر اٹھایا۔ اسی طرح سارا عہد حکومت بغاوتوں کے فرو کرنے، دشمنوں کی سرکوبی اور فسادات کی روک تھام میں گذر جاتا۔ ان حالات میں سلاطین بیچارے کس طرح صاحب علم و فضل لوگوں کی صحبت میں بیٹھ سکتے تھے اور کیونکر شعر و ادب کی سرپرستی کر سکتے تھے؟

ذیل میں الحجازی کے عہد کے بادشاہوں کی فہرست درج کرتا ہوں۔ یہ فہرست بہت حد تک اس عہد کے سیاسی حالات کو سمجھنے میں مدد دے گی۔

(۱) السلطان الملک الظاہر ابوسعید برقوق الچارکسی۔ یہ سلطان خاندان چراکستہ یا جراکستہ کا بانی ہے۔ اسے استحکام سلطنت کے سلسلے میں بڑے مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔

(۲) الملک الناصر فرج بن برقوق (۸۰۱ - ۸۰۸ھ) حالات نے ساتھ نہ دیا۔ جس کی وجہ سے تخت چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔

(۳) الملک المنصور عبدالعزیز (۸۰۸ھ)۔ دو ماہ اور دس دن سے زیادہ حکومت نہ کر سکا۔

(۴) الملک الناصر فرج بن برقوق (۸۰۸ - ۸۱۴ھ) چند ماہ کے بعد قسمت نے پھر یاوری کی۔ حالات کو مساعد و سازگار پا کر سلطنت کی باگ ڈور ہاتھ میں لی۔ فتنہ و فساد کے دبانے میں کامیاب ہوا، اور پھر سے قصر سلطنت کو خاندان کے لئے محکم و مضبوط بنیادوں پر استوار کیا،

(۵) الخلیفۃ المستعین باللہ العباس بن الخلیفۃ المتوکل علی اللہ (۸۱۵ھ) گردش زمانہ اور انقلاب روزگار کے تلاطم خیز سمندر کے تھپیڑوں نے عباسیوں

کے آخری نشان کو مصر میں لا پھینکا، مگر زیادہ دیر تک خوش بختی اور عیش و راحت سے ہمکنار نہ رہ سکا۔ سات ماہ اور پانچ دن کے بعد معزول کر دیا گیا۔

(۶) الملک المؤید (۸۱۵ - ۸۲۴) علم دوست سلطان تھا، مگر علم پروری کی بہت کم فرصت ملی۔ سارا عہدِ حکومت لشکر کشی میں گذر گیا۔ باغیوں کی سرکوبی سے فارغ ہوا ہی تھا کہ موت نے آ لیا۔

(۷) السلطان الملک المظفر ابوالسعادات احمد بن الملک المؤید۔ یہ سلطان بھی سات ماہ اور بیس دن کے بعد سلطنت سے علیحدہ کر دیا گیا۔

(۸) السلطان الملک الظاہر ططر۔ خاندان چراکسۃ میں دوسرا با ذوق، علوم و فنون سے شغف رکھنے والا سلطان تھا۔ علماء و فضلاء کی صحبت کو پسند کرتا اور اہل علم حضرات کی قدر کرتا تھا۔ زندگی نے وفا نہ کی، تین ماہ اور چار دن کی سلطنت کے بعد داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

(۹) الملک الصالح محمد بن ططر۔ چند دن کے بعد معزول کر دیا گیا۔ ۸۲۴ھ نے چار بادشاہوں کو تخت سنبھالتے اور چھوڑتے دیکھا۔

(۱۰) السلطان الملک الاشرف برسبای (۸۲۵ - ۸۴۱ھ) تمام عہد حکومت داخلی اور خارجی فتنوں کے انسداد اور سلطنت کے استحکام میں گذرا۔ لشکر کشی نے تھکا دیا۔ بالآخر ۸۴۱ھ میں جان عزیز جان آفریں کے سپرد کی۔

(۱۱) الملک العزیز یوسف بن الملک الاشرف (۸۴۱ - ۸۴۲) معزول کر دیا گیا۔

(۱۲) الملک الظاہر جقمق (۸۴۲ - ۸۵۷)، عالم باعمل تھا،

(۱۳) السلطان الملک المنصور عثمان (۸۵۷)

(۱۴) الملک الاشرف اینال (۸۵۷ - ۸۶۵)
(۱۵) الملک المؤید ابوالفتح احمد (۸۶۵ - ۸۶۷)
(۱۶) الملک الظاہر ابوسعید (۸۷۲)
(۱۷) الملک الاشرف المحمودی (۸۷۲)

ان حالات کے مطالعہ کے بعد قارئین کرام پر یہ امر روشن ہو چکا ہے۔ کہ الحجازی کے زمانے میں عام سیاسی حالات کیا تھے، اور حکمران خاندان کے افراد علم و فضل کے ارتقاء میں کس قدر دلچسپی لینے یا لے سکتے تھے۔ کیا ایسے ماحول میں خاص قابلیتوں اور استعدادوں کا مالک ہونا قابل قدر شے نہیں، اور کیا ان حالات میں علم و فضل سے شغف بذات خود باعث فضیلت و مجد نہیں؟

تبحر علمی شہاب الدین احمد الحجازی اس زمانے کے مشہور اور یگانۂ روزگار علماء و فضلاء، فقہا اور محدثین کی علمی صحبتوں سے فیض یاب ہو چکا تھا۔ علم حدیث میں شیخ العصر حافظ العراقی سے تحدیث کی اجازت حاصل کی، اور وہ بھی پندرہ سولہ برس کی عمر میں، جو الحجازی کی غایت درجہ کی ذہانت و ذکاوت پر دال ہے۔ علم و فضل اور شعر و سخن میں کافی شہرت حاصل کی، اور اپنے زمانے کے شعراء، علماء اور ادباء میں بلند درجہ پایا الحجازی کو اپنی فضیلت، قابلیت، بلندیٔ مرتبت اور جودت طبع کا پورا پورا احساس تھا۔ وہ جانتا تھا کہ دنیا اس کی ادبی خدمات اور علمی کارناموں کو کبھی فراموش نہ کرے گی، چنانچہ لکھتا ہے:

قالوا اذا لم یخلف میت ذکرا ینسی فقلت لھم فی بعض اشعاری
بعد الممات اصیحابی ستذکرنی بما خلفت من اولاد افکاری

الحجازی کا ایک ہمعصر الشریف الأسیوطی ایک خط میں اسکے زورِ قلم کی یوں داد دیتا ہے۔

وذلك عصا قلما اذ القيت تلقف ما يأفك عصی الاقلام -

معمّوں کا ذوق تنوع پسند الحجازی نے اس فن پر بھی طبع آزمائی کی۔ اور بعض اوقات اپنے دوستوں کو خطوط بھی اسی طرز میں لکھے۔ معمّوں کا شوق ملاحظہ ہو۔ کہ اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ؛

شغلِ تدریس ہمارے مؤلف کو درس وتدریس کا شوق تھا۔ ایک مدت تک حدیث اور دیگر علوم متعلقہ کا درس دیتے رہے۔ علامہ سیوطی حسن المحاضرۃ (ج ۲ : ص۱۸۱) میں رقمطراز ہے ؛

اخبرنی ابو الطیب الانصاری اجازۃ عن الحافظ ابی الفضل عبد الرحیم العراقی پھر بغیۃ الوعاۃ فی طبقات اللغویین والنحاۃ (ص۱۴۹) میں لکھتے ہیں۔

اخبرنی الشهاب ابو الطیب احمد بن محمد الانصاری المعروف بالحجازی بقرأتی علیہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ الحجازی کا حلقہ درس بہت وسیع اور کامیاب تھا۔ جس نے سیوطی ایسا جامع علوم شاگرد پیدا کیا ؛

تقسیمِ اوقات روزانہ کے معمولات متعین ومقرر تھے۔ درس و تدریس کے لئے ایک خاص وقت تھا جس میں طلبہ آتے اور استفادہ کرتے۔ تالیف وتصنیف کے لئے ایک وقت مقرر تھا۔ مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ اور دن کا اکثر حصّہ مطالعہ میں صرف ہوتا۔ اہل علم وفضل سے راہ و رسم بہت بڑھ گئی، بڑے بڑے لوگ ملاقات کے لئے آتے، مگر بایں ہمہ مطالعہ میں کبھی فرق نہ آیا۔

عادات وخصائل نہایت متواضع، خوش خلق اور ملنسار تھے شیریں

کلامی، حلم، بردباری، بے تکلفی اور سادگی طرۂ امتیاز تھی۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے۔ شعر و شاعری سے خاص لگاؤ تھا، ادیبانہ ذوق رکھتے تھے۔ لکھنے پڑھنے میں منہمک رہتے۔ علماء و فضلاء کے ساتھ بڑے احترام سے پیش آتے۔ اکابر کی عزت و عظمت کرتے تھے۔ ان محاسن و اوصاف کے ساتھ ظریف الطبع تھے اور نوادر میں یدطولےٰ حاصل تھا۔ تحریر نہایت صاف اور سلجھی ہوئی اور خط بہت پاکیزہ امراء اور وزراء سے بہت اچھے تعلقات تھے۔ معاصر و اقران میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

مختصر واقعاتِ زندگی

رمضان ۸۱۵ھ میں ایک پھوڑا نکلا جس نے سخت بے چین کیا۔ کھانا پینا حرام ہوگیا۔ نیند تک کو آنکھیں ترسنے لگیں۔ چنانچہ اسی ضمن میں الحجازی نے اپنے ایک دوست کو خط لکھا، جس میں اس بلائے بے درماں کا ذکر ان الفاظ میں کیا:-

انہ حدث لی نازلۃ وھی طلوع دمل، کاد ان ینزلنی التراب، و یفرق بینی و بین الاحباب و الاتراب، ولی عشر لیال لا اکتحل بالمنام، ولا اطعموا لطعام۔ فھا انا فی ھذا الشھر الشریف صائم اللیل والنھار، و طائر قلبی قد غشیتہ نار ھذا الدمل فکأنہ السمندل، وکیف لا وھو داخل النار:

لقد طال لیلٌ ساءنی فیہ دمّلٌ　　فاسھر اجفانی ولم استطع صبرا

کأنی بعلم الوقت مغریً فھا انا　　اُراعی نجوم اللیل ارتقب الفجرا

فترانی کلما جن اللیل سلسلتہ بالدموع، ونحل جسمی . . . . . .

فی هذہ العشر لیال لعدم المطعم و الهجوع، والواقع ان البکاء لا یُسمن ولا یُغنی من جوع - فاقسم بالفجر، ولیال عشر، لقد فطّر هذا الصیام قلبی، وقطعنی من المخادیم ورمیت بالنوی فطار لُبّی،

۸۲۶ھ میں روض الآداب ختم ہوئی -

۸۴۰ھ میں الفیۃ العراقی نقل کیا -

۸۴۳ھ میں حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا-

۸۵۰ھ میں قاضی عیاض کی شہرۂ آفاق کتاب الشفا فی حقوق مصطفےٰ پر حاشیہ لکھا اور تمام مشکل الفاظ کی شرح لکھی -

۸۵۲ھ میں اپنے استاذ حافظ العصر شیخ ابن حجر کی وفات پر ایک مرثیہ لکھا

وفات | مصر کا یہ مایۂ ناز ادیب اور بلند پایہ شاعر جو آسمانِ ادب وشعر پہ آفتاب بنکر چمکا - ۷ رمضان ۸۷۵ھ (مطابق فروری یا مارچ ۱۴۷۱ء) کو قاہرہ میں ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا - مگر اسکی تابانی اور تمازت اب بھی اس کی تصانیف کا مطالعہ کرنے والوں کو منور کرتی اور گرماتی ہے - مؤرخین نے تاریخ وفات میں اختلاف کیا ہے - سیوطی ۷ رمضان لکھتا ہے - بانکی پور لائبریری کی فہرست کتب میں ۸ رمضان درج ہے - پھر سن میں بھی اختلاف ہے - جرجی زیدان اور براکلمن ۸۷۴ھ مقرر کرتے ہیں - مگر باقی تمام سوانح نگار ۸۷۵ھ لکھتے ہیں اور یہی صحیح بھی ہے -

الحجازی کی وفات پر قاہرہ کا مشہور شاعر المنصوری (۷۹۹ - ۸۸۷ھ) مرثیہ کہتا ہے - جس میں اپنے ہمعصر ادیب اور شاعر کو ان الفاظ میں خراج تحسین ادا کرتا ہے :

لهف قلبی علی افول الشهاب تحفة القوم نزهة الاصحاب
کان فی مطلع البلاغة يسری فتواری من الثری بحجاب
فقدت بره ايامی المعانی ويتامی جواهر الآداب
هطلت ادمع السحاب عليه وقليل فيه دموع السحاب
وذوالجمع اصبحوحين ولی کلهم جامعاً بره محراب
ياشهاباً طلوعه فی سما الفضل ولکن افوله فی التراب
لک فی ما الفت تذکرة من ما انتقی دره اولوالالباب
روضة اينعت بفاکهة من حسن لفظ کثيرة وشراب
فسقی تربها الرباب لتهتز و تربو علی سماع الرباب
ورأی کسره فقايله الله تعالی بالجبر يوم الحساب

تصانیف شہاب الدین احمد الحجازی کی تصانیف زیادہ تر ادبی حیثیت رکھتی ہیں یا تاریخی۔ مختلف کتب کی ورق گردانی کے بعد الحجازی کی مندرجہ ذیل تصانیف معلوم ہو سکی ہیں:

۱ - التذکرة فی الادب:

نحو سبعین جزءًا (نظم العقیان)، وہی ازید من خمسین مجلدا (حاجی خلیفہ)

۲ - روض الآداب:

نظم و نثر، حکایات و نوادر کا مجموعہ ہے۔ متقدمین و متاخرین کے کلام کے ساتھ الحجازی نے اپنی نثر و نظم کو بھی جگہ دی ہے۔ ۸۲۶ھ میں اسکی تالیف سے فراغت پائی۔ استاذی مکرم پروفیسر محمد شفیع صاحب قبلہ کی عنایت سے اس کتاب کے قلمی نسخے تک رسائی ہو سکی۔ جس کے لئے میں انکا بہت ہی شکر گذار ہوں۔ روض الاداب کا کچھ حصۂ نظم بمبئی میں طبع ہوا تھا جو بہت ناقص

ہے ۔اس کے نسخے برٹش میوزیم و بانکی پور میں محفوظ ہیں۔

۳ - کتاب النیل

۴ - حبیب الحبیب و ندیم الکئیب ۔ مگر حاجی خلیفہ اسکو ندیم الکئیب و حبیب الحبیب لکھتا ہے، اور ساتھ ہی السخاوی کے حوالے سے پہلا نام بھی درج کرتا ہے ۔

۵ - القواعد المقامات من شرح المقامات (سیوطی)

حاجی خلیفہ محض " قواعد المقامات " لکھتا ہے اور ابن العماد " القواعد والمقامات "

۶ - قلائد النحور فی جواہر البحور

صاحب کشف الظنون الحجازی کے حوالے سے لکھتا ہے : ۔

وبعد فانه قد عنّ لی ان استخرج من الکتاب العزیز ماجاء علی اوزان الابحر اتفاقا، ثم بدا لی ان ابنّی علی کل بحر من البحور بیتا علی ما عندی من القصور

اس کا ایک نسخہ برلین میں موجود ہے،

۷ - اللمع الشهابیة من البروق الحجازیة

یہ الحجازی کا دیوان شعر ہے ۔

۸ - مصنف ادعیة یدعی بها عقب قرأة الختمات بحسب الوقائع و المقامات،

۹ - مصنف فی الالغاز و الاحاجی

حاجی خلیفہ کتاب الالغاز کے نام سے ذکر کرتا ہے ۔

۱۰ - اجوبة اعتراضات ابن الخشاب علی الحریری ۔ اسکا ایک نسخہ رائل

لائبریری وینا میں موجود ہے ۔

۱۱ - الدرر المنظومة من النکت المفهومة

حاجی خلیفہ رقمطراز ہے :

ذکر انه لما قرأت علیه المقامات الحریریة ، طالع الشروح فوجد فی شرح الامام ابی الخیر سلامة بن عبد الباقی الانباری نکتا کثیرة ، فجمعها فیه

بہت ممکن ہے کہ کتاب ع۵ اور یہ دونو ایک ہی کتاب کے مختلف اسماء ہوں ۔

۱۲ - کنس الجواری فی الحسان من الجواری

۱۳ - النیل الزائد من النیل الزائد

۱۴ - کتاب الحمقاء و المغفلین لابن الجوزی

شہاب الدین الحجازی نے اس کتاب کو حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دی ۔

۱۵ - کتاب الصوت

۱۶ - مختصر شرح المقامات للشریشی

۱۷ - جنة الولدان فی الحسان من الغلمان

۱۸ - کتاب فی العروض

۱۹ - الزنجبیل القاطع فی طیّ ذات البراقع

خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں قصیدہ عرض کیا ہے ۔ پہلا شعر یہ ہے :

ولیل طویل مسبل النوم مسوّد هدانی الی طعم التأرق والسّهد

اسکو دالیة الحجازی بھی کہتے ہیں ۔ ایک نسخہ برلین میں محفوظ ہے ۔

۲۰- حاشیۃ الشفا

الحجازی کتاب پران الفاظ میں روشنی ڈالتا ہے۔

ولعل انہذا توضیح ماخفی من الفاظ الشفا الخ

۸۵۳ھ میں لکھی گئی۔ اسکا ایک نسخہ برلین میں محفوظ ہے۔

۲۱- مفاخرۃ السماء و الارض

نثر میں آسمان و زمین کا مقابلہ لکھا ہے۔ ایک نسخہ برلین میں محفوظ ہے

۲۲- مفاخرۃ النیل و البحر

مجموعہ نظم۔ پہلا شعر یہ ہے:

سبحان من انشا ظلام اللیل　　خلق ما در عظیم النیل

ایک نسخہ برلین میں موجود ہے۔

۲۳- نیل الرائد فی النیل الزائد

سن ہجرت سے الحجازی کی وفات تک دریائے نیل کے متعلق مکمل معلومات، اسکے مدوجزر کی پوری تاریخ قلمبند کی ہے۔ الحجازی نے اپنے دوستوں کی خواہش پر لکھی۔ لندن، پیرس، ایا صوفیہ اور بانکی پور میں اس کے نسخے موجود ہیں۔

بہت ممکن ہے کہ ۲۲، ۲۳ اور یہ تینوں ایک ہی کتاب کے مختلف نام ہوں۔ ۲۴- تخمیس البردۃ۔

۲۵- نوادر الاخبار و ظرائف الاشعار۔ اسکا مفصل حال درج ذیل ہے: -

پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ایک نادر قلمی نسخہ محفوظ ہے۔ جسکا نام نوادر الاخبار و ظرائف الاشعار" یہ شہاب الدین احمد الحجازی کی

اوبی تالیف ہے، سائز : ۳/۴ ۷" × ۱/۲ ۵"، اوراق : ۶۰، سطور فی صفحہ ۱۷،
صفحۂ عنوان پر واضح الفاظ میں کتاب اور مؤلف کا نام درج ہے۔ مؤلف نے
کتاب کو ان الفاظ سے شروع کیا ہے : ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ
الذی زین ریاض الاداب باورق الغصون، واینع ثمارھا الزاھیة بانواع الحکم
والفنون" کتاب کے مضامین اور نام پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے : ۔
وبعد فھذہ نوادر وظرف، ومحاسن وتحف، مختلفة الترتیب یسرح فی
ریاضھا کل ماھر ادیب، سمیتھا بنوادر الاخبار وظرائف الاشعار فاقول
ومن اللہ القبول، اور کتاب کے اختتام پر کاتب کا نام محمد بن عمر بن نور الدین
الاحدب، اور تاریخ کتابت بروز پیر ۲۶ محرم الحرام سنہ ۱۱۳۱ھ درج ہے،
کتاب کی اہمیت اور ندرت کا اندازہ اس امر سے بخوبی کیا جا سکتا ہے کہ اب
تک الحجازی کے کسی سوانح نگار سے اس کتاب کا پتہ نہیں چل سکا۔ علامہ سیوطی (۱۴۴۵-
۱۵۰۵ م) جو کہ الحجازی کے ہمعصر اور تلامذہ میں سے ہیں دو کتابوں "حسن المحاضرۃ اور
"نظم العقیان" میں ہمارے اس مؤلف کا ذکر کرتے اور اسکی چند کتابوں کی طرف اشارہ
کرتے ہیں، مگر اس کتاب کو نظر انداز کر جاتے ہیں،
اسی طرح گیارھویں صدی ہجری کا بہت بڑا مؤرخ ابن العماد حنبلی (۱۰۳۲-
۱۰۸۹ھ) اپنی کتاب شذرات الذھب فی اخبار من ذھب (جزء : ۷) میں
الحجازی کی صرف تین چار کتابوں کے نام گنوانے پر اکتفا کرتے ہیں اور لطف یہ کہ ان
معدودہ کتب میں نوادر الاخبار کو شامل نہیں کرتے،
سترھویں صدی عیسوی کی مقتدر ہستی حاجی خلیفہ (وفات ۱۶۵۸ م) بھی الحجازی
کی ایک درجن سے زائد تصنیفات کے اسماء سے ہمیں روشناس کراتا ہے مگر دیگر
سوانح نگاروں کی طرح ہمیں یہاں بھی انتہائی مایوسی کا سامنا ہوتا ہے جب ہم یہ دیکھتے

ہیں کہ حاجی خلیفہ ایسا عقابی نگاہ مؤلف جسکے متعلق بجا طور پر کہا جاتا ہے :" اکثر الناس
عیال علی الکتب" بھی اس کتاب کے متعلق خاموش ہے،
ڈاکٹر فلوگل کی تیار کردہ فہرست جو وینا رائل لائبریری کے عربی، فارسی اور ترکی
مخطوطات، اور آلورٹ کی تیار کردہ فہرست جو برلین کے عربی مخطوطات پر حاوی ہے،
الحجازی کی چند کتب کا پتہ دیتی ہیں مگر نوادر الاخبار کے بارے میں سکوت اختیار کئے نظر
آتی ہیں، جرجی زیدان بھی اس نسخے کی موجودگی سے نا آشنا معلوم ہوتا ہے، براکلمن
بھی اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "تاریخ ادب عربی" کی دوسری جلد میں الحجازی
کے حالات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ مگر افسوس کہ انکی دوررس نگاہ بھی اس کتاب تک
نہیں پہنچ سکی، تمام ہندوستانی اور بیرونجات کی مطبوعہ فہارس کتب اس کتاب کے
متعلق خاموش نظر آتی ہیں،

اب صرف چند اہم مخطوطات دیکھنے باقی ہیں جو الحجازی کے حالات پر روشنی ڈالتے
ہیں (۱) الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع للسخاوی - یہ کتاب چھ ضخیم
جلدوں میں ہے اسے نویں صدی ہجری کے متعلق خزانۂ معلومات کہنا بجا ہوگا
(۲) انباء الغمر فی ابناء العمر لابن حجر اور (۳) معجم لابن فہد بھی الحجازی
کے متعلق مفید اور اہم معلومات بہم پہنچا سکینگی - جبتک ان مخطوطات کو دیکھ نہ لیا
جائے قطعیت کیساتھ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا - بہت ممکن ہے کہ یہ نسخے اس
معاملے میں ہماری رہنمائی کر سکیں مگر فی الحال یہ کتابیں ہماری دسترس سے باہر
ہیں - اگر ابن تغری بردی چند سال اور زندہ رہتا تو الحجازی کے متعلق ہماری
معلومات میں کافی اضافہ ہوجاتا - مگر اسکی موت نے جو الحجازی سے ایک برس قبل
واقع ہوئی ہمیں بہت سی معلومات سے محروم کر دیا -

نوادر الاخبار کے مطالعے سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ اس کے مضامین

کے انتخاب و اندراج کے وقت ابن عبد ربہ کی العقد الفرید اور ابن قتیبہ کی عیون الاخبار کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ترتیب میں کوئی خاص چیز مدنظر نہیں۔ مؤلف کو جہاں یہ خیال پیدا ہوا کہ قاری پڑھتے پڑھتے اکتا جائیگا فوراً دوسرا مضمون شروع کر دیا، اس طرح مؤلف نے حسن اختیار کا ثبوت دیتے ہوئے کتاب میں جا بجا تنوع قائم رکھنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ کتاب اوّل سے آخر تک پڑھ جائیے، ذرا تھکن محسوس نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک با ذوق قاری لائق مؤلف کو داد دئے بغیر رہ نہ سکیگا۔ مؤلف نے بہت سے مضامین اختصار کے ساتھ یکجا جمع کر دئے ہیں۔ مؤلف کے اپنے الفاظ میں:

"فھذہ نوادر و ظرف و محاسن و تحف، مختلفۃ الترتیب"

انداز بیان نہایت ادیبانہ ہے۔ جہاں تک نوادر و ظرائف، حکیمانہ اقوال و امثال اور خطب و نصائح کا تعلق ہے، کتاب بہت مفید ہے اور مبتدی کو عیون اور العقد ایسی ضخیم کتابوں سے ایک حد تک مستغنی کر دے سکتی ہے۔

عبد القیوم
میکلوڈ عربک ریسرچ سٹوڈنٹ

اقتباس از تاریخ پنجاب

مصنفہ

مفتی تاج الدین مرحوم

مفتی تاج الدین بن مفتی امام الدین بن قاضی نظام الدین[۱] بن قاضی عبدالباقی زمیندار ببیرا (کذا) نے اپنا نسب بیان کرنے کے بعد کتاب مذکور کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ اسکے بزرگ قصبہ سودہرہ ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ عہد اورنگ زیب میں وہ عہدہ قضای لاہور و دہلی پر سرفراز ہوئے اور خطاب خانی مقرر ہوا' بعد انقلاب سلطنت چغتائی بھی لقب اور عہدہ اسکے بزرگوں کا بنا رہا۔ ۱۸۴۹ء میں بعہد مہاراجہ دلیپ سنگھ [۱۸۴۵ تا ۱۸۴۹] وہ خود بھی عدالت میں جاکر مقدمات شرعیہ مفوضہ عدالت کو بحکم شرعی فیصل کرتا رہا' انگریزی عہد میں بھی وہ مختلف عہدوں پر فائز رہا' اکتوبر ۱۸۴۹ء میں وہ ضلع جہلم میں ڈپٹی کمشنر کا روبکار نویس اور فروری ۱۸۵۰ء میں سرشتہ دار مقرر ہوا۔ لیکن ۱۸۵۳ء میں بیمار ہوکر وطن کو واپس آیا' پانچ سال بعد وہ نائب سرشتہ دار و اظہار نویس درجہ اوّل مقرر ہوکر ضلع گوجرانوالہ میں رہا مگر اسی سال کے آخر میں مستعفی ہوگیا۔ ۱۸۶۷ء میں اسکو کتاب حالات ضلع لاہور مرتب کرنے کو کہا گیا' مگر اسی اثنا میں صاحب ڈپٹی کمشنر کی سفارش سے اسکو چیف کورٹ میں مثلخواں کا عہدہ مل گیا۔ اور چونکہ بسبب اسکی کم فرصتی کے تکمیل کتاب میں دیر ہورہی تھی۔ صاحب ممدوح

---

[۱] ظفر نامہ ص ۱۷ پر ہے کہ ۱۸۰۱ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے مفتی نظام الدین کو خلعت قضا

نے (خان) محمد برکت علی خان کو ارشاد فرمایا کہ تکمیل کتاب میں مدد دیں - چنانچہ انکی امداد سے کتاب ختم ہوئی ' کتاب غالباً ۱۸۷۲ء کے نواح میں ختم ہوئی اس لئے کہ "نام رئیسان لاہور" کے عنوان سے اس نے (ورق ۳۹ ب بعد) پر دیوان رتن چند اور فقیر شمس الدین کی موجودگی کا ذکر کیا ہے' یہ دونو رئیس ۱۸۷۲ء میں فوت ہوئے (دیکھو روسائے پنجاب مرتبہ گرفن ممیسی ' اڈیشن ۱۹۳۰ء ص ۸۶ و ۸۵)

مصنّف نے ضلع لاہور کے حالات لکھنے سے پہلے ایک باب حالات پنجاب پر لکھا ہے جو ایک مقدمہ اور چار فصلوں میں منقسم ہے' آخری دو فصلوں میں سکھوں کا حال دیا گیا ہے جو قیمتی معلومات پر مشتمل ہے - اس لئے کہ مصنّف نے یہ حالات عینی مشاہدے سے لکھے ہیں یا معتبر معاصروں سے لئے ہیں - افسوس ہے کہ اس نسخے میں جو میرے سامنے موجود[1] ہے - کتاب کا یہ حصّہ ناقص ہے اور فصل سوم کا بہت سا حصّہ اور فصل چہارم تمام کی تمام ناپید ہے '

ذیل کا اقتباس موجودہ نسخہ کے باب اول کے آخری اوراق سے لیا گیا ہے جو باب ا کی فصل ۳ کے ضمن ۳ کا تذکرہ ۲ ہے' اس تذکرہ کا عنوان ہے : شروع ریاست مہاراجہ رنجیت سنگھ تا وفات آں ' مہاراجہ کے انتقال کا حال درج کرنے کے بعد مصنّف نے اس کے عہد کے انتظامی حالات دئے ہیں - جو حسب ذیل ہیں - مُصنّف کے بیان میں زبان کی بعض خامیاں ہیں جن سے قاریان کرام کو صفح نظر واجب ہے[2] -

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۰) دی اور انفصال مخاصمہ وراثت وعقود نکاح اہل اسلام کا کام سپرد کیا نیز دیکھو تاریخ لاہور مصنفہ کنہیا لال صفحہ ۵۲ حاشیہ صفحہ ہذا) [1] یہ نسخہ غالباً مصنّف کا خود نوشتہ ہے اسلئے کہ اس میں جا بجا حک و اصلاح موجود ہے جس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خود مصنف نے نظر ثانی کرتے وقت کتاب میں ترمیم کی ہے' اسکے علاوہ جلد پر کاتب کتاب کے خط میں مسودہ تاریخ پنجاب لکھا ہوا ہے ' [2] مصنف نے ہر جگہ ادس' اونیں' ادسپر' اوسکو' بولا یا لکھا ہے' یعنی اعراب بالحروف دیا ہے '

[۳۰ و] کارروائی عدالت اور انتظام ملک اور ریاست کا بیان

کارروائی عدالت

یہ حسن انتظام عدالت بعمل سرکار انگریزی ہے۔ مہاراجہ صاحب کی عملداری میں نہ تھا یعنی نہ تو کوئی مثل مرتب ہوتی تھی اور نہ کسی ضابطہ کی پابندی اور نہ کوئی محکمہ مرافعہ کا تھا صرف زبانی گفتگو پر حق رسی مدعی کی اسی وقت ہو جاتی تھی۔ جن سرداروں کو دعوی وزارت و قرب مصاحبت حاصل تھا۔ جیسا کہ جمعدار خوشحال سنگھ و راجہ دھیان سنگھ و راجہ گلاب سنگھ و سردار عطر سنگھ سندھانوالیہ و سردار ہری سنگھ و سردار جوالا سنگھ بھڑانیہ و سردار دیسا سنگھ مجیٹھیہ و راجہ سوچیت سنگھ اور نہال سنگھ اٹاری والہ اور بعد اسکے شام سنگھ انکو اپنے ملک میں اختیار کلی تھا جیسا چاہتے تھے انتظام کرتے تھے اور انہوں نے اپنے بڑے بڑے (۳۰ ب) کارداروں کو سب طرح کا اختیار دیا ہوا تھا۔ جس پر کاردار تعدّی کرتے تھے اسکی حق رسی جاگیردار کرتا تھا اور جس پر جاگیردار تشدّد کرتے تھے اسکی داد وہی مہاراج کرتا تھا۔ اور صوبہ[1] کشمیر اور ملتان اور پشاور اور امین الملک جالندھر کو بجائے خود اختیارات خود حکمی حاصل تھے۔ لاہور میں ایک عدالتی صدر مقرر رہتا تھا۔ مگر ہر ایک سردار نامی کو اپنے اپنے گذروں کا اختیار بجاے خود حاصل ہوتا تھا۔

---

[1] یعنی صوبہ دار

عدالتی کو اس میں کچھ دخل نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ چوٹ منڈوی وجزوے موتی بازار کی عدالت متعلق جمعدار کے رہتی تھی وکذالک علاقہ ہیرا منڈی و سید مٹھہ متعلق حویلی راجہ دیہان (کذا) سنگھ کے اور بازار ٹبی تا دروازہ ٹنگسالی متعلق راجہ سوچیت سنگھ اور لاہوری منڈی متعلق حویلی شہزادہ کھڑک سنگھ کے تھی۔ مقدمات چوری و رہزنی و خونریزی و دیگر خرخشہ ہای زد و کوب میں اکثر سزا یابی ہوتی تھی۔ خصوص واسطے مقدمات خون کے ایک پیٹی علیحدہ مقرر رہتی تھی جس میں زر خون بہا جمع ہوتا تھا۔ ایسے مقدمات میں ایک ہزار روپیہ تک زر جرمانہ کیا جاتا تھا اور کبھی قصاص کا حکم دیا جاتا تھا'

مقدمات چوری و دیگر فوجداری

اور مقدمات چوری میں سزا مختلف تھی۔ کسی کے ہاتھ کٹوائے جاتے تھے۔ اور کسی کا ناک اور کسی کو پھانسی دیا جاتا تھا اور کسی کو چند روز قید کر کے چھوڑ دیتے تھے' اور چور کے ہمراز اور مددگار چور کو بھی وہی سزا دی جاتی تھی جو اصل چور کے واسطے تجویز کی جاتی تھی۔ جو شخص ایک دفعہ گرفتار ہو کر اور رہا ہو کر دوبارہ چوری میں گرفتار ہوتا تھا۔ تو اس کے ہاتھ یا ناک اور کان کٹوائے جاتے تھے اور علاوہ اس کے لوٹ لیا جاتا تھا یا بعد تشہیر جلا وطن کیا جاتا تھا یا قیدیان بلا میعاد میں کوتوالی میں قید رہتا تھا۔ راجہ دھیان سنگھ اکثر چوروں کی بن شتالنگ کٹواتا تھا' اور کبھی کبھی مقدمات جعل اور حلف دروغ میں بھی ہاتھ کٹوائے جاتے تھے' اور زنا میں صرف جرمانہ کی سزا مقرر تھی' اور نمکحرام اور بغی اور مفسد کو قلعہ کانگڑہ یا گوبند گڑھ وغیرہ میں مدت العمر قید کر دیا [جاتا] تھا اور وظیفہ ہر ایک کا مقرر ہو جاتا تھا مگر قیدیان کو توالی سے بھیک منگوائی

جاتی تھی اور متسلسل ہوتا قیدی کا خصوصیت کسی ضابطہ سے نہیں رکھتا تھا۔ مقدمات دادستد میں بھی مدعا علیہ مدیون کو پابزنجیر یا پابہ ترٹ[1] کر دیتے تھے'

مقدماتِ دیوانی

مقدمات دادستد میں کوئی حد سماعت مقرر نہ تھی۔ حقیقت حال پر لحاظ کیا جاتا تھا اور بصورت راستی قرضہ باپ کا بلکہ دادے کا بیٹے اور پوتے سے باوصف گذرنے عرصہ سو برس کے دلایا جاتا تھا۔ جس مقدمہ میں مدعی علیہ اقبال نہیں کرتا تھا اکثر حلف مدعی یا مدعی علیہ یا ثالث آدمی پر فیصلہ ہوتا تھا اور انحال (۲۰ ء) کہ مدعی علیہ نے بدنیتی سے جائداد چھپائی ہو علاوہ ایصال[2] زر دعوی جرمانہ لیا جاتا تھا وکذا اگر مدعی یا مدعی علیہ جھوٹا دعوے یا رد جواب پیش کرتا تھا تو بے جرمانہ کسی کو نہیں چھوڑا جاتا تھا و بصورت نادہندی تشدد کیا جاتا تھا اور مدیون مفلس اکثر معاف رہتا تھا۔

آمد مقدمات دیوانی

بعد ایصال زر دعویٰ چہارم دعوی حق سرکار ہوتا تھا اور زمین ربع حق دعویدار کا

قاضی۔ مفتی اور پنڈت کا بیان

مقدمات نکاح اور طلاق و ہبہ و تقسیم وراثت و فرائض مسلمانان و دیگر خرخشہ ہائے مذہبی باستفتاء قاضی ہوتی تھی اور قاضی کو علاوہ فیصلہ مقدمات شرعیہ اجرای قبالہ جات بیع و رہن و تقسیم و ابراء و صلح و نکاح و طلاق کا اختیار تھا اور اپنے موہر سے تحقیقات کر کے اجرا کرتا تھا۔ جو کوئی شخص قبالہ بے موہر قاضی لکھوتا تا سند نہیں سمجھا جاتا تھا' اور طریق اجراء قبالہ جات کا اس طرح پر تھا کہ اول بیعنامہ لکھا جاتا تھا اور صرف اس میں نام اور سکونت اور قومیت فریقین مقر اور مقرلہ اور تعداد مبیعہ لکھا جاتا تھا اور وہ معرفت محلہ دار بر سر موقع حسب شفعاء کو سنایا جاتا تھا اور ایک میعاد دی جاتی تھی کہ جسکو کچھ استحقاق ہو حاضر ہو کر

---

[1] مصنف نے پہلے لکھا تھا "سوا ے۔ سکے ایک ترب چوبی ہوتا تھا جسمیں پانو قیدی کا بند کر کے قیدی سے حرکت کراتے تھے" پھر اسکو قلمزن کر دیا ہے

[2] یعنی وصولی زر استعمال ہوا ہے'

دعوے کرے۔ پس اگر سب لوگ اسپر گواہی کر دیتے تھے تو قبالہ بلا دیر و درنگ لکھا اور مکمل کیا جاتا تھا اور جو لوگ گواہی کرنے سے عذر کرتے تھے انکی انتظار کی جاتی اور حقیقۃ الحال پہ خیال کیا جاتا تھا یعنی اگر دعوی مدعی واجبی ہوتا تھا تو قبالہ اجرا نہیں پاتا تھا اور دیگر صکوک میں بھی پہلے معرفت محلہ دار اہل کوچہ کو سب امر سے متنبہ کیا جاتا تھا اور اہل محلہ ہی کی گواہی اور پنچایت پر اکثر فیصلہ عمل میں آتا تھا: پانچ روپیہ سینکڑہ حق قاضی و مفتی و صکاک و محلہ دار ہوتا تھا اور تین روپے سینکڑہ حق پیمائش واسطے پیمائش کرنیوالوں کے علاوہ اسکے دو روپیہ یومیہ عدالت میں واسطے قاضی کے مقرر تھا چنانچہ نامہ نگار عہد مہاراجہ دلیپ سنگھ میں لیتا رہا اور اسطرح کا چرچہ محکمہ شرعیہ کا الی خاتمہ مہاراجہ دلیپ سنگھ [۱۸۴۵ء تا ۱۸۴۹ء] بنا رہا اور پنڈت کیواسطے بھی مواجب مقرر تھا۔ سمت ۱۸۸۴ [۱۸۲۷ء] میں موہر ہائے شرعیہ جس میں کھودا ہوا ہوتا تھا نام شریعت کا ضبط کر کے موہر ہای اکال سہای عنایت ہوئیں۔[۱] اور ساتھ مہر قاضی کے ایک موہر پنڈت کی اور (۳۸ ب) ایک موہر سیکی اور پشت[۲] قبالہ پر موہر چبوترہ کی کہ بتحویل بہیہ ہری سنگھ رہتی تھی شروع ہوئی،

عدالت کمان افسران

کمان افسروں کو عدالت فوج میں بذات خود اختیار تھا اور رپٹ ہر روزہ عدالت اور خیر عافیت اور ضروریات مصارف فوج کی راجہ دھیان سنگھ سنتا تھا اور اس میں سے کوئی امر جو اہم مطالب ہوتا تھا مہاراج کے گوش گذار کیا جاتا تھا۔ مہاراج خفیہ تحقیقات کرنے کا بڑا ڈھب تھا اور عدالتی کا حال اکثر غربای لاہور سے اور کارداروں کا حال زمینداران دیہات سے پوچھ لیا کرتے تھے۔ جو کوئی فریادی کسی صوبہ یا امین الملک یا کسی کاردار پر آتا تھا۔ اسی وقت پروانہ اس کاردار یا صوبہ کے نام اسکی غور رسی کیواسطے لکھا جاتا تھا۔ سب صوبوں اور مالگذاروں سے دیوان ساون مل بہت نیکنام آدمی تھا اور مہاراجہ صاحب[۳] بھی اس سے خوش رہے۔ جو مقدمہ گھر میں خود بخود فیصلہ پاتا تھا اسمیں اہلکاران عدالت کو کچھ سروکار

---

[۱] مغلوں کے عہد میں قاضی کی مہر پر "خادم شرع شریف فلاں کھدا ہوا ہوتا تھا۔ اسکی طرف اشارہ ہے [۲] اصل: قبالہ کی پشت قبالہ پر [۳] دیکھو ظفر نامہ صفحہ ۲۴

نہیں ہوتا تھا مگر چہارم سرکاری لی جاتی تھی اور بعضے عدالتی مخبر رکھ کر اکثر لوگوں کو ایسے معاملات میں گرفتار کر لیتے تھے اور چند رسمیں بموجب استحباب اکثر اقوام اولے الاسلام برخلاف[1] شرع مقرر تھیں۔ چنانچہ اقوام جٹاں میں بھرجائی بیوہ بے اجازت دیور اور جیٹھ کے دوسرے کسی سے نکاح نہیں کر سکتی تھی اور درصورتیکہ بیوہ بیوہ ہو کر بیٹھنا قبول کرتی تھی اسپر بطور تحکم دیور اور جیٹھ بھی زبردستی نکاح نہیں کر سکتا تھا (کذا)
دوسری یہ کہ جو کوئی عورت بیوہ اپنے خاوند متوفی کے حق سے نکلکر کسی آدمی سے نکاح پڑھا لیتی تھی اکثر قوموں میں وراثت شوہری سے محروم ہو جاتی تھی '
تیسری مانند ہنود کے بعضی اقوام مسلمانان جٹ میں رسم تھی کہ جائداد پدری سے بنات کو ورثہ نہیں دیتے تھے اور اقوام راجپوتاں و اولاد گورواں میں بنات کو وقت ولادت قتل کر دیتے تھے ' سب عدالتیوں سے شہزادہ شیر سنگھ اور ونتورا صاحب بہت اچھے عدالتی لاہور میں ہوئے۔ کہتے ہیں کہ سمت ۱۸۹۲ [=۱۸۳۵ء] پلٹن میں بعہد عدالت شہزادہ شیر سنگھ ایک سپاہی ونتورا صاحب کا چھاؤنی انارکلی سے لاہور میں آکر وقت واپسی کے دو پیسہ کا جغرات دونے میں لیگیا۔ ڈیرہ میں جاکر اسکو کم پایا اور مقدمہ کم وزنی کا دائر ہو کر جغرات فروش لاہور سے بلایا گیا اور اس سے جرمانہ لیا گیا اور جوتیوں کی مار علاوہ کی گئی۔ بعد رہائی کے وہی فروش پاس شہزادہ صاحب کے جاکر دادخواہ ہوا اور شہزادہ صاحب نے اس سپاہی کو چھاؤنی سے طلب کر اکے مقدمہ کا حال دیکھا اور سنا اور سوچا کہ کمی دہی کے بسبب متقاطر ہونے کے ہوئی ہوگی۔ چنانچہ اس امر کی تصدیق کیواسطے ایک آدمی کو لاہور بھیجکر دونے میں دہی منگوایا گیا اور بسبب متقاطر ہونے کے اس موقع پہنچنے تک کم پایا گیا۔ آخر سپاہی (۱۹۳) پر جرمانہ ہوا اور سابق جرمانہ جو دہی فروش پر ہوا تھا واپس دلایا گیا ' مہاراج کے روبرو جو عدالت ہوتی تھی اکثر اس میں فریقین کی طرف امرای دربار حامی ہوتے تھے اور اس عدالت میں سب کو

---

[1] اصل : چند رسمیں برخلاف

عبرت ہو جاتی تھی۔ اکثر مہاراجہ صاحب نے مجرمان خونی کو با وصف اقرار مصلحتاً چھوڑ دیا۔ چنانچہ میاں دیہان رکذا) سنگھ اور گلاب سنگھ جو سواروں میں نوکر تھے اپنے باپ کے قاتل کو بقصاص پدری قتل کرکے از خود روبروی مہاراج کے آکر اقراری ہوئے اور معاف کئے گئے بلکہ اس راست گوئی میں انکی ترقی ہوئی اور اس قتل کو فعل غیرت سمجہا گیا۔ جس زمانہ میں بی موراں طوائف کو رتبہ مصاحبت حاصل تھا اور مہاراج اسکی محبت میں انواع تکالیف گوناگوں اپنے اوپر گوارا رکھتے تھے۔ بی موراں نے ایک کشمیری کی لڑکی کو جو بہت شکیلہ تھی اسکے وارثوں سے چھین لیا اور کشمیری بحضور مہاراجہ صاحب دادخواہ ہوا اور مہاراجہ صاحب نے اس لڑکی کو روبروئے اپنے طلب کرکے برخلاف مقتضای بی موراں اسکا نکاح ساتھ ایک داروغہ اسطبل کے کر دیا اور اسکے گذارہ کے واسطے روپیہ یومیہ لگا دیا بعد چندے بی موراں نے ایک ہندو کو مسلمان کیا۔ اور مہاراجہ صاحب نے برخلاف مقتضای صحبت رکذا) واکابر ہنود بی موراں سے اس امر میں کچھ نہ کہا اور نہ کوئی چشم نمائی کی، برہمنوں نے اس حقارت مذہب کو ناپسند کرکے بہت انبوہ کیا اور دریا پہ واسطے پرا دی مہاراج کے پرایوگ[1] بیٹھے مگر مہاراج نے کچھ پرواہ نہ کی،

بیان نظامت

ابتداءِ عمل میں نہ کوئی دفتر تھا اور نہ کوئی دیوان اور نہ تشخیص اس امر کی کہ مشخصہ از روئے حیثیت دیہہ کتنا چاہئے، صرف زبانی گفتگو پر کارواروں کو ایک نمبر پر ملک دیا جاتا تھا نہ کوئی قاعدہ ایصال معاملہ تھا نہ کوئی ضابطہ تشخیص محال کا اور جمع خرچ بھی اکثر زبانی بھگتایا جاتا تھا اور کاردار اپنی مرضی سے اپنے حکم سے جس کسی کو چاہتے تھے بطور جاگیر یا انعام یا دھرم ارتھ زمین دیدیا کرتے تھے۔ خواہ دوسرا کاردار اسکو منظور کرے یا رکھے

---

[1] ظفرنامہ ص ۱۷۲ : پرایوگ کہ در ہند زبن رسم ہنود از عبادات متعدد (؟) ممتحنہ می باشد،

بعد جانی جسونت رائے مرہٹہ کے بموجب رسم و سیاق فارسی باہتمام دیوان دیوی داس اور بھوانی داس اور بعد اسکے دیوان دینا ناتھ ترتیب دفتر کی ہوئی۔ جو ملک مصاحبوں کو سپرد ہوتا تھا اس میں کچھ گذارہ اسکی سرداری کا ہوتا تھا اور کچھ حاضری فوج کی لی جاتی تھی اور کچھ بطور اجارہ مشخصہ پر دیا جاتا تھا، امیروں نے اپنی طرف سے کاروار مقرر کر رکھے تھے۔ مگر ہم انجام کارداروں کا (۲۹ ب) ہمیشہ بد دیکھتے رہے۔ اکثر کاروار خیانت یا تغلب مال سرکار یا بقیہ زر مشخصہ میں ماخوذ ہوکر در دفتر پر مہینوں اور برسوں تک جوتے چٹخاتے تھے اور جو کوئی روپیہ دینے میں عمداً ایام گذاری کرتا تھا بانواع عقوبت ہائے بنگارنگ گرفتار اور پامال رہتا تھا اور نہایت بدنام نہایت سختی میں مبتلا رہتا تھا اور جس کی سفارش پہنچ جاتی تھی یا روپیہ ادا کر دیتا تھا۔ قید سے رہا ہوکر بدستور سابق سرفرازی پاتا تھا اور لاوارث آدمی کا خدا حافظ!

واسطے مطالبہ زر محاصل کے کوئی وقت مقرر نہ تھا اور نہ رسم اقساط کی۔ بسا اوقات تو ایسا ہوتا تھا کہ کاروار جب اپنے ملک پر پہنچ جاتا تھا۔ متعاقب اسکے بھیتہ سرکاری ایک تنخواہ لیکر حاضر ہوتا تھا۔ اگر کاروار اس شخص کو کچھ دیکر راضی کر دیتا تھا تو چار دن کی سہولت حاصل کر لیتا تھا ورنہ وہ بھیتہ واسطے اسکے بیعزتی کرنے کے کافی ہوتا تھا، اور رسم تھی کہ کاروار لوگ اپنے ملک میں جاکر سر گاؤں ایک روپیہ نذرانہ اپنا اوگرا [اُگاہ] لیتے تھے اور جو شخص نہیں دیتا تھا بیعزت ہوتا تھا اور لکڑی اور گھاس اور بھوسے کا تو کوئی دام نہیں دیتا تھا۔ جو اجارہ وار کاروار ہوتے تھے انکی کوئی تنخواہ نہیں ہوتی تھی۔ مگر جو کاروار امین ہوتے تھے وہ ضرور نوکری پاتے تھے اور معاملہ بموجب کنکوت لیا

---

[1] یہ واقعہ ۱۸۰۵ء کا ہے دیکھو، ظفر نامہ صفحہ ۳۴،

جاتا تھا - بظاہر تو حق سرکار چہارم حصّہ مقرر تھا - مگر درحقیقت زمیندار کے پلّے میں روپے سے بہر بھی نہیں رہتا تھا "

رقم فروعی کا بیان

سوائے زر مشخصہ کے ایک رقم فروعی ہوتی تھی - ہمچو آمدنی عدالت و دیگر ٹھیکہ ہائے و رسوم و جرمانہ ہائے تجاوز حدود ماموره و بہتنہ[1] علاوہ اس کے اور کئی طرح کے مطالبے تھے چنانچہ واسطے چارے ہاتھیوں کے فیلبان اور جریکٹے جدا جاتے تھے اور حسب مرضی شکم سیر اور مطلب بر آر ہو کر واپس آتے تھے - اہل حرفہ پر بھی طرح طرح کے محصول تھے جیسے کہ اب آمدنی وھرت وچنگی وچوکی وارہ مقرر ہے - مگر یہ رقمیں امور واجبی ہیں اور با سلیقہ وصول کیجاتی ہیں - اس وقت نہ کوئی سلیقہ ایصال کا تھا اور نہ لحاظ حیثیت حال محال پر لاہور میں ایسی آمدنیوں کا اجیر بھیّہ ہری سنگھ تھا اور اجارہ دیتا اور معاف کرنا یا گھٹاتا یا بڑھانا رقموں کا یہ اختیار راجہ دھیان سنگھ تھا "

تفصیل محالوں کی تو میں نہیں لکھ سکتا کہ صدہا تھے - مگر چند محال بطور مشتے نمونہ خروار لکھے جاتے ہیں - چنانچہ جو چاندی سونے کا کام کرتا تھا - سب محصول دیتا تھا - وعلیٰ ہذالقیاس سب اہل حرفہ پابند ادا تھے - ایک رقم کنجروں پر مقرر تھی کہ جو کوئی طوائف کسی طوائف یا میراسی قوم سے آشنائی کرتی تھی پانچسو روپے جرمانہ دیتی تھی - اور امرتسر میں کنجروں پر ایک اور رسم تھی کہ انکم ٹیکس انکی معاش سے کچھ لیا جاتا تھا - جو سُوسی کا پاجامہ پہنتے تھے وہ کم دیتے تھے اور جو گلبدن (؟) پوش رہتے تھے ان سے زیادہ لیا جاتا تھا - کنجروں کو اپنے گھر کا اختیار تھا - یہ ممکن نہیں تھا کہ کوئی کنیزک

---

[1] اصل: بہتنہ" مشکوک ہے ؛

اپنی ذات کو مختار سمجھ کر دوسری جگہ جا بیٹھے۔ موچیوں پر سوائے محصول حرفہ ایک اور رسم تھی کہ جو کوئی لاہور میں جوتا چھوٹے کام کا بناتا تھا اس سے جرمانہ لیا جاتا تھا۔ بیوہ عورت بھی بے ادائے زر محصول سرکار نکاح نہیں کرا سکتی تھی۔ قمار باز بھی قمار بازی کا ٹھیکہ دیتے تھے۔ بردہ فروشی کی بھی کوئی ممانعت نہ تھی۔ بلکہ یہ بھی ایک محال تھا۔ البتہ ایک شراب اور افیون پر کچھ محصول نہ تھا"

صوبہ[1] پشاور۔ صوبہ کشمیر اور صوبہ ملتان کو تو ہر امر میں اختیار کلّی تھا۔ راجہ دھیان سنگھ بھی بحکم خود ان پر حکم نہیں کر سکتا تھا۔ سب ملکوں سے ملک پشاور اور ہزارہ اور ڈیرہ غازیخان و ڈیرہ اسمٰعیل خان دینوں بہت سخت تعلقے تھے۔ ہمیشہ واسطے ایصال بقایا کے فوج کو وہاں جانا پڑتا تھا۔ کشمیر[2] میں ابتدا عملداری میں دیوان موتی رام صوبہ اور ساتھ اسکے شیخ غلام محی الدین معتمد کل بنا کر بھیجا گیا اسوقت بسبب قلت جمع کشمیر رعیت آسودہ اور حساب بیباق رہا۔ بعد ان کے سردار ہری سنگھ گیا۔ وہ بھی تھوڑی مدت رہکر چلا آیا۔ اور بجائے اسکے چونی لال مالیر کوٹلیہ بھیجا گیا۔ اس سے محاصل سرکاری ادا نہ ہو سکا اور نہ رعیت راضی رہی۔ اسواسطے تھوڑی ہی مدت میں واپس بلا یا گیا اور دیوان کرپا رام ولد دیوان موتی رام بھیجا گیا کہ چند برس تک رہا۔ اسنے رعیت کو آباد کیا اور محاصل بھی بڑھایا۔ سرکار سے صرف

---

[1] یعنی صوبہ دار

[2] Stokvis نے ج ۱ ص ۲۴۲ پر سکھوں کے عہد کے گورنران کشمیر کی فہرست حسب ذیل دی ہے:

۱- موتی رام	۱۸۱۹ - ۱۸۲۰	۲- ہری سنگھ نلوا	۱۸۲۰ - ۱۸۲۲
۳- موتی رام	۱۸۲۲ - ۱۸۲۳	۴- گورمکھ سنگھ	۱۸۲۳ - ۱۸۲۵
۵- کرپا رام	۱۸۲۵ - ۱۸۳۰	۶- بہما سنگھ	۱۸۳۰ - ۱۸۳۱
۷- شیر سنگھ	۱۸۳۱ - ۱۸۳۲	۸- مہان سنگھ	۱۸۳۲ - ۱۸۴۱
۹- غلام محی الدین	۱۸۴۱ - ۱۸۴۵	۱۰- امام الدین	۱۸۴۵ - ۱۸۴۶

تیس لاکھ پر ملک لے گیا تھا اور بہ حساب ۲۴ لاکھ بھیجتا رہا - بعد اسکے بہما سنگھ[1] اردلی بھیجا گیا - اس سے بھی انتظام نہ ہو سکا اسلئے بتغیر اسکے شہزادہ شیر سنگھ اور ساتھ اس کے دیوان بیساکھا سنگھ بھیجا گیا - مگر بہ سبب شکایت بے انتظامی مہاراج نے بیساکھا سنگھ کو بلوا کر قید کر لیا اور جمعدار خوشحال سنگھ کو مدار المہام قرار دیکر بھیجا - اتفاقاً ایسی قحط سالی ہوئی کہ آدمی کو آدمی کھانے لگا اور ہزارہا آدمی بھوک سے مر گئے - حتیٰ کہ محاصل بھی جاتا رہا - پس مہاراج نے انکو بھی بلوا لیا اور بجائے اسکے سمت ۱۸۹۰ [= ۱۸۳۳ء] میں کرنیل میہان سنگھ کو (۴۰ لاکھ) بھیجا گیا - جو سمت ۱۸۹۸ [= ۱۸۴۱ء] تک رہا - اسکے عمل میں بھی رعیت آسودہ رہی '

ملک کانگڑہ و کوہستان شرقی و دامن کوہ سپرد سردار لہنا سنگھ مجیٹھیہ کے تھا آمدنی اس ملک کی زیادہ[2] انیس بیس لاکھ کے رہی - اس میں کچھ فوج کی حاضری لی جاتی تھی اور کچھ زر نقد اور کچھ واسطے گذارہ کے معاف تھا '

قصبہ ڈیرہ نانک و دیگر علاقہ ہای گرد و نواح قریب چار پانچ لاکھ کی آمدنی بابا صاحب سنگھ بیدی اور بعد اس کے بابا بکرما سنگھ اسکے متبنیٰ کو معاف رہی '

علاقہ بٹالہ بعد از رانی سدا کور شہزادہ شیر سنگھ کو عنایت ہوا - اس سے بھی کچھ حاضری فوج کی لی جاتی تھی '

---

[1] ظفرنامہ ص ۱۶۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۲۴ء میں دیوان موتی رام کو کشمیر سے معزول اور بہمان سنگھ کمیدان کو اسکی جگہ متعین کیا گیا ' پھر چونی لعل ۲۷ لکھ کے اجارہ پر ناظم مقرر ہوا ' ص ۱۷۰ - یہ وقائع ۱۸۲۶ء میں لکھا ہے کہ چونی لعل و گورکھو سنگھ کمیدان کو معزول کیا گیا ' اور دیوان کرپا رام کو ناظم کشمیر بنایا گیا - اجارہ ۲۶ لاکھ روپیہ سوائے اخراجات و جاگیرات قرار پایا - دیوان نے شیخ غلام محی الدین کلال ہوشیار پور کو اپنا نائب قرار دیکر خوب بندوبست ملک کا کیا ' نیز دیکھو ص ۲۲۲ [2] اصل : زیادہ زیادہ

اور تخمیناً سولہ لاکھ روپے کا ملک آن روی دریائے ستلج واقع تھا اور اسکا روپیہ معرفت وکلائے مقیمی فیروزپور و لودیانہ آتا تھا ،

علاقہ کریانوالہ اور کبھی کبھی سیالکوٹ بھی کشمیرا سنگھ اور پشورا سنگھ کو معاف تھا اور قصور اور کچھ ملک ماہجہ سردار شام سنگھ اٹاریوالہ کے پاس اور باقی اضلاع اور تعلقوں پر اجیر یا کاردار امین مقرر تھے۔ مگر ملک دوآبہ اکثر بتحویل شیخ غلام محی الدین یا مصر رام کشن کے رہا -

تخمیناً چہارم حصہ کل ملک کا بطور جاگیر یا دھرم ارتھ معاف تھا اور سہ ربع مال خالصہ تھا - ریزہ ریزہ معافی بھی بہت تھی اور کوئی تعلقہ خالی از معافی و جاگیر نہ تھا - چودھریان دیہات کے واسطے بھی عوض حق چودھرات کے اکثر زمین معاف ہوتی تھی اور کچھ نقد بھی پاتے تھے ،

ملک وزیرآباد پر عرصہ دراز تک اوی طویلہ صاحب امین الملک مقرر رہا - اور اس کے زیر حکومت رعیت نے بہت آرام پایا اور صورت محاصل پیدا ہوئی پہلے یہ شخص پہاڑ میں امین تھا پیچھے اس ملک میں آیا - عدالت مانند سررشتۂ انگریزی کے بلا رُو و رعایت اور بہ ترتیب مثل کرتا تھا - اور چوروں اور رہزنوں اور نمک حراموں کو خوب پہچانتا تھا - وزیرآباد کو مقطع اور خوش وضع اسی نے بنایا +

بیان خزانہ مہاراجہ صاحب

ابتدا عملداری کارروائی مہاراج کی آئی چلائی پر تھی یعنی جیسا روپیہ آتا تھا ویسا خرچ ہو جاتا تھا اور چونکہ آمدنی خرچ سے کم تھی اس لئے اکثر احتیاج قرض کی رہتی تھی - پھر چند مدت تک خزانہ سپرد مہاجنوں کے رہتا رہا ، بعد نصیحت جسونت رای ہولکر کے صرافوں سے لین دین موقوف

کرکے مخزن مقرر کیا، ضرب روپیہ مہاراج کی اس شعر پر تھی فرد
دیغ[1] [دیگ] تیغ و فتح و نصرت بیدرنگ۔ یافت از نانک گورو گوبند سنگھ
حالت تعشق میں مہاراج نے ضرب بنام بی بی موراں[2] لگائی اور وہ [illegible]
بھی برابر رائج رہا، ایک خزانہ اندر قلعہ کے تھا جس پر مصر بیلی رام افسر تھا اور
دوسرا خزانہ باہر قلعہ کے تھا۔ جس پر مصر لعل سنگھ مختار تھا مگر گران بہا
شئے قلعہ والے خزانہ میں رکھی جاتی تھی اور کچھ روپیہ نقد موتی مسجد میں جسکو
موتی مندر کہتے تھے جمع تھا۔ بعد تیاری (ناقص)

ایڈیٹر

اِطلاع

سررشتہ تعلیم پنجاب کے سرکلر ۶ نمبر سلسلہ ۱۴۷۹۷ ب
مورخہ ۲۶ ر نومبر ۱۹۲۶ء کے رُو سے اورینٹل کالج میگزین
سیکنڈری اور نارمل سکولوں کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہے۔

(دیکھو نمبر ۶۹) (ادارہ)

---

[1] دیکھو ظفرنامہ ص ۱۷ ، [2] دیکھو تاریخ لاہور صہ ۱۸۲

مسجد وزیر خان لاہور کے بعض کتبات

حکیم علیم الدین المخاطب بوزیر خان چینوٹ (پنجاب) میں پیدا ہوا۔ طبابت میں مہارت حاصل کی اور اسی تقریب سے شاہزادہ شاہجہان سے تقرب پیدا ہوا۔ قرب اور مزاج شناسی کی وجہ سے داروغہ عدالت لشکر، پھر دیوان بیوتات کا عہدہ پایا، اور اسکے بعد دیوانی سرکار شہزادہ مذکور پر فائز ہوا، جب شاہجہان تخت نشین ہوا تو حکیم صاحب کو پنجہزاری ذات و سہ ہزار سوار کا منصب ملا۔ علم و نقارہ مرحمت ہوا اور ایک لاکھ روپیہ نقد انعام ملا۔ بعد میں پنجہزار سوار کے منصب پر ترقی پائی۔ پانچویں سال جلوس میں وزیر خان صوبہ دار پنجاب مقرر ہوا اور سات سال سے زیادہ مستقلاً اس عہدے پر فائز رہا، چودھویں سال جلوس میں اکبرآباد کی صوبہ داری پائی اور دس ماہ کے بعد ۱۰۵۰ھ میں قولنج کے عارضہ سے فوت ہوا[1]
وزیر خان نے بہت آثار خیر چھوڑے ہیں۔ لاہور میں جو کچھ بنوایا اسکا ذکر آگے آتا ہے، وزیرآباد کا شہر اسی کا بسایا ہوا ہے اپنے مولد چنیوٹ کے گرد اسنے پختہ فصیل بنوائی، راستہ بازار، دکانیں۔ مساجد، سرائے، دارالشفا، کنواں، تالاب بنوا کر اسنے سب چیزوں کو وہاں کے لوگوں پر وقف کیا اور اپنے وطن کو ایسا آراستہ کیا کہ ہندوستان بھر میں کسی امیر کو میسر نہ آیا۔ مگر وطن جانا اسکو نصیب نہ ہوا اور ہمیشہ یہی حسرت اس کے دل میں رہی[2] وہ مرد سلیم النفس نیک پہلو تھا، ساری عمر سادگی اور بے تکلفی سے .... بسر کی اور اخراجات کم رکھے گو روپیہ بہت پیدا کیا، وزیر خان نے لاہور میں متعدد عمارتیں یادگار چھوڑیں مآثر میں ہے کہ حمام، بازار اور کئی حویلیاں اور مسجد جامع بنوائی جو یادگار زمانہ ہے۔ ان عمارتوں میں سے ذیل کی عمارتیں ابھی باقی ہیں :۔ (۱) مسجد وزیر خان (۲) ایک اور کاشی کار مسجد جو ٹکسالی دروازہ کے قریب ہے (۳) بارہ دری جس میں اب پبلک لائبریری ہے اور جس کے گرد کھجوروں کا باغ بھی

---

[1] وزیر خان کے حالات مآثر الامرا ج ۳ ص ۹۳۳ بعد سے ماخوذ ہیں، [2] باوجود اس کے صاحب مآثر نے لکھا ہے " افسوس کہ کرم وجود نداشت " !

وزیر خان نے لگوایا تھا۔ ان کے علاوہ بقول صاحب تحقیقات چشتی ص ۶۷۸ پری محل جو دروازہ شاہ عالمی کے اندر ایک عالیشان حویلی ہے وہ بھی وزیر خان نے بنوائی تھی۔

بلاک پرنٹ جو اس رسالہ میں شائع کیا جاتا ہے وہ مسجد وزیر خان سے متعلق ہے۔ اس مسجد میں جسکی کاشی کاری مشہور عالم ہے جا بجا کاشی کار جلی کتبے بخط نستعلیق و ثلث لکھے ہوئے ہیں۔ جن میں سے چار کتبوں کے فوٹو ڈاکٹر ایس ایس بھٹناگر ڈائرکٹر کیمیکل لیبریٹریز پنجاب یونیورسٹی اور اڈیٹر کے ہمراہی میں انکے ایک شاگرد نے بنائے اور نومبر ۱۹۳۴ء میں انکو چھپوایا گیا۔

ان چاروں کتبوں کی تفصیل درج ذیل ہے:-

(۱) یہ کتبہ مسجد کے مشرقی دروازے کے بائیں جانب لکھا ہے:

دہقان درود محشر اے نیک سرشت هو در مزرعہ جہان ہر آن چیز کہ کشت

درباب عمل بندی خیرے بگذار کاخر ہمہ را رہست ازین در بہ بہشت

کتبہ محمد علی

دائیں طرف اس کے مقابل میں یہ کتبہ ہے:

ہو الجامع

این خانہ کہ ہست چون فلک مظہر فیض دارد چو حریم کعبہ سر در سر فیض

بر چہرۂ اہل قبلہ این در بمراد تا حشر کشادہ باد ہمچون در فیض

مشرقی دروازہ کے اوپر لکھا ہے: افضل الذکر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' اور نیچے ۱۰۴۵ سن دیا ہے جو سال تکمیل مسجد ہے۔ اور اسکے دائیں طرف: در عہد ابو المظفر صاحب قران ثانی شاہ جہان بادشاہ غازی اتمام یافت' اس سے نیچے: بانی بیت اللہ ثانی فدوی با اخلاص مرید خاص الخاص قدیم الخدمت وزیر خان' اور اسکے بائیں طرف:

سال تاریخ بنای مسجد عالی مقام از خرد جستم بگفتا سجدہ گاہ اہل فضل ۱۰۴۴

اہل تاریخ این بنای چو پرسیدم از خرد گفتا بگو کہ بانی مسجد وزیر خان ۱۰۴۴

(جن الفاظ کو ہم نے خط کشیدہ کر دیا ہے۔ انمیں مادۂ تاریخ ہے)

ؔ دیکھو لاہور مصنفہ محمد لطیف (بذریعہ فہرست مضامین)، و تحقیقات چشتی (طبع ۱۳۲۳ھ) ص ۶۶۳ ببعد۔

(۲) یہ کتبہ صحن مسجد کے مشرقی دروازے کے اوپر بہت جلی لکھا ہے '

(۳) یہ کتبہ مسجد کے مغربی مسقف ایوان کے وسطی طاق کے بائیں طرف پہلے اور دوسرے طاق کے درمیان تیرہویں جانب پر بخط ثلث لکھا ہے : قال علیہ السلام من ادرکہ الاذان فی المسجد ثم خرج لم یخرج لحاجۃ وھو لا یرید الرجعۃ فھو منافق قال علیہ السلام من یسمع النداء فلم یجبہ فلا صلوٰۃ لہ الا من عذر صدق رسول اللہ

(۴) یہ کتبہ محراب مسجد پر لکھا ہے : ربنا انک تعلم ما نخفی الی للمومنین یوم یقوم الحساب [یعنی سورۃ الحجر آیت ۱۴ و ۱۴۱]

ایڈیٹر

تبصرہ و تنقید

۱- انجمن حمایت اسلام کا عکسی قرآن مجید }

دیباچہ ۶ صفحہ ' رموز اوقاف ۱ صفحہ فہارس قرآن جن میں دس مختلف مفید فہرستیں شامل ہیں یعنی منزلیں ' پارے ' سورتیں بہ ترتیب تلاوت و بہ ترتیب نزول و بہ ترتیب تہجی ' سورتوں کے رکوع ' زائد الف ' متقدمین و متاخرین کے معانقے ' سجدہ ہائے تلاوت) ۵۰ صفحوں پر متن قرآن مجید ۱ تا ۷۳۲ ' آخری ۴ صفحوں پر رموز الاوقاف کے متعلق مقدمہ سجاوندی سے عربی اقتباس اور تفسیر بحر العلوم سے فارسی اقتباس دیا ہے ' یہ $\frac{29 \times 40}{16}$ سائز کے کل ۸۰۰ صفحہ ہوئے ' قسم خاص ہدیہ ؎۲۵ (پچیس روپے) قسم اول ؎۵ (پانچ روپے) قسم دوم ہدیہ ؎۳ (تین روپے) کتابت اور بیل بوٹے سب قسموں میں یکساں ہیں ' فرق کاغذ اور جلد کا ہے - ملنے کا پتہ : انجمن حمایت اسلام - برانڈرتھ روڈ - لاہور ٭

قرآن مجید کا یہ نسخہ انجمن حمایت اسلام نے حال ہی میں نہایت احتیاط سے شائع کیا ہے ' کتابت مشہور اور منتخب کاتبوں نے کی ہے اور طباعت فوٹو لتھو کے طریق سے سرانجام کو پہنچی ہے

ہندوستان میں آفسٹ مشین پر یہ پہلا عکسی نسخہ قرآن مجید ہے جو طبع ہوا، انجمن نے جس اہتمام سے یہ صحیح، خوشخط اور خوشنما نسخہ طبع کیا ہے۔ اسپر وہ اور اسکے کارپرداز بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں خصوصاً ہم پروفیسر ظفر اقبال ایم اے بی۔ ٹی کو قابل مبارکباد سمجھتے ہیں کہ انتہائی خلوص اور عرقریزی سے انہوں نے اس کارنامہ کو تکمیل کی منزل تک پہنچایا۔ علاوہ اہتمام تصحیح کے اس نسخہ کی ظاہری زیب و زینت میں پوری کوشش صرف کی گئی ہے۔ ہر صفحہ کی خوشنما بیل اور شروع کی سرلوحیں اور نسخہ اور متن کلام پاک کے صفحہ اوّل کی نقاشی ماسٹر فیروز الدین صاحب لکچرر ٹریننگ کالج کی استادانہ صناعی کا نمونہ ہیں۔ ہم کو یقین ہے کہ ہندوستان۔ افغانستان اور دیگر ممالک اسلامی میں انجمن کے ان مساعی حسنہ کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا جائیگا اور اس اڈیشن کو عام ہردلعزیزی حاصل ہوگی جسکی وہ واقعی مستحق ہے +

۲۔ رسالہ ساربان لاہور } اُن بے شمار رسالوں میں جو ادب و زبان کی خدمت کے دعوے سے ملک کے طول و عرض میں موجود ہیں۔ ساربان اپنی قسم کا واحد رسالہ ہے جو عملی جد و جہد و سیاسی و معاشی بیداری کے مقاصد لے کر میدان میں آیا ہے۔ اس کے مضامین علمی اور افادی ہیں۔ چونکہ اس کا مقصد متوسط طبقات اور عام پبلک کی تعلیم ہے۔ اس لئے ساربان ایسے موضوع لیتا ہے جو عام اور کارآمد معلومات کے حامل ہوں۔ اس نظر سے اس کا چندہ بھی بہت کم ہے یعنے تین روپے سالانہ اور کم استطاعت والوں سے صرف دو روپے سالانہ، ساربان کے اپریل نمبر سے جو بغرض ریویو ہمارے پاس آیا ہے ہمارے نزدیک مضامین ذیل افادی اہمیت رکھتے ہیں: (۱) ہندوستان میں کثرت آبادی کا مسئلہ (۲) ہندوستان کے فوجی مصارف (۳) دنیا کے سات بڑے مذاہب (۴) صحت برقرار رکھنے کے چند اصول (۵) علاء الدین خلجی کے عہد میں انسداد قحط (۶) تاریخ کاغذسازی، ملنے کا پتہ: رسالہ ساربان۔ آسٹریلیا بلڈنگ۔ لاہور

۲- حیات و تصانیفِ امیر خسرو

امیر خسرو کے حالاتِ زندگی اور انکی تصانیفِ نظم و نثر پر یہ ایک جامع کتاب ہے جسکو بزبانِ انگریزی ڈاکٹر وحید میرزا پروفیسر عربی لکھنؤ یونیورسٹی نے اب سے چند سال پہلے بطور مقالہ یا تھیسس تالیف کیا تھا اور جس پر لنڈن یونیورسٹی نے ان کو ڈاکٹری کی سندِ فضیلت عطا کی تھی۔ حال ہی میں اسکو پنجاب یونیورسٹی نے اپنے "سلسلۂ نشریاتِ شرقیہ" میں شائع کیا ہے'

بلا خوفِ تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرتِ امیر خسرو کی ایسی مفصل اور ناقدانہ سوانح عمری آج تک کسی زبان میں نہیں لکھی گئی' کتاب کی ضخامت ڈھائی سو صفحے سے زائد ہے جسکو دو حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ نصفِ اوّل میں خسرو کے حالاتِ زندگی ہیں اور اس میں تین باب ہیں۔ بابِ اوّل میں ان کے اصل و نسل اور آبا و اجداد کا ذکر ہے۔ بابِ دوم میں انکی ولادت' تعلیم اور عنفوانِ شباب' ابتدائے شاعری (بعہد بلبن و کیقباد) سے بحث ہے۔ اور بابِ سوم میں انکا زمانۂ زندگی بعہد شاہانِ خلجی اور غیاث الدین تغلق تا سنِ وفات (۷۲۵ھ) مذکور ہے'

نصفِ دوم میں تصانیفِ امیر خسرو پر مفصّل تبصرہ ہے۔ جن میں ان کے پانچ دیوان (تحفۃ الصغر' وسط الحیوۃ) غرّۃ الکمال' بقیہ نقیہ اور نہایۃ الکمال) شامل ہیں' ان کے علاوہ تاریخی مثنویاں (قران السعدین' نُہ سپہر' تغلق نامہ' مفتاح الفتوح وغیرہ) اور خمسۂ خسرو کی پانچ مثنویاں یکے بعد دیگرے معرضِ تنقید میں لائی گئی ہیں۔ اس کے بعد ان کی تصانیفِ نثر یعنی اعجازِ خسروی' خزائن الفتوح اور افضل الفوائد اور آخر میں ان کی ہندی شاعری پر بحث ہے

ہمارے لئے یہ امر خوشی کا موجب ہے کہ ڈاکٹر وحید میرزا نے اپنے مقالے

کے لئے ایک ایسا مضمون منتخب کیا جس پر کام کرنے کی بیحد ضرورت تھی۔ ہندوستان نے فارسی زبان میں جو ادیب اور شاعر پیدا کئے ان کی تعداد اور ان کا پایہ ہرگز اُن شعراء سے کمتر نہیں ہے جنکو ایرانی کہلانے کا فخر حاصل ہے۔ لیکن باایں ہمہ نقادانِ یورپ اور اہلِ ایران ان کو قابلِ التفات نہیں سمجھتے جسکی وجہ سوائے غلط بینی یا تعصب کے اور کچھ نہیں۔ نظر بدیں حالات ہندوستان کے فارسی دانوں کا یہ فرضِ اولیں ہے کہ وہ اُن ادبی جواہرات کو دُنیا کے سامنے پیش کریں۔ جو سرزمین ہند کے فارسی شعراء کا نتیجۂ طبع ہیں۔ اس کام کی توقع اہلِ یورپ یا ایران سے رکھنا عبث ہے اور اگر ہندوستان میں اسکو سرانجام نہ دیا گیا تو ہمیں خوف ہے کہ فارسی زبان کی جو گرانمایہ خدمات ہندوستان میں انجام دی گئی ہیں۔ وہ بمرور زمانہ بھولی بسری ہو جائینگی۔ امیر خسرو ہندوستان میں فارسی کے سب سے بڑے شاعر ہیں۔ لہذا اس علمی کام کی ابتدا اُن کی حیات و تصانیف سے کرنا ایک مبارک فال ہے اور ہمیں امید ہے کہ ہندوستان میں علوم فارسی کے محققین ڈاکٹر وحید مرزا کی تقلید میں اُن ادباء اور شعراء کا نام زندہ کرینگے۔ جو سرزمین ہند کے زائیدہ و پروردہ ہیں +

محمد اقبال

۴۔ یادگار وارث

مُصنفہ پروفیسر ضیا محمد صاحب ایم۔اے۔بی ٹی۔ گورنمنٹ کالج۔ شاہ پور صدر
ناشر شیخ محمد نصیر ہمایوں بی۔اے۔ قومی کتاب خانہ ریلوے روڈ۔ لاہور۔ قیمت
دو روپے (عہ) مجلد دو روپے آٹھ آنے (عہ/۸) +

ہمارے ملک میں کسی کے کلام کو محفوظ رکھنے کا رواج اتنا ہی پُرانا ہے۔ جتنا کہ اس کے مصنف کو بھول جانے کا ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ ہم آج اتنی

کوشش کے باوجود بھی گورکھ ناتھ - چوپٹ و وارث شاہ جیسی درخشاں ہستیوں کے زمانے کو صحیح طور پر متعین کرنے میں وقت محسوس کرتے ہیں -

مندرجہ بالا اشخاص کی پیدائش و وفات کی صحیح تاریخیں محفوظ نہیں رہ سکیں - شاید اسی لئے مصنف یادگار وارث لکھتے ہیں " وارث کی تاریخ پیدائش یا تاریخ وفات معلوم نہیں" - جہاں پروفیسر ضیا محمد صاحب نے کتاب " یادگار وارث" میں وارث شاہ کے خاندان - تعلیم و تربیت پر روشنی ڈالی ہے وہاں اپنے ماخذ کا ذکر نہیں کیا '

مصنف نے ہیر سے وارث کے اصلاحی مقصد کے تین ثبوت پیش کئے ہیں جو موزوں و مدلل ہیں ' ہیر وارث میں فقر' درویشی عشق و محبت و فلسفہ اخلاق کے موضوع پر جو کچھ لکھا گیا ہے مصنف نے اسکو خوب واضح کیا ہے - مگر وارث کی فحش گوئی کو ڈھانپنے میں تو شاید پروفیسر صاحب پنڈت پدم سنگھ شرما مصنف 'بہاری کی ست سی' سے بھی کہیں بازی لے گئے ہیں - جناب ڈاکٹر ای - یو - سول سرجن (پنشنر) ایڈیٹر قاصد (دیکھو اورینٹل کالج میگزین حصہ پنجابی ماہ نومبر ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۰ سے ۱۱ تک) اگر پروفیسر ضیا محمد صاحب کی کتاب یادگار وارث کے ۱۶۲ سے ۱۶۹ صفحوں کو پڑھیں تو عین ممکن ہے کہ وارث شاہ کی ہیر کے پورے شایق بن جاویں '

" قصہ ہیر و رانجھا نظم کے لباس میں" کے عنوان سے پروفیسر صاحب نے اردو کی ہیر کا ذکر کیا ہے - مگر اس کی تفصیل نہیں دی' بعض مواضع پر مواد کا بیشتر حصہ اور لوگوں سے ماخوذ ہے مگر مصنف نے حوالہ دینا ضروری نہیں سمجھا - مثلاً اسی عنوان کے نیچے جو کچھ لکھا ہے' نظامی اورینٹل کالج میگزین بابت اگست ۱۹۲۷ء سے لیا گیا ہے' خواہ براہ راست یا بالواسطہ' مگر حوالہ نہیں دیا گیا '

بذیل" ڈاکٹر موہن سنگھ صاحب کا نظریہ" جو کچھ پروفیسر ضیا محمد صاحب نے لکھا ہے۔ ہمیں اُس سے کچھ اختلاف ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سیال۔ رانجھے اور کھیڑے بادشاہ اکبر کے زمانہ میں کافی تعداد میں مسلمان ہو چکے تھے۔ مگر یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ تمام رانجھے۔ کھیڑے اور سیالوں نے اپنی ذات تبدیل کر لی ہو۔ اس وقت تک بھی مثال کے طور پر ڈاکٹر روشن لال کھیڑا و بشیر احمد چاولہ کے نام اس بات کا کافی ثبوت ہیں کہ کسی کو اسکی ذات سے ہی جانچ کر ہندو یا مسلمان کہنا سراسر غلطی ہے۔ لہذا عین ممکن ہے کہ قصہ ہیر رانجھا کی اصلی شکل ہندو ہو اور کہانی کہنے والے نے اسکو اسلامی رنگ دے دیا ہو۔ خواہ کچھ بھی ہو عشق کی راہ میں دُنیاوی مذہب ہیچ ہوا کرتے ہیں'

بہرحال جناب مصنف کی سعی قابلِ داد ہے کہ انہوں نے پنجاب کے ایک ہردلعزیز شاعر کے حال پر ناقدانہ نظر ڈالی ہے اور وارث کے محاسن کلام کی طرف تعلیم یافتہ طبقے کو متوجہ کیا ہے'

بلدیو سنگھ بی اے

گیلانی پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر طبع ہوا اور این این سترانے دفتر اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا۔

مطبوعات پنجاب یونیورسٹی اورینٹل پبلیکیشنز فنڈ

بہرہ عربی و فارسی و اردو

۱ - **اقلید الخزانہ** یعنی ان کتابوں کی فہرست جو علامہ عبدالقادر بغدادی کی مشہور کتاب خزانۃ الادب میں مذکور ہیں، مع حواشی مفیدہ و فہرست مصنفین مرتبہ مولوی عبدالعزیز میمن، لکچرر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ، طبع لاہور ۱۹۲۷ء،
تعداد صفحات ۱۹+۱۳۰، قیمت غیر مجلد عمر، مجلد ۵ر +

۲ - **مجموعۂ نغز** یعنی تذکرۂ شعراء اردو (بزبان فارسی)، مصنفہ میر قدرت اللہ قاسم و مرتبہ حافظ محمود شیرانی اردو لکچرر پنجاب یونیورسٹی، جس نسخہ سے یہ کتاب مرتب ہوئی ہے وہ غالباً مصنف کا خود نگاشتہ نسخہ ہے، دو جلد، طبع سنگی نفیس، قیمت مجلد ۱۲، غیر مجلد

۳ - **تتمہ صوان الحکمۃ** یعنی تاریخ حکماء اسلام مصنفہ علی بن زید البیہقی (المتوفی سنہ ۵۶۵ھ) مرتبہ پرنسپل محمد شفیع ایم۔اے (کنٹب) اورینٹل کالج لاہور، اس موضوع پر عربی زبان میں یہ بہت قدیم اور مفید کتاب ہے۔ اسکا فارسی ترجمہ ایلخانیوں کے وزیر غیاث الدین محمد بن وزیر رشید الدین فضل اللہ کے نام پر درۃ الاخبار کے نام سے کیا گیا۔ اس اڈیشن میں حصہ اول میں متن عربی ہے اور حصہ دوم میں درۃ الاخبار، متن عربی برلن اور استنبول کے چار نسخوں پر مبنی ہے اور متن فارسی ایک قدیم نسخہ سے لیا گیا ہے جو کتبخانہ پنجاب یونیورسٹی میں ہے اور منحصر بفرد ہے، یہ کتاب بہت سے حواشی اور مکمل فہارس کے ساتھ کل ۳۶۹ + ۱۳۴ = ۵۰۳ صفحات پر سرنی حروف میں لاہور میں طبع ہوئی۔ قیمت ہر دو حصہ (غیر مجلد) گیارہ روپے +

۴ - **اخبار الدولۃ السلجوقیہ** مرتبہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی (کیمبرج) پروفیسر فارسی پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ متن برٹش میوزیم کے نسخہ وحیدہ پر مبنی ہے۔ طبع لاہور بحروف سرنی سنہ ۱۹۳۳ء
تعداد صفحات ۸ + ۲۲۸ = ۲۳۶، مجلد چار روپے ۵ر، غیر مجلد تین روپے بارہ آنے

۵ - **فہارس کتاب عقد الفرید** لاحمد بن محمد بن عبد ربہ الاندلسی (المتوفی سنہ ۹۴۰ء) مرتبہ پرنسپل محمد شفیع ایم۔اے، اورینٹل کالج لاہور۔ اس میں فہارس ذیل شامل ہیں جو عقد کے قیمتی مواد کی مراجعت کے لئے غایت درجہ سہولت بہم پہنچاتی ہیں اور ان مواضع کے متعلق متن کی تصحیح بھی کرتی ہیں:-
(۱) اسماء الشعراء (۲) فہرست القوافی (۳) فہرست اسماء الرجال والنساء والقبائل وغیرہا (۴) فہرست اسماء الامکنۃ والجبال وغیرہ
یہ فہرستیں العقد طبع قاہرہ سنہ ۱۳۲۱ھ پر مبنی ہیں، مگر اور اڈیشنوں کے صفحات کی فہرست بھی دی گئی ہے تاکہ ہر اڈیشن کے ساتھ ان فہرستوں کو استعمال کیا جاسکے، تعداد صفحات ۷۳ + ۱۰۴۴، طبع کلکتہ سنہ ۱۹۳۵ء، قیمت مجلد ۱۶ روپے +

۶ - **امیر خسروؒ کے سوانح زندگی اور انکے مصنفات پر ایک نظر** (بزبان انگریزی)، مصنفہ ڈاکٹر محمد وحید مرزا (ایم۔اے پنجاب) پی۔ ایچ۔ ڈی (لندن)، پروفیسر عربی لکھنؤ یونیورسٹی
قیمت چار روپے یا ۶ شلنگ +

کتب بالا کے ملنے کا پتہ:-

موتی لال بنارسی داس، کتاب فروشان۔ سید مٹھا۔ لاہور

# اورینٹل کالج میگزین

جلد ۱۲ - عدد ۴	بابت ماہ اگست ۱۹۳۶ء	عدد مسلسل ۴۶

فہرست مضامین

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر طبع ہوا اور ایس ایم منٹو نے اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا

اورینٹل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض و مقاصد اس رسالہ کے اجراء سے غرض یہ ہے کہ احیاء و ترویج علوم مشرقیہ کی تحریک کو تا حد امکان تقویت دیجائے اور خصوصیت کیساتھ اُن طلبہ میں شوق تحقیق پیدا کیا جائے جو سنسکرت۔ عربی۔ فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں۔

کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے کوشش کی جائیگی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شائع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں، غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابلِ قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شائع کئے جائینگے

رسالے کے دو حصے یہ رسالہ دو حصّوں میں شایع ہوتا ہے، حصّہ اوّل عربی، فارسی، اردو و پنجابی (بحروف فارسی) حصّہ دوم سنسکرت، ہندی اور پنجابی (بحروف گورمکھی) ہر ایک حصّہ الگ الگ بھی ملسکتا ہے +

وقت اشاعت یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر۔ فروری۔ مئی۔ اگست[1] میں شایع ہوگا +

قیمت اشتراک سالانہ چندہ حصہ اردو کے لئے عہ/۲، اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کالج کے وقت وصول ہوگا +

خط و کتابت و ترسیل زر خرید رسالہ کیمتعلق خط و کتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہئے، مضامین کیمتعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں +

محل فروخت یہ رسالہ اورینٹل کالج لاہور کے دفتر سے خریدا جاسکتا ہے +

قلم تحریر حصہ اُردو کی ادارات کے فرائض پروفیسر محمد شفیع ایم۔ اے اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے۔ اس لئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شائع ہوتا ہے +

انگریزی ترجمہ خزائن الفتوح امیر خسرو

از

(پروفیسر محمد حبیب بی۔ اے (آکسن) پروفیسر تاریخ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ)

سلسلہ کے لئے دیکھو یہی رسالہ بابت ماہ مئی ۱۹۳۶ء

ص ۱۶۶/۱۳ چندان کہ دران خراب آباد کندور بزخم پیلکہای کشتی شگاف طوفان خون راندند نشان آن ماہی دریا یافتہ نشد

Though a deluge of blood was made to flow in the Kharababad of Kandur with the Hindi sword, that could have it a boat into two, yet no trace of the desired fish was found. 101. para II, l. 1.

خراب آباد (ویران) - کندور کی صفت ہے۔ پروفیسر نے بعینہ انگریزی میں اسے داخل کردیا جو انگریزی خوانوں کے لئے موجب زحمت ہے - بلکہ بعض اوقات اس سے دھوکا ہوجاتا ہے۔ پیلک کے معنے پروفیسر نے تلوار لئے ہیں حالانکہ یہ وہی لفظ بیلک (تیر) ہے -

ص ۱۶۷/۴ از آیندگان باخبر صحت اخبار کماہی معلوم گشت کہ بیر دران بیرانہ گرد نگشتہ است

But it was discovered for certain from people

coming from that direction that Bir had not been anywhere near that *birana*. 102.1.

پروفیسر صاحب تو birána لکھ کر آگے بڑھ گئے۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ ان کے قارئین کو یہ لفظ کسی انگریزی لغت میں نہیں مل سکتا۔ کیا اچھا ہوتا اگر وہ یہ اضافہ کر دیتے کہ بیرانہ 'ویرانہ' (ویران) کا بدل ہے'

ص ۱۶۷/۹ واگر بہ مثل وہم را مدخل دہند پایش درون ماند و 'وہ' ازو بیرون آید۔ درچنین جنگلی با تنۂ چند تنہا ماندہ است و جان بردہ ملوک رای زن گفتند کہ شعر

کیف الدخول لجیش فی مضائقھا   روح بلا بدن ما خاض بالجبل

And if imagination had entered it, it would have lost its way and never found it out again. 102.7.

یہ ترجمہ درست نہیں۔ یوں چاہیئے :۔ مثلاً اگر وہم کو اس جنگل میں داخل کیا جائے تو نکلتے وقت وہم کا پاؤں یعنی 'م' تو وہیں رہ جائے اور باقی لفظ 'وہ' باہر آئے۔ باقی عبارت ترجمہ سے رہ گئی ہے'

ص ۱۶۸/۳ ملک پیل جوی کہ اگر نقش پیل در بہرمان ہندوی می شنید تیزی مقراض گوش را در شب تار بران سوی میراند

The malik, who, if he heard of so much as the picture of an elephent on silk cloth, would have run his sharp scissors towards it in the darkest night 102.12.

'تیزی مقراض گوش را بدان سوی میراند' کا تو یہ مطلب ہے کہ قینچی سی کنوتیوں والے

گھوڑے (تازی) کو اس طرف چلاتا۔ نہ یہ معنے کہ قینچی چلاتا '

صفحہ ۱۶۸/۵ و در پے مشتے سروپا برہنہ کہ در یافتن ایشان از ذیل امکان بیرون رفتہ است بدواد و درشیبند '

For such a matter of detail as capturing the small party of the Rai. It was impossible to find them. 102.15.

مشتے سروپا برہنہ - یعنے چند بے سروسامان - بدواد و درشیبند یعنے بہ تگاپو درنشیند '

صفحہ ۱۶۸/۱۰ تا در طلب پیلان گز بیہودہ کوہہای آن زمین را بہ گزہای کلک دشت پیمایان بپیمایند - چون بجہت یافتن پیلان دیبا روی دیباچہ نیاز سوی عماری چرخ اطلس آوردند

So that with their staffs they may explore the hills of that region in search of more elephants. 102.18.

پیلان گز بیہودہ - گزوں سے نپے ہوئے یعنے پورے قد آور و جسیم ہاتھی - بہ گزہای کلک دشت پیمایان - یعنے صحرا نورد چہار پایوں کے قدموں کے گزوں سے - خط کشیدہ فقرہ ترجمہ سے ترک کر دیا گیا ہے '

صفحہ ۱۶۹/۱۱ یا لنک زرین رام است یعنے کہ دیو[دہ]سرآن ہمہ زر[شش] سری را ذخیرہ کرد و بگذاشت تا روزی سلیمان عہد شود

Or that it was the golden Lanka of Ram, that Rai having collected the golden heads of the idols and left them till the time of Solomon

came. 102. h. (bottom).

دیودہ سر (دس سروں والا دیو) = راون لنکا کا راجہ جسے رامچندر جی نے قتل کیا -

زر شش سری یعنے بارہ بانی سونا - روزی سلیمان عہد شود یعنے زمانہ کے سلیمان (علاء الدین سے مراد ہے) کے نصیب ہو -

صنہ۲ زمین تا آسمان از زرین میلی برکشیدہ کہ چشم انجم می خراشید و در دیدۂ خورشید در می رفت

It rose from the earth, structure of gold scratch-ing the eyes of the stars and piercing the people (sic) of the sun. 103. 2.

'از زرین میلی برکشیدہ' یعنے خالص سونے کی لاٹ بنی ہوئی

صنہ۱ و دیدہ از خیال زر یرقانی می شد و زمرد سبزش کہ تاجوران را سرسبزی دہد خیال روئے کہ طوطی است از بیضۂ ماہ پریدہ پیکر مرصع بت تصور افکند کہ آفتاب را آبلہ دمیدہ است

The sight of gold was cooling to the sight. The green colour of the emerald would have given prestige to a kingly crown; for it looked like a young parrot flown from its egg in the moon. The jewelled figure of the idol looked like a bubble on the surface of the sun. 103. 8.

یہ ترجمہ قابل اصلاح ہے - مطلب ہے کہ سونے کے خیال سے آنکھیں بالکل یرقانی (؛

[نہ برفانی] پڑجاتی تھیں - اور اس کے سبز زمرد پر جو سلاطین کو کامیابی بخشتا ہے۔ ایسا گمان پڑتا تھا کہ چاند کے انڈے سے طوطا اڑ گیا - علیٰ ہذا بت کے مرصع پیکر پہ یہ دھوکا ہوتا تھا کہ آفتاب کے چیچک نکل آئی ہے'

ص ۱۷۱/۵ خشت زر کہ سنگی نداشت [فرو] می غلطید و کلابۂ صندل کہ آبیش نبود [فرو] می ریخت

The golden bricks rolled down & brought with them the plaster of sandal-wood. 103. 10 (bott:).

سنگی نداشت یعنے جس کی کوئی قدر و وقعت نہیں تھی - آبیش نبود یعنے جسکی کوئی آبرو نہ تھی'

ص ۱۷۱/۳-۴ چون روز آفتاب از تاج آفتاب سر بر آورد و ماہ ذی القعدہ را کہ جیش بی نہایت داشت فرو پوشید مصرع یعنی کہ زمہ سیزدہ و یک شنبہ غزاۃ منصور بہ سائیان ہمایون پیوستند

On sunday the 11th Zill Qa'd, the men of the victorious army arrived before the august canopy. 104. par. II, l 1.

امیر نے دو طرح سے تاریخ بیان کی ہے - یعنے ایک جگہ کہتے ہیں "جیش بی نہایت" یعنے جیش - ش = جی = ۱۳ - جو ماہ ذیقعدہ کی تاریخ ہے - دوسری جگہ صاف الفاظ میں کہا ہے کہ چاند کی ۱۳ ویں تھی - مگر محترم پروفیسر اپنے ترجمہ میں ۱۱ ر ذیقعدہ بیان کرتے ہیں'

ص ۱۷۲/۱۵ و چون شمار ماہ کہ بالا رفتہ است بہ 'جوزا' رسید و روز بر جبیں

از آخر درجہ روشن شد مصرعہ یعنے کہ پنجشنبہ و از ماہ ہفدہ روز — در
شہر گیم منزل کردند

On Thursday the 15th Zil Qa'd, it arrived at the city of Kim. 105. 1.

یہاں متن اور ترجمہ میں چاند کی تاریخ میں پھر اختلاف ہے۔ امیر ہفدہ (۱۷)
کہتے ہیں۔ اس سے پہلے جوڑا = ۱۷ کہہ چکے ہیں۔ حضرت مترجم ۱۵ ذی القعد
لکھتے ہیں'

ص۱۰۵ کوہ سنگ دارد و ساکن بود عجب کوہی کہ آب ہی سنگ باشد و رہ سپرد۔
اگر بمیزان حلش سنجند کوہ ہم سنگش نبود و اگر [پالان] حملش نہند باد ہم تنگش
[تنگش] نباشد

While other hills contain precious stones and are permanently fixed, these hills contained no treasures and were always on the move. 105. par. III, l. 10.

مطلب ہے کہ پہاڑ میں پتھر ہوتا ہے۔ مگر ساکن ہے۔ یہ عجب پہاڑ ہے۔ جس
میں پتھر نہیں۔ مگر متحرک ہے۔ آب بالکل غلط ہے۔ باقی عبارت ترجمہ سے رہ گئی ہے۔

ص۱۰۵ شعر حیران شدہ ہر کہ ہست در پیکراو کوہی پران و آدمی لنگراو

Every one present wondered at their shape - a steep hill and a man guiding it. 105. par III. l. 12.

'کوہی پران' کی جگہ 'کوہی پرّان' اڑتا یعنے متحرک پہاڑ چاہیئے۔ آدمی لنگر او

آدمی اس کا لنگر ہے - یہ ہاتھیوں کا ذکر ہے -

ص۱۷۵/۱۵ ہنگام جنبش گوئی موج دریاست تند برداشتہ وگاہ ایستادن پنداری
شہ برج حصاری است بخرطوم منجنیق آراستہ

When it was moving, you would have thought it a mighty wave in the ocean; when stand-ing, it looked like a main tower of a fort, adorned with a trunk in place of the mun-jniq. 105. l. l.

خرطوم منجنیق یعنے منجنیق کی سونڈ - برداشتہ کی جگہ برخاستہ چاہیئے '

ص۱۷۶/۴ ویا کوہیست بر چہار کوہ پایہ کہ ملحدان را از بینی [سیارہ] خود فرو دافگند -

نون وندانش را حرکت بحدی گہ [حریف] خود را بیک تشدید در قاف نشاندہ و الف
خرطومش را تحویل کشش بجای کہ تضعیف خود را بیک مد مضاعف گردانیدہ - ساکن'
جنبندہ با چنان روانی - سبک [دوندہ با] چندان گرانی

Or to a hill on four rocks, which causes the heretics to slip down its 'nose'. . . . . .

In spite of its weight, it moved gently like the wind; in spite of its movement, it seemed to stand still. 106. 7.

خط کشیدہ عبارت ترک کر دی گئی ہے - بینی سیارہ - متحرک ناک یعنے سونڈ - ساکن
جنبندہ با چنان روانی یعنے ایسی تیزی کے باوجود ہموار چلنے والا - سبک دوندہ
با چندان گرانی یعنے اس قدر بھاری ہونے پر بھی پھرتی سے جانے والا -

صفحہ ۱۰۶ سطر ۱ مرکبانی یمانی و شامی خواب گاہی روان بخوش گامی

There were yamani and shami horses, all going to their stables with alluring steps. 106. par. II, l. 4.

مصنف کا مقصد تو یہ ہے کہ وہ گھوڑے ایک خوابگاہ معلوم ہوتے تھے۔ جو خوش قدمی کے ساتھ چل رہی ہو ۔

صفحہ ۱۰۶ سطر ۸ رفتہ توئی [بچشم] خفتہ درون کہ درون رفتنش نہ پردہ برون

Its figure captivated the eye and was never again forgotten. 106. par II, l. 13.

یہاں تو پروفیسر صاحب کا ترجمہ بالکل غلط ہو گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سوتے شخص کی آنکھ میں وہ اس طرح سے گھس جاتے کہ ان کے اندر جانے کی خبر باہر نہ آتی

صفحہ ۱۰۶ سطر ۱۰ [جست] گیرآنچنان کہ [رفت بفن] ہمچو رشتہ بچشمۂ سوزن

It finished its journey as quickly as a thread gets into the eye of a needle. 106. par. II, l. 15-16.

مطلب یہ ہے کہ جست لگانے میں ایسا ہے کہ اپنی استادی سے سوئی کے ناکہ میں اس طرح سے گھس گیا جس طرح دھاگا پرو دیں ۔

صفحہ ۱۰۶ سطر ۱۳ کہ اگر فتح فتح این شاہست [صد] دیگر [جنبش] در راہ است

So that in the Imperial bottles another wall came along (with the wall of the elephants) 106. par. II l. 19.

صد یہاں صاد سے ہے نہ سین سے مطلب ہے کہ اگر فتح ہے تو وہ فتح اس بادشاہ کی ہے اور ایسی ایسی سینکڑوں اور فتوحات اسکی منتظر ہیں ۔

ص ۱۷۸/۴ ہر یاقوتی بران گونہ کہ آفتاب را قرنہا دیدہ خیرہ باید کرد تا یک نقش بدان زیبائی از کارگاہ [خارا] بکشد

The diamonds were of such a colour that the sun will have to stare hard for ages before the like of them is made in the factories of the rocks. 106. l. l.

پروفیسر نے 'یاقوت' کا ترجمہ 'الماس' کیا ہے جو صحیح نہیں

ص ۱۸۱/۴ چون در شب یک شنبہ انجمن کواکب سوی سواد اعظم [شام] رجوع کرد سائبان شفق [وام] را بہ عزم اتصال بہ برج آفتاب سلطنت [طی] کردند و از شادی رجعت سوی شہر آواز برکندن میخہای [سرادق] چون غلغل تسبیح اوتاد دلہا را در ہزت آورد'

On sunday night the company of stars prepared to return to the Imperial Capital. The breaking up of the camp filled all hearts with a deep joy 107. par. III, l 2.

یہ ترجمہ تحت اللفظی نہ ہونے کے باوجود صحیح بھی نہیں - مصنّف کا مطلب ہے - کہ اتوار کی رات جب ستاروں کی جماعت شام کے شہر کی طرف لوٹی یعنے جب ستارے نکل آئے سائبان سرخ رنگ کو آفتاب سلطنت کے برج (دار السلطنت) کیساتھ اتصال دینے کے لئے طے کیا گیا - شہر کی طرف لوٹنے کی خوشی میں خیموں کی میخوں کے اکھاڑے جانے کی صدا اولیاؤں کی تسبیح کی آواز کی طرح دلوں کو انبساط میں لانے لگی'

ص ۱۸۱/۱۴ و ہزا ہز در کفرہ کالانعام بل ہم اضل می افتاد

The noise of Huzza! Huz! rose from the infidels. 'They are nothing but as cattle; nay, they are straying further off from the path'. 108.7.

اہل لغات ہزا ہز بفتح ہای اول و دوم یا بفتح ہای اول و کسر ہای دوم لکھتے ہیں لیکن پروفیسر نے جو تلفظ دیا ہے کبھی نہیں سنا۔ اسکے معنے ہل چل اور کھلبلی ہیں'

ص ۱۸۱/۵ آبہای کہ از خیال آن مردم در بحر حیرت غرق شود مانند شناوران کامل کہ بر آب خفتہ آشنا کنند بآسانی عبرہ میکردند

They swam through rivers, the thought of which drowns one's imagination in a sea of wonder. 108 16.

خط کشیدہ عبارت ترجمہ سے رہ گئی ہے۔ مصنف کا مقصد یہ ہے کہ ایسے دریا جن کے تصور سے انسان بحر حیرت میں غرق ہو جائے۔ ماہر و کامل پیراکوں کی طرح جو سوتے سوتے تیر سکتے ہیں۔ بڑی آسانی سے عبور کرتے تھے۔

ص ۱۸۲/۵ ملوک در صفہای انبوہ بران گونہ کمر با کمر می سودند کہ لعل زمرد می شد و زمرد لعل

The maliks in innumberable rows rubbed their waists together like so many rubies & diamonds[3]. 108. par. II l.3 (bott)

مطلب ہے کہ انکی کمروں کے پٹکے [جن پر لعل و زمرد ٹکے تھے] اسطرح آپس میں رگڑتے کہ لعل زمرد بنجاتا اور زمرد لعل بنجاتا (عکس کے لحاظ سے)

ص ۱۸۲/۱۰ "چنانکہ چابک چاؤشان خسرو روم را حبشی می ساخت چوب سہم الحشمان

شاه[زنگ] را رومی میگردانید"
یہ عبارت ترجمہ سے چھوٹ گئی ہے '

ص ۱۸۳/۹ اجسام گران پیل بیکران و بی عدیل چشم بسیط خاک را فرو پوشید حمل جوہر بر پشت حیوان حامل به بدیهۂ نظر اثبات میکرد که جوہر بالاتر از چشم است [و] نثار کہ زیر پای انسان و فرس علی العکس چشم را بالاتر از جوہری نمود

The ground was covered by the large bodies of the elephants and faultless gems. While the jewels were on the backs of the animals, they indicated that the essence of things was finer than the eye; but when they were scattered at the feet of men and horses, it was proved that the eye was superior to the jewels. p. 109. 21.

متن میں 'چشم' کی جگہ تینوں مقام پر 'جسم' ہونا چاہیئے بمقابلۂ جوہر۔ چشم و جوہر میں کوئی مناسبت نہیں۔ البتہ جسم و جوہر میں نسبت ہے۔ متن میں کوئی ایسے الفاظ نہیں جنکا ترجمہ 'بے عیب جواہرات' ہو۔ جوہر کا ترجمہ اصل و خلاصۂ شے ہونا چاہیے نہ جواہرات '

ص ۱۸۳/۱۵ سر [بعد جز] درین [جسم] تمام نتوان گفت مصرع باقی ہمہ قربت نہ بعد

Nor could you see the whole of its back and breast except in three views (from three diffe--rent points) 109. 31 bott.

پروفیسر صاحب کا ترجمہ ہمیں غلط راستہ پر لے جا رہا ہے۔ متکلمین کے نزدیک جسم وہ ہے جو عرض و طول و عمق رکھتا ہو ' سہ بعد ' میں حضرت مصنّف اسی کی طرف اشارہ کرتے ہیں یعنے ابعاد ثلاثہ جسم کے سوا اور کسی چیز میں نہیں پائے جا سکتے۔ باقی جو کچھ ہے قرب ہے نہ بعد '

صفحہ ۱۲ از آثار این شکر عجب نباشد کہ اگر ہمگی ابعاد جسم [بسیط] زمین را ہشت نقطۂ شمشیر او در گیرد زیرا کہ اتمام تمامی نعمتہای جسیم بہ نقطہای شکر بستہ [است]

And it will not be strange, if, in return for his thankfulness, all the creatures of the broad world are conquered by his sword, for gratitude to God is the condition of all great success. 110 . 3.

یہ ترجمہ حضرت مصنف کا مطلب ادا نہیں کرتا۔ ہشت نقطۂ شمشیر میں لفظ شمشیر کے آٹھ نقطوں کی طرف اشارہ ہے۔ ابعاد تین ہیں۔ لفظ شکر میں بھی تین نقطے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے شکر کی علامات سے کوئی تعجب نہیں۔ اگر وسیع زمین کے ابعاد کو اسکی شمشیر کے آٹھ نقطے بالفاظ دیگر اسکی شمشیر مسخر کر لے۔ کیونکہ تمام جسیم نعمتوں کا اختتام شکر کے نقطوں یعنے شکر پر موقوف ہے '

یہ تبصرہ اختصار کی کوشش کے باوجود زیادہ دراز ہو گیا ہے۔ مجھے ہرگز یہ امید نہیں تھی کہ وہ اسقدر طول کھینچے گا۔ باوجود اس کے وہ ترجمہ کی تمام اغلاط پر حاوی نہیں اور نہ کسی تبصرہ کا یہ منشا ہوا کرتا۔ وقت اور جگہ کی قلت کی بنا پر حواشی میں بھی مجھے اختصار سے کام لینا پڑا ہے۔ بلکہ اکثر اوقات اشارات سے کام لیا گیا ہے۔

اگر سیاہ کو سیاہ اور سفید کو سفید کہنا ہمارے فرائض میں داخل ہے تو ہمیں اقرار کرنا پڑے گا کہ پروفیسر حبیب نے ایک ایسی کتاب کے ترجمہ کا اقدام کیا ہے۔ جس کے سمجھنے کی انہوں نے مطلق کوشش نہیں کی ہے اور مترجم کے فرائض کی طرف سے سراسر بے اعتنائی برتی ہے۔ اس ترجمہ میں انہوں نے ہمارے لغات و محاورات اور زباندانی پر ہر طرح سے کند چھری پھیری ہے اور ہم نے جن روایتی مطالب و معانی پر پرورش پائی ہے۔ وہ سب اس ترجمہ میں تقویم پارینہ قرار دئے گئے ہیں۔ تنقید ایک تلخ حقیقت ہے ہمیں پروفیسر صاحب کی اس بیباک جسارت پر تعجب آتا ہے کہ وہ اس ترجمہ کو جس کی کوئی سطر اسقام سے پاک نہیں بڑے وثوق اور اطمینان کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر کوئی شخص اہتمام کے ساتھ غلط نویسی کا التزام کرتا اور اپنی پوری کوشش عمل میں لاتا تب بھی پروفیسر حبیب کے اس کارنامہ سے بازی نہیں لے جا سکتا۔ آخر اس اغلاط کی کھتونی کو منظر عام پر لانے میں کونسی مصلحت انکو نظر آئی۔

جس طرح ان کا ترجمہ اپنے علمی فقدان کا مرثیہ خواں ہے۔ اسی طرح ان کے آرا اور نظریے بھی تاریخی واقعات و اشخاص کے متعلق غیر ناقدانہ ہیں جو یقیناً اصل مآخذ پر مبنی نہیں۔ ان میں سے بعض کی گذشتہ سطور میں تردید کی گئی ہے۔ اگر پروفیسر صاحب فارسی عربی مواد سے خود براہ راست استفادہ نہیں کر سکتے تو ظاہر ہے کہ وہ ایسی غیر منتقدانہ رائیں غیر مسلم اہل قلم سے مستعار لینگے جو ان کے ہاں بوجہ ناواقفیت قابل معافی ہو سکتی ہیں مگر مسلم یونیورسٹی کے ایک مسلمان پروفیسر کے لئے ان کا اعادہ قطعاً ناقابل معافی ہے +

شیرانی

خزائن مخطوطات

پنجاب یونیورسٹی لائبریری

عقائد و فقہ اہل سنّت

۵۰ - شرح اسرار الوحی [اوراق ۲۹۱ : سطور ۱۷ - نستعلیق - تقطیع ۷.۸″ × ۸ × ۳.۵ × ۳ ⅕]

یہ ابو اللیث سمرقندی (المتوفی ۳۷۵ھ) کی عربی کتاب اسرار الوحی کی شرح ہے (عربی نسخہ کے لئے دیکھو : برلن کیٹالاگ - ۲ - عدد ۲۶۰۰) - شارح کا نام معلوم نہیں - شروع سے دو تین اوراق ضائع ہوگئے ہیں -

آغاز :- " در گفت در مسجد بیت المقدس ۔۔۔۔ دیدم و ایشان را امامت کردم کہ جبرئیل مرا ہم چنین فرمودہ الخ "

کاتب - اویس ولد ملا نور محمد عرف اوان

تاریخ کتابت - ۱۰۵۲ھ

۵۱ - تکمیل الایمان - ایشیاٹک سوسائٹی بنگال - عدد ۱۰۷۸

[اوراق ۷۶ - سطور ۱۳ - نیم شکستہ - تقطیع ۹.۳″ × ۶ - ۵″ : ۷.۲″ × ۳ ⅕]

عبدالحق بن سیف الدین الدہلوی کی کتاب "تکمیل الایمان" عقاید و اصول دینیات پر (المتوفی ۱۰۵۲ - ۱۰۵۳ھ) - کتاب کا پورا نام "تکمیل الایمان و تقویۃ الایقان" ہے -

کاتب - عظمت اللہ - تاریخ کتابت ۱۱۴۰ھ

۵۲ - کنز السعادت [اوراق ۴۳۶ - سطور ۲۲ - شکستہ و شکستہ آمیز - تقطیع ۱۰½ × ۶ : ۸½ × ۴]

معین الدین نقشبندی حسنی بن خواجہ خاوند محمود کی تصنیف جس نے اسے ۱۰۷۳ھ میں اورنگ زیب عالمگیر کے نام معنون کیا -

کتاب کے چار ارکان، ایک خاتمہ اور ایک ختم خاتمہ ہے

مضامین کتاب : رکن اوّل : در اعتقادیات و مبحث خلافت و اختلاف در احوال منکرانِ خلافت و احوال قیامت و اختلاف مذاہب ... منکر نکیر، مرگ و نفخ و بعث و حشر و نشر الخ

رکن دوم : در فقہ و احوالِ بدو او -

رکن سوم : در فضیلت و خصایص و معجزات و معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و فضایل خلفاے راشدین و اہل بیت وغیرہ الخ

رکن چہارم : در تصوف و اخلاق صوفیہ مثل علم و عمل و قاری قران و فوائد تلاوت الخ و ذکر مشایخ متصوفہ کہ کتب تصنیف کردہ اند و تذکرہ احوال شان کہ از اہل عراق و خراسان اند الخ

خاتمہ - در عدل و احسان سلاطین و اوصاف حمیدہ و اطوار پسندیدہ

ختم خاتمہ - در اخبارات رحمت و مغفرت الخ

نام کاتب و تاریخ کتابت ندارد

۵۳ - نافع المسلمین [اوراق ۴۰۴ - سطور ۱۵ - نستعلیق - تقطیع ۸½ × ۵.۷ : ۷ × ۴]

عقاید اسلام پر ایک رسالہ مصنفہ عبد السلام بن عبد العزیز لاہوری -

شروع میں فہرست مضامین دی گئی ہے،

نام کاتب و تاریخ کتابت ندارد

۵۴ - **خلاصة الاسلام** [اوراق ۱۱۴ - سطور ۱۷ - شکستہ آمیز - تقطیع ۸×۴.۲ : ۴½×۲]

عقاید و ارکان اسلام پر ایک رسالہ - مصنّف کا نام معلوم نہیں '

کاتب - سیّد محمد مُطّلب - تاریخ کتابت - ۱۷ ذوالقعدہ ۱۲۱۱ھ

۵۵ - [**رسالہ حقیقت معراج**] : اوراق ۱۷۳ سطور ۱۹ - نستعلیق - تقطیع ۹½"×۵½" : ۶×۳½] -

یہ رسالہ حقیقت معراج اور بعض دوسرے مسائل سے بحث کرتا ہے مصنّف کا نام فخر علوی ساکن کڑہ جو شیخ حسین علی بن محمد سوسیانی کے مریدوں میں تھا ' نام کاتب و تاریخ کتابت ندارد '

۵۶ - **مسایل** [اوراق ۱۳۱ - سطور ۲۳ - نستعلیق - تقطیع ۹½×۶½ : ۷½×۳½]

کئی رسالوں کا مجموعہ ہے - من تصنیف ملّا حبیب اللہ محقق قندہاری المعروف بہ مولانا عبداللہ الغزنوی بجواب سوالات مولوی محمد اعظم -

۱ - اوراق ۱ - ۱۲ : سات سوالات کا جواب (عربی) -

۲ - اوراق ۱۳ - ۲۴ : ۱۲ اشکالات کا جواب (فارسی)

۳ - اوراق ۲۵ - ۲۷ : ایک خط کا جواب (فارسی)

۴ - اوراق ۲۸ - ۵۱ رسالہ

۵ - اوراق ۵۲ - ۷۱ - رسالہ حق الحق

۶ - اوراق ۷۲ - ۱۳۱ - ایک اور دینی رسالہ موسوم بہ شمع بارقہ در جواب فارقہ مصنّفہ ملّا احمد قندھاری

نام کاتب و تاریخ کتابت ندارد

۵۷ - **برہان العارفین** [اوراق ۵۱ - سطور ۱۲ - شکستہ آمیز - تقطیع ۸×۵½ :

۶ × ۴½]

۲۴ ابواب پر مشتمل ایک رسالہ جس کا مصنف معلوم نہیں

نام کاتب ندارد - تاریخ کتابت ۱۸ محرم ۱۲۷۰ھ

۵۸ - زاد الآخرت - [اوراق ۹۳ - سطور ۱۸ - نستعلیق - تقطیع ۸.۷ × ۵½ :

۵ × ۳½]

رسالہ دینیات مصنفہ حاجی عبداللہ نو مسلم - دس ابواب پر مشتمل ہے -

کاتب - عبداللہ بن فیض اللہ - تاریخ کتابت - ۱۶ ربیع الثانی ۱۲۶۹ھ

۵۹ - ہدایہ فارسی [دیکھو ریو - ج ۱ - ص ۲۳ - ۲۴]

[اوراق ۱۷۹ - سطور ۱۹ - نستعلیق - تقطیع ۱۲½ × ۹ : ۹.۲ × ۵.۰]

ہدایہ کی پہلی جلد کا فارسی ترجمہ از غلام یحیی - جس نے ملا تاج الدین میر محمد حسین اور ملا شریعت اللہ کی مدد سے اور وارن ہیسٹنگز گورنر جنرل کے حکم سے مرتب کیا -

یہ جلد کتاب الطہارۃ سے شروع ہوتی ہے

نام کاتب و تاریخ کتابت ندارد

۶۰ - صلوٰۃ مسعودی - دیکھو کشف الظنون - ج ۴ - ص ۱۰۸

[اوراق ۲۸۵ - سطور ۱۷ - نستعلیق - تقطیع ۸.۲ × ۵.۸ : ۵.۸ × ۴]

شیخ فقیہ زاہد مسعود بن محمود بن یوسف السمرقندی کی مشہور کتاب کی پہلی جلد

کاتب - شیخ اولیا - تاریخ کتابت صفر ...... ؟

۶۱ - - ایضاً ــــ [اوراق ۲۰۴ : سطور ۱۹ - شکستہ آمیز - تقطیع ۱۱ × ۶.۲ :

۸.۵ × ۴]

صلوٰۃ مسعودی کی دوسری جلد ،

تاریخ کتابت - ربیع الثانی سنہ ۱۱۱۰ھ - نام کاتب ندارد

۶۲ - ایضاً — [اوراق ۲۰۶ : سطور ۱۵ : شکستہ آمیز - تقطیع ۸۰۲×۵½ : ۹۰۵×۳۰۱]

صلوٰۃ مسعودی کی تیسری جلد

نام کاتب و تاریخ کتابت ندارد

۶۳ - فقہ ابراہیم شاہی - دیکھو بوہار - ج ۱ - ص ۸۶

[اوراق ۱۵۸ - سطور ۲۷ - نستعلیق - تقطیع ۱۳" × ۷½" : ۱۰" × ۴½"]

تصنیف احمد بن محمد بن حامد نظام الدین جس نے اس کو ابراہیم عادل شاہ بیجاپوری (۹۴۱ - ۹۶۵ھ) کے نام پر معنون کیا -

یہ جلد کتاب الطہارۃ سے لے کر کتاب الحظر والاباحۃ تک ہے -

نام کاتب ندارد - تاریخ کتابت سنہ ۱۲۶۴ھ

۶۴ - مجموعہ خانی - دیکھو انڈیا آفس - عدد ۲۵۷۲

[اوراق ۱۹۴ - سطور ۱۷، ۱۸ - نستعلیق - تقطیع ۸۰۳" × ۵ : ۶½" × ۳۰۳"]

تصنیف کمال کریم جس نے اسکو الغ قتلغ خان المخاطب بہ بہرام خان کے نام پر معنون کیا - قتلغ خان محمد شاہ تغلق (۷۲۵ - ۷۵۲ھ) کے زمانے میں صوبہ دار دکن تھا - کتاب ۵۴ ابواب پر مشتمل ہے -

نام کاتب ندارد - تاریخ کتابت ۱۴ - رمضان سنہ ؟ھ

۶۵ - ایضاً — [اوراق ۱۷۹ - سطور ۱۷ - نستعلیق - تقطیع ۹۰۳ × ۶ : ۷ × ۴]

نام کاتب - حاجی حسین ولد شیخ حامد خواجہ قاسم

تاریخ کتابت - ۷ صفر سنہ ۱۰۱۹ھ

۶۶ - ایضاً — [اوراق ۵۹ - سطور ۱۵ - نستعلیق - تقطیع ۸ × ۵ : ۵ × ۳]

نام کاتب و تاریخ کتابت ندارد

۶۷ - [فقہ منظوم] - [اوراق ۱۱۰ - سطور ۱۴ - نستعلیق - تقطیع ۸ ½ × ۵ : ۶ × ۳ ½]
فقہ کی منظوم کتاب : آغاز :-
بنام خدائے کہ در آب و خاک بحکمت ودیعت نہد جانِ پاک
نام کاتب ندارد - تاریخ کتابت ۱۰۹۴ھ

۶۸ - رسالہ درفقہ [اوراق ۱۲ - سطور ۱۳ - نستعلیق - تقطیع ۸.۳" × ۵" : ۵ ½" × ۳"]
نماز کے مسائل پر مشتمل ایک رسالہ - مصنف کا نام معلوم نہیں -
ابواب آٹھ ہیں -
کاتب - ابراہیم - تاریخ کتابت ذوالحجہ ۱۰۱۳ھ

۶۹ - دستور المصلّی [اوراق ۵۰ - سطور ۱۵ - ۱۹ شکستہ - تقطیع ۸ ½ × ۵ : ۶ × ۳]
خلاصہ کیدانی کی فارسی شرح از تصنیف سعد بن شرف
نام کاتب ندارد - تاریخ کتابت - ذوالحجہ ۱۰۱۵ھ

۷۰ - خلاصۃ الفقہ - ایشیاٹک سوسائٹی بنگال عدد ۱۰۶۲
عبداللطیف لاہوری کی کتاب فقہ کے متعلق
عبدالرحیم افغان کاتب نے نور شاہ کے لئے ۱۱ جمادی الاول ۱۱۵۴ھ کو لکھا

۷۱ - فتاوی برہنہ - بوہار لائبریری - ج ۱ - ص ۱۶۳
[اوراق ۴۲۸ - سطور ۱۷ - تقطیع ۹.۲" × ۶" : ۶.۸" × ۴"]
تصنیف نصیر الدین لاہوری
کاتب - سید محمد تقی - تاریخ کتابت - جمادی الاول ۱۲۰۱ھ (؟)

۷۲ - فرائض سراجیہ [اوراق ۱۰۳ - سطور ۱۷ - نستعلیق - تقطیع ۱۰ ½" × ۶" :
۷.۰" × ۴.۱"]

محمد بن محمد سراج الدین سجاوندی کی عربی کتاب سراجی کا فارسی ترجمہ
از مولوی محمد راشد
کاتب - امانت علی فاروقی فیض آبادی
تاریخ کتابت - ۲۴ - ربیع الثانی ۱۲۵۲ھ

۷۳ - **کتاب الصوم** [اوراق ۶۲ - سطور ۱۵ تا ۱۷ - نستعلیق - تقطیع ½۸ × ۵ : ½۴" × ۳]
۱ - کتاب الصوم (ق ۱ - ۱۲) مصنفہ شیخ محمد النجفی
۲ - خلاصہ مسائل (ق ۱۳ - ۴۳) مصنفہ شیخ محمد حسن
۳ - بحث زکوٰۃ (ق ۴۳ - ۵۳) مصنفہ حاجی ابراہیم کرباسی
نام کاتب ندارد - تاریخ کتابت ۱۳۵۸ھ

۷۴ - **مفتاح الصلوٰۃ** [اوراق ۵۴ - سطور ۱۳ - شکستہ آمیز - تقطیع ½۷ × ۵ : ۴.۵" × ۳]
ایک نا تمام رسالہ مسائل نماز میں
نام کاتب و تاریخ کتابت ندارد

۷۵ - **رسالہ** - [اوراق ۲۲۳ - سطور ۲۵ - نسخ - تقطیع ½۱۱ × ۷ : ۷ × ½۳]
ہدایہ - المحیط اور الطحاوی وغیرہ سے اقتباسات لے کر ایک مجموعہ تیار کر لیا گیا ہے '
نام کاتب و تاریخ کتابت ندارد

۷۶ - **تنبیہ الغافلین** [اوراق ۷۹ - سطور ۱۷ تا ۱۹ - نیم شکستہ - تقطیع ۹.۱ × ۵.۴ : ۲.۹" × ۳]
مصنفہ بہاء الدین بن محمد ابراہیم ترمذی

نام کاتب و تاریخ کتابت ندارد

۷۷- **عمدۃ الاسلام** [اوراق ۴۷ - سطور ۱۳ - ۱۵ - نیم شکستہ - تقطیع ۷.۷″ × ۵″ : ۶.۲″ × ۳.۴″]

۱- مصنفہ ابوبکر الفائض بن محمد اللاہوری : آغاز : الحمد للہ . . .
. . . بدان ارشدک اللہ کہ در کشف الاسرار آوردہ است . . . الخ

۲- رسالہ جنازہ [ق ۶۳ - ۴۷] مصنفہ ابوبکر الفائض بن محمد اللاہوری
کاتب - محمد مسیح ملانوی - تاریخ کتابت ندارد

۷۸- **ترجمہ فرائض** [اوراق ۲۷ - سطور ۱۳ - شکستہ - تقطیع ۸.۷″ × ۹.۴″ : ۵.۵″ × ۴.۴″]

مصنف نامعلوم - نسخہ شروع سے اور آخر سے ناتمام ہے ،
نام کاتب و تاریخ کتابت ندارد

۷۹- **مسائل مہمہ** - [اوراق ۷۷ - سطور ۱۷ - نستعلیق - تقطیع ۱۰″ × ۶.۲″ : ۷.۴″ × ۴]

میاں حامد کی تصنیف مسائل جنازہ کے متعلق - ۸ فصول میں
کاتب - محمد عوض - تاریخ کتابت ندارد

سیّد محمد عبد اللہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری - لاہور

پرتھی راج راسا

تنقید

سطور ذیل میں ایسی تنقید ہدیۂ خدمت ناظرین کی گئی ہے جو مسلمانی نقطۂ نظر سے راسا کے خلاف پیش کی جا سکتی ہے اور جسکی طرف دیگر اہل قلم نے بہت کم توجہ دی ہے ۔ سہولت کے خیال سے میں اپنے خیالات کو مختلف نمبروں میں تقسیم کر دیتا ہوں

(۱) سلطانی شکستیں

راسا کے بیانات کی رو سے سلطان شہاب الدین پرتھی راج سے بیس مرتبہ شکست کھاتا ہے ۔ میں ان داستانوں کے حوالے پر یہاں قناعت کرتا ہوں ۔ جن میں ان شکستوں کا ذکر آتا ہے ۔

(۱) حسین کتھا ۔ نویں داستان ۔ شہاب الدین گرفتار ہوتا ہے (۲) آکھیٹک چوک برنن ۔ دسویں داستان ۔ شاہ کو شکست ہوتی ہے (۳) سلکھ جدھ ۔ تیرہویں داستان ۔ سلکھ سلطان کو میدان جنگ میں اسیر کر لیتا ہے (۴) پدماوتی سمے ۔ بیسویں داستان ۔ پرتھی راج کمان کے ذریعہ سے شاہ کو پکڑ لیتا ہے (۵) دھن کتھا ۔ چوبیسویں داستان ۔ شاہ حسب معمول اسیر ہوتا ہے (۶) ریوانتٹ سمیو ۔ ستائیسویں داستان ۔ پرتھی راج کمان سے سلطان کو قید کرتا ہے (۷) اننگ پال سمے اٹھائیسویں داستان ۔ چامنڈ کے ہاتھ پر شاہ کی گرفتاری (۸) مادھو بھٹ کتھا انتیسواں سمے ۔ چامنڈ رای شاہ کو رزمگاہ

میں قید کرلیتا ہے (۹) گھگھر کی لڑائی ۲۹ واں سمے - کنہ کمان ڈال کر شاہ کو اسیر کرتا ہے (۱۰) بیپا پیدہ - ۳۱ واں سمے - شہاب الدین کو شکست ملتی ہے (۱۱) جیت رائے جدہ - ۳۴ واں سمے - جیت راؤ کے ہاتھ سے شاہ کا مقید ہونا (۱۲) ہنساوتی و واہ - ۳۶ واں سمے - شاہ کو حسب معمول شکست (۱۳) پہاڑ رائے - ۳۷ واں سمے - پہاڑ رائے شاہ کو گرفتار کرتا ہے (۱۴) پجّون چالک نام پرستاو - ۴۱ واں سمے - شاہ کو ایک اور ہزیمت (۱۵) ہانسی پور پرتھم جدہ - ۵۱ واں سمے - شاہی فوج کو شکست (۱۶) دوسری ہانسی جدہ - باونواں سمے - شاہی لشکر کو ایک اور شکست (۱۷) پجّون پاتساہ جدہ - ۵۴ واں سمے - پجّون رای شاہ کو پکڑ لیتا ہے (۱۸) درگا کیدار سمیو - ۵۸ واں سمے - شاہ کی گرفتاری (۱۹) کیماس جدہ - ۴۳ ویں داستان - کیماس اور چامنڈ شاہ کو قید کرتے ہیں (۲۰) دھیر پنڈیر پرستاؤ - ۶۴ ویں داستان - دھیر سلطان کو قید کر لیتا ہے -

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ سلطان شہاب الدین نے چھ مرتبہ شکست کھائی اور چودہ مرتبہ شکست کھا کر گرفتار ہوا - جس سے تمام شکستوں کی تعداد بیس ہوتی ہے - تاریخ میں اکثر اوقات دیکھا گیا ہے کہ صرف ایک شکست ایک تاجدار اور اس کی سلطنت و ملک کی تباہی و بربادی کے لئے کفایت کرتی ہے - لیکن سیاسیات و جنگ و نتائج فتح و شکست سے بیخبر پرتھی راج کا یہ داستان گو کس قدر بے خبر ہے جو شہاب الدین جیسے جلیل القدر پادشاہ کو پرتھی راج کے ہاتھ سے ۲۰ مرتبہ ہزیمت دلاتا ہے اور اکیسویں مرتبہ اسے ظفر یاب کراتا ہے - اس سے ظاہر ہے کہ وہ نہ شہاب الدین اور نہ پرتھی راج کی حقیقی وجاہت سے واقف ہے اور نہ عواقب شکست و فتح کا اسکو اندازہ

ہے۔ وہ اپنے ہیرو کی ثنا خوانی اور اس کے سر پر شہرت دوام کا تاج رکھنے کے لئے اسکو ہندو شجاعت اور جوانمردی کے مثالیہ کے طور پر پیش کرتا ہے جس میں اصلی واقعات سے کوئی سروکار نہیں رکھا گیا۔

پرتھی راج کا حریف شہاب الدین اسلام کے دوسرے درجہ کے الوالعزم سلاطین میں سے ہے۔ اسکی زندگی کے واقعات اسکی فتوحات اور شکستیں مسلمانی تاریخ میں سال وار دکھائی گئی ہیں۔ راسا کی مبتینہ شکستوں کے لئے جو اس کے نام پر دی گئی ہیں کم از کم اس سلطان کی زندگی میں کہیں بھی گنجائش نہیں نکل سکتی۔ اسکو عمر بھر بیٹھ کر پرتھی راج سے ہزیمت پر ہزیمت کھانے کے بجاے دنیا میں اور زیادہ ضروری کام کرنے ہیں۔ محمود نے صرف پنجاب فتح کیا تھا۔ شہاب الدین محمودیوں سے پنجاب لیکر فتوحات کا قدم آگے بڑھاتا ہے اور وسط ہند کا اکثر علاقہ فتح کرتا ہے۔ اگرچہ اسکی شہرت کا مدار اسکی فتح ہند کی بنا پر ہے۔ مگر فتح ہند اس کے کارناموں کا صرف ایک رُخ ہے۔ ہندوستان سے زیادہ اس کی مصروفیتیں ایران کے واسطے رہی ہیں۔ جہاں اسکو اپنے سے بھی زیادہ طاقتور سلاطین کے ساتھ جنگ آزمائی کرنی پڑی ہے۔ پرتھی راج تو اسکی فتراک کا ایک صید زبون ہے۔ یہ خوارزمشاہی سلاطین سلطان شاہ اور علاءالدین محمد شاہ ہیں۔ جنکے ساتھ وہ میدانداریاں کرتا رہا ہے۔ اگر اسکی توجہ ایران کے ساتھ منقسم نہ رہتی۔ تو اس کے لئے سارا ہندوستان فتح کرنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔

لیکن میں یہ دکھانے کے لئے کہ راسا کی بیان کردہ شکستوں کے لئے سلطان کی تاریخ میں کوئی گنجائش نہیں۔ یہاں اس کے کارناموں کا بقیہ سنین مختصر تبصرہ کرتا ہوں۔

جب سلطان غیاث الدین (۵۵۸ھ و ۵۹۹ھ) سیف الدین محمد (۵۵۶ھ و ۵۵۸ھ) کے بعد غور کا پادشاہ بنگیا۔ ان ایام میں سلطان معزالدین جو بحالت شہزادگی شہاب الدین کہلاتا تھا اپنے چچا ملک فخرالدین مسعود والی بامیان کے پاس تھا۔ جب غیاث الدین کی تاجپوشی کی اطلاع بامیان پہنچی ملک فخرالدین نے شہاب الدین کو خطاب کرکے کہا "تیرے بھائی نے تو کچھ کرکے دکھا دیا۔ تو بھی کبھی کچھ کرے گا"؟ شہاب الدین نے سر جھکالیا۔ موقعہ پاکر دربار سے نکلا اور سیدھا فیروزکوہ پہنچا۔ غیاث الدین نے سرجاندار بنا دیا۔ سال بھر یہاں رہا اور پھر بھائی سے مایوس ہوکر ملک شمس الدین سجستانی کے پاس سجستان چلا گیا۔ سردی کا موسم وہیں بسر کیا۔ آخر غیاث الدین نے آدمی بھیجکر اسکو بلوایا اور تگین آباد اسکے حوالے کردیا ان ایام میں قبائل غز خطائیوں سے شکست کھاکر غزنین کی طرف بڑھ گئے تھے اور خسرو شاہ سے غزنین چھین کر اپنے قبضے میں لے آئے تھے۔ شہاب الدین تگین آباد سے نکل کر ان پر ہر سال حملے کرتا رہا۔ آخر سلطان غیاث الدین نے غزوں کو شکست فاحش دی اور ۵۶۹ھ میں غزنین کو فتح کرکے معزالدین کے حوالے کردیا۔

اس واقعہ سے دوسرے سال یعنی ۵۷۰ میں معزالدین نے غزنین کا بقیہ علاقہ تسخیر کرلیا اور گردیز پر متصرف ہوا۔ تیسرے سال [۵۷۱ھ] ملتان پر فوج کشی کی اور ملاحدہ کے قبضہ سے اسے نکال لیا۔ ۵۷۳ھ میں جماعت سنقران پر فوج کشی کی اور اس جماعت کو قتل کیا۔ اس واقعہ کے دوسرے سال سلطان نے براہ ملتان واچہ بھیم دیو والی گجرات پر حملہ کیا۔ لیکن شکست کھائی۔ یہ واقعہ ۵۷۴ھ میں پیش آیا۔ ۵۷۵ھ

میں سلطان نے فرشور (پشاور) پر چڑھائی کی اور مسخر کر لیا۔ اس کے بعد متواتر دو سال تک [۵۷۶ھ و ۵۷۷ھ] لاہور پر چڑھائی ہوتی رہی۔ چونکہ محمودی کمزور ہو چکے تھے۔ خسرو ملک نے ایک ہاتھی اور اپنا فرزند بھیجکر صلح کر لی۔ یہ واقعہ ۵۷۷ھ میں ظہور پذیر ہوا۔ اس کے دوسرے سال ۵۷۸ھ میں سلطان نے دیول پر لشکر کشی کی اور سمندر تک کے علاقے پر قابض ہو گیا۔ ۵۸۱ھ میں لاہور پر پھر حملہ آور ہوا اور اس کے علاقہ کو تاراج کیا۔ واپسی کے وقت حکم دیا کہ قلعۂ سیالکوٹ کی مرمت کی جائے۔ حسین خرمیل کی تقرری وہاں عمل میں آئی۔ سلطان کی مراجعت غزنی کے بعد خسرو ملک مع کھوکھروں کی جماعت کے سیالکوٹ کی تسخیر کی غرض سے آیا۔ محاصرہ دیر تک رہا۔ لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ اور ناکام واپس لوٹا۔ ۵۸۲ھ میں سلطان معز الدین پھر لاہور پہنچا۔ خسرو ملک تاب مقابلہ نہ لا سکا۔ سلطان سے ملاقات کے لئے باہر آیا اور قید کر لیا گیا۔ لاہور پر سلطان کا قبضہ ہو گیا۔

۵۸۳ھ سے ۵۸۶ھ تک سلطان معز الدین کیا کرتا رہا؟ ہمیں علم نہیں لیکن گمان غالب ہے کہ ان ایام میں اسکی توجہ ہندوستان کے بجائے ایران اور خوارزمشاہیوں کی طرف مبذول رہی ہے۔ ان ایام میں سلطان شاہ اسقدر طاقتور تھا کہ غیاث الدین اور معز الدین کو اس کے خلاف اپنی پوری طاقت صرف کرنی پڑی ہے۔ شمس الدین بامیانی اور تاج الدین والی سیستان ان کے شریک ہوتے ہیں۔ مرغاب کے قریب دونو فوجیں چھ مہینے تک ایک دوسرے کے مقابل پڑی رہیں۔ آخر ۵۸۶ھ میں جنگ ہوئی اور سلطان شاہ کو شکست فاحش ملی اور وہ چالیس آدمیوں کے ساتھ بحالت تباہ مرو پہنچا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ غیاث الدین نے اسی سال معز الدین کو سلطان

کا خطاب دیا ۔

ان واقعات کے بعد سلطان معزالدین بترہندہ پر چڑھائی کرتا ہے اور اسے فتح کر لیتا ہے ۔ قاضی ضیاء الدین کو قلعہ سپرد کر دیا جاتا ہے ۔ غزنیں اور ہندوستان کی فوجوں سے بارہ سو تولکی اسکے خیل میں منتقل کرنے کے جاتے ہیں اور یہ شرط کر لی جاتی ہے کہ آٹھ ماہ تک یعنی جب تک کہ سلطان غزنیں سے واپس نہ آ جائے قلعہ کو بحالت حملہ غنیم کے سپرد نہ کیا جائے ۔ مگر واقعات خلاف معمول پلٹا کھاتے ہیں ۔ سلطان معزالدین کا غزنیں جا کر واپس آنا کجا ۔ رای پھتورا اپنی فوجوں کے ساتھ بہت قریب آ چکا تھا ۔ ہندوستان کے راجہ مہاراجہ اسکے ساتھ تھے ۔ سلطان اس کے مقابلہ کے لئے ترائن پہنچا ۔ جب جنگ کی صفیں قائم ہو گئیں ۔ سلطان نے گوبندرائے کے ہاتھی پر حملہ کیا ۔ شاہ کا نیزہ اچٹتا سا گوبندرائے کے منہ پر لگا ۔ جس سے اس کے دو دانت جھڑ گئے ۔ گوبندرائے نے ایک سیل مارا جو شاہ کے بازو پر مونڈھے کے قریب لگا ۔ زخم گہرا آیا ۔ قریب تھا کہ بیہوش ہو جائے ۔ ایک خلجی بچہ شاہ کا ردیف بنگیا اور میدان جنگ سے لے نکلا ۔ مسلمانوں کو شکست ہوئی اور لاہور آ کر تھمے ۔ یہ وہ شکست ہے جسکی ہندوؤں نے شاید سود درسود لگا کر ایک روایت کے حساب سے سات اور راسا کی روایت کے مطابق پوری بیس شکستیں بنالی ہیں ۔ قصہ مختصر رای پھتورا جنگ سے فارغ ہو کر قلعہ بترہندہ پر آیا ۔ اور اسے محصور کر لیا ۔ قاضی ضیاء الدین کچھ دن اوپر تیرہ مہینے مقابلہ پر ڈٹا رہا اور لڑتا رہا ۔ جب شاہ کی طرف سے بالکل مایوس ہو گیا ۔ قلعہ رای پتھورا کے حوالے کر کے غزنیں کی طرف چلدیا ۔

دوسرے سال معزالدین نے اپنی فوجیں ہندوستان پر حملے کی نیت

سے فراہم کیں۔ صاحب طبقات ناصری کا بیان ہے کہ مجھے تولک کے ایک ثقہ شخص کی زبانی جسکا نام معین الدین اوشی تھا معلوم ہوا کہ اس سال شاہ کی فوج کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار زرہ پوش سوار تک پہنچ گئی تھی۔ پرتھی راج بتر ہندہ پر دوبارہ قابض ہونے کے بعد تراین کے قریب خیمہ زن تھا۔ وہیں دوسری جنگ ہوئی جس میں رای پتھورا کو شکست ہوئی۔ پرتھی راج اسوقت ایک ہاتھی پر سوار تھا۔ بھاگنے کے ارادے سے ہاتھی سے اتر کر گھوڑے پر سوار ہوا اور میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ مگر سرستی کے قریب گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔ گوبند رای عین میدان جنگ میں مارا جا چکا تھا۔ سلطان نے اسکی لاش کو اسکے دو ٹوٹے دانتوں کی بنا پر پہچان لیا۔ یہ فتح ۵۸۸ھ میں حاصل ہوئی۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ سلطان معزالدین کی زندگی میں ہندوستان کا باب ۵۷۱ھ / ۱۲۳۲ ہجری میں کھلتا ہے۔ جب وہ ملاحدہ سے ملتان لیتا ہے۔ ۵۷۴ھ / ۱۲۳۵ب میں بھیم دیو سے شکست۔ ۵۷۵ھ / ۱۲۳۶ب میں پشاور پر قبضہ۔ ۵۷۸ھ / ۱۲۳۹ب میں دیول پر تصرف۔ ۵۸۲ھ / ۱۲۴۳ب میں لاہور کی فتح۔ ۵۸۶ھ / ۱۲۴۷ب میں سلطان شاہ کی شکست۔ ۵۸۷ھ / ۱۲۴۸ب میں تراین پر شکست اور ۵۸۸ھ / ۱۲۴۹ب میں تراین پر فتح ہوتی ہے۔

ظاہر ہے کہ سلطان معزالدین کے اس کارنامۂ حیات میں نہ ان مفروضہ سات شکستوں کو اور نہ ان بیس شکستوں کو کہیں جگہ دی جا سکتی۔ نہ یہ امر قرین قیاس ہے کہ کوئی سیاست دان اور جنگ آزما بحالت قایمی ہوش و حواس چودہ بار اپنے حریف کو گرفتار کر کے اور زر فدیہ لے کر آزاد کر سکتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ مصنف راسا کے ماؤف دماغ میں بالکل ممکن ہو گیا ہے۔ وہ پرتھی راج و کنار اسکے دربار کے ادنیٰ ادنیٰ ساونت کے ہاتھ سے سلطان کو گرفتار کراتا ہے۔

کبھی سلکھ اسکو پکڑ لاتا ہے۔ کبھی چامنڈ رائے۔ کبھی کنہ۔ جیت رائو بھی یہ عزت حاصل کرتا ہے۔ اس کے بعد پہاڑ رای کی باری آتی ہے۔ یہی خوش قسمتی کیماس کے حصے میں آتی ہے۔ اسی سلسلہ میں پجّوں رای جی کا نام بھی قابل ذکر ہے اور دھیر پنڈیر تو ڈنکے کی چوٹ خود سلطان سے رو در رو کہدیتا ہے کہ میں تمہیں میدان جنگ سے باندھ کرلے جاؤنگا۔ ہوشیار رہنا۔ چنانچہ جو وہ کہتا ہے کر دکھاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ سلطان معزالدین نہیں ہوا بلکہ ربر کا چوہا کہ جس بلّی نے جسوقت چاہا منہ میں دبا لیا اورلے کر چلدی۔

ادھر خود سلطان اسقدر رسوا اور بیباک بلکہ سڑی اور سودائی ظاہر کیا گیا ہے کہ متواتر شکستوں اور گرفتاریوں کے باوجود عقل دُور اندیش سے کام لینا نہیں جانتا۔ بات بات پر غزنیں سے اٹھ دوڑتا ہے اور ہندوستان آکر نئی ذلتوں اور رسوائیوں سے اسے سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسکے جاسوسوں سے پرتھی راج کا دربار بھرا پڑا ہے۔ دم دم کی خبریں اس تک پہنچائی جاتی ہیں۔ ہر خبر اس کے لئے محرک جنگ ہے۔ مثلاً وہ سُن پاتا ہے کہ پرتھی راج کھٹوبن میں شکار کھیلنے جاتا ہے۔ بینیا یانہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور آکر کھٹو بن کو اپنی فوجوں سے گھیر لیتا ہے۔ جنگ ہوتی ہے اور خود گرفتار ہو جاتا ہے اسی طرح وہ سنتا ہے کہ اننگ پال نے پرتھی راج کو دلی کا تخت دے کر بنباس لے لیا ہے۔ سلطان اس موقعہ کو یورش کے لئے غنیمت سمجھتا ہے ایک اور مرتبہ شاہ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ پرتھی راج ایک دفینہ نکالنے کی غرض سے کھٹوبن گیا ہوا ہے۔ سلطان فوراً لشکر لے کر آ پہنچتا ہے۔ ناگور کے قریب ایک خونریز جنگ ہوتی ہے۔ کسی اور موقعہ پر اس سے کہا جاتا ہے کہ پرتھی راج شکار کے لئے کہیں جا رہا ہے۔ شاہ معاً پانچ لاکھ سپاہ لیکر گھگھر

پر آ گیا۔ جہاں بڑا کشت و خون ہوا۔ ایک مرتبہ پرتھی راج جے چند پر حملہ
کرنا چاہتا ہے۔ مگر سلطان اس کا سدّراہ ہو کر طالب جنگ ہوتا ہے۔
ایک روز شاہ اپنے وزیر سے دریافت کرتا ہے کہ پرتھی راج کی کوئی تازہ خبر
بھی آئی۔ وہ عرض کرتا ہے کہ حالت بدستور ہے۔ کوئی نئی بات قابل عرض نہیں
اسپر شاہ کہتا ہے۔ بہت دن ہوئے ابتو اس پر چڑھائی ہونی چاہیئے۔ ان
الفاظ کے ساتھ فوج کشی کا حکم دے دیا جاتا ہے۔ یہ اور اس قسم کی اور لشکر
کشی اکثر اوقات شاہ کی گرفتاری پر منتج ہوتی ہے۔ اس صورت میں وزیر شاہی
تتارخاں غزنیں سے زر فدیہ کا انتظام کرکے اپنے آقا کو چھڑوا منگواتا ہے۔
فدیہ کے لئے پرتھی راج انوکھی فرمائشیں کرتا ہے۔ مثلاً پچوں پاتساہ
جدہ میں شاہ کے فدیہ میں پندرہ ہزار باز مانگے گئے تھے۔ دھیر پنڈیر پرستاؤ
میں شاہ کو ۳۰ ہاتھی اور پانسو گھوڑے بھیجنے پڑے۔ کیماس جدہ میں بارہ
ہاتھی اور ایک ہزار باز۔ گھگھر کی لڑائی میں سات ہاتھی اور پچاس گھوڑے
اننگ پال سمے میں سو باز اور دو لاکھ روپے دینے پڑے ہیں۔ اسی طرح
ریواتٹ سمیو میں نو ہزار گھوڑے اور بہت سے موتی اور دھن کتھا میں
مشہور ہاتھی "سنگار ہار" کے علاوہ تین ہزار گھوڑے پرتھی راج کی نذر کئے
گئے۔ حسین کتھا میں فدیہ نہیں لیا جاتا بلکہ تین بار سلام کروایا جاتا ہے۔
اور یہ وعدہ لے لیا جاتا ہے کہ آیندہ وہ ہندوؤں کے خلاف تلوار نہیں
اٹھائیگا۔ ایک اور موقع پر جب وہ رہا کیا جا رہا ہے اسکی آنکھ شرم سے
اونچی نہیں اٹھتی۔ رہائی کا حکم سنکر تین مرتبہ کورنش بجا لاتا ہے۔ اور
پرتھی راج اس سے کہتا ہے۔ شہاب الدین! تم ایک والی ملک ہو۔ مگر
بڑے ڈھیٹ اور بے شرم ہو۔ تم بار بار یہاں سے رہا کئے جاتے ہو۔ مگر

بار بار چڑھائی کر کے آتے ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ الغرض وہ ہر قسم کی توہین اور ذلّت برداشت کرتا ہے۔ مگر اپنی عادت سے باز نہیں آتا۔ نہ اسے اپنے وعدوں کا پاس ہے اور نہ اپنی ذلّت اور ہتک کا خیال ہے۔

لیکن حقیقی سلطان معزالدین محمد اس ہندو رزمیہ کے سڑی اور خبطی شہاب الدین سے بالکل مختلف ہے۔ وہ غیرت و حمیت کا پتلا ہے۔ اپنے چچا کے ایک خفیف سے طعنے پر بُرا مان کر اس کے دربار سے چلا جاتا ہے اور اپنے بڑے بھائی کے پاس آجاتا ہے۔ جب دیکھتا ہے کہ یہاں بھی اس کی قدر نہیں کی جاتی وہ اس کے دربار سے بھی چل دیتا ہے۔ پرتھی راج سے وہ ایک شکست کھاتا ہے۔ جب تک دوسرے سال آکر اس شکست کا ازالہ کر کے اپنی کتاب سیرت سے رسوائی کا یہ داغ دھو نہیں ڈالتا اسکو چین نہیں آتا۔

خوارزم سے واپسی کے وقت دریاے جیحوں کے کنارے جب خطائیوں اور ترکستانیوں کی ٹڈی دل افواج اسے گھیر لیتی ہیں اور اسکا مشہور سپہ سالار حسین خرمیل رات کی تاریکی میں اپنی پانچہزار فوج سمیت رُوپوش ہو جاتا ہے۔ سلطان معزالدین کے عزم آہنیں میں بال برابر فرق نہیں آتا۔ دوسرے دن وہ بڑی جرأت کے ساتھ غنیم کا مقابلہ کرتا ہے۔ اسکی ساری فوج کاٹ دی جاتی ہے۔ شاہی چھتری پر غنیم نے اسقدر تیر برسائے تھے کہ دُور سے اس پر سیہ کا گمان گذرتا تھا۔ تاہم اس کے پائے ثبات میں تزلزل نہیں آیا تھا۔

ایک فاتح کی حیثیت سے بھی اسکا درجہ بلند ہے۔ طبقات ناصری میں قاضی منہاج سراج نے اس کے نام پر حسب ذیل فتوحات دی ہیں :

دیز - ملتان واچہ - برشور (پشاور) - سیالکوٹ - لوہور (لاہور)
برہندہ - ترائن - اجمیر - ہانسی - سرستی - کہرام - میرٹھ - کول - دہلی -
تھنکیر - بدایوں - گوالیر - بھیرہ - بنارس - قنوج - کالنجر - اودہ - مالوا -
آذوند - بہار - لکھنوتی - مروالرود - نیشاپور - طوس - مرو - باورد -
نسا - شارستانہ - سبزوار - جناباد - خوارزم - اندخود -
میں بخوف طوالت اس آسمان اور ریسمان کے فرق کو زیادہ تفصیل
کے ساتھ دکھائے بغیر آگے بڑھتا ہوں ؂

محمود شیرانی

تذکرۂ خاقانی

خاقانی شعرائے ایران کی درخشان ترین ہستیوں میں سے ہے، اس نے صلیبی لڑائیوں کا ابتدائی زمانہ پایا ہے اور اپنے عہد کی غیر مکلّفانہ زندگی کے بے شمار مناظر کا ایک ایسا صحیح مرقّع اپنے اشعار میں ہمارے لئے چھوڑ گیا ہے جسکو تاریخ کی معاصر کتابوں میں ڈھونڈنا بے فائدہ ہے، باوجود اُن عالمانہ اور جامع تصانیف کے جو یورپ کے مشہور محقّقین نے صلیبی جنگوں کی تاریخ

ؔ یہ مقالہ ۱۸۶۴ء اور ۱۸۶۵ء میں موسیو خانیکوف نے فرانس کی انجمن آسیائی کے رسالے میں شائع کیا تھا، پروفیسر براؤن نے اپنی تاریخ ادبیات ایران میں خاقانی پر جو کچھ لکھا ہے۔ وہ تمامتر اسی مقالے سے ماخوذ ہے، پروفیسر موصوف نے اپنی تصنیف میں اسکی بہت کچھ ثنا خوانی کی ہے۔ جسکی وجہ سے میرا ایک عرصے سے ارادہ تھا کہ اس کا ترجمہ اردو میں کر دوں۔ اب اگرچہ یہ ارادہ تو پورا ہوگیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس مقالے کو پڑھکر بہت مایوسی ہوئی۔ ناظرین خود ملاحظہ فرمالینگے۔ کہ کئی ایک مقامات پر اسکے بیانات غلط اور اُلجھے ہوئے ہیں اور تنقید بھی کچھ ایسی فاضلانہ نہیں، علاوہ اس کے خاقانی کی زندگی کے حالات بھی جسقدر اسکے کلّیات سے جمع کئے جا سکتے تھے وہ سب جمع نہیں ہوسکے۔ اشعار جنکے حوالے جابجا دئے گئے ہیں۔ اسقدر اغلاط سے پُر ہیں کہ کسی مصرعے کا وزن درست نہیں۔ بااین ہمہ میں نے کسی قسم کے نوٹ یا حواشی کا لکھنا ضروری نہیں سمجھا، ممکن ہے کہ اس مضمون کے اختتام کے بعد علیحدہ طور سے ترمیم و اضافہ کے لئے ایک مضمون لکھنے میں آجائے۔ خاقانی کے قصاید چونکہ ہندوستان کی اکثر یونیورسٹیوں کے فارسی نصاب میں داخل

پر لکھی ہیں۔ خاقانی کی شاعرانہ شہادت کو ہم بنظر حقارت نہیں دیکھ سکتے جو ہم کو بارھویں صدی کی اسلامی سوسائٹی، اسکے نظام اور رجحانات کو صحیح طور پر تصوّر کرنے میں بہت بڑی مدد دیتی ہے، چونکہ وہ ایک ایسے شاہی دربار[1] میں مقیم تھا۔ جسکی اہمیت ایک ثانوی درجہ رکھتی تھی۔ لہذا جو اطلاعات اُسنے ہمارے لئے مہیّا کی ہیں۔ انکی قدر و قیمت اور بھی زیادہ ہے۔ اس لئے کہ ان کمتر درجے کے شاہی خاندانوں کے بارے میں تاریخ ہمیں کچھ نہیں بتلاتی۔ اور ان اطلاعات سے ہمیں اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ دربار خلافت کے رسوم و اطوار اسلام کی وسیع سلطنت کے دُور و دراز علاقوں میں کس حد تک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵) ہیں۔ لہذا اس مضمون کا مطالعہ ہمارے طالبعلموں کے لئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا اور شاید خاقانی پر آئندہ تحقیقات کے لئے سنگِ بنیاد کا کام دے۔ ترجمہ کرنے میں میں نے مصنّف کے الفاظ کی غلامانہ پیروی نہیں کی بلکہ زیادہ خیال صرف اسیات کا رکھا ہے کہ انکے خیالات کی صحیح ترجمانی ہوجائے۔ اسی طرح بعض جگہ یورپین تصانیف کے حوالوں اور مصنّفین کے ناموں کو غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیا ہے۔ منقولہ اشعار کے متن کو جو جا بجا غلط ہے صحیح کر دیا گیا ہے۔

دیموخانیکوف جو اس مقالے کے مصنّف ہیں خود روسی الاصل تھے جیسا کہ اُن کے نام سے ظاہر ہے لیکن مدت العمر فرانس میں مقیم رہے جسکو انہوں نے اپنا وطن بنالیا تھا، سالہائے دراز تک انہوں نے قفقاز، آذربائجان، ایران اور ترکستان کا سفر کیا اور فارسی زبان اور تاریخ پر دلچسپ علمی مقالات لکھے جو فرانس کی انجمن آسیائی کے سہ ماہی رسالے میں طبع ہوتے رہے انکی تاریخ وفات ۱۸۷۹ء ہے ۱۲

[1] یعنی شروانشاہیوں کا خاندان جنکا پایہ تخت ابتدا میں کرشاسف (آذربائجان) تھا لیکن خاقانی کے زمانے میں وہ باکو میں منتقل ہوگئے تھے ۱۲ مترجم

پرتوفگن تھے، اسنے اپنی زندگی میں جو مصائب اور انقلابات سے پُر ہے اسلامی تاریخ کی ایک دلچسپ صدی کے سالہائے دراز کے واقعات کا مشاہدہ کیا ہے، اس عہد نے جو مشرق و مغرب کے طویل اتصال[1] کے باعث قابلِ یادگار ہے۔ ہمارے شاعر کی سریع التأثر طبیعت پر گہرا اثر ڈالا ہے لہذا ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ناظرین کو خاقانی کی زندگی کے معدودے چند واقعات کی تفصیل سے آشنا کرنے سے پیشتر ہم اس عہدی کی تاریخی خصوصیت کا مختصر سا خاکہ کھینچکر پیش کریں،

چھٹی صدی ہجری میں خلافت کا چراغ اپنی آخری اور دھندلی شعاعوں کے ساتھ ٹمٹمارہا تھا، سلاطین سلجوقی کو ان کی خودسری نے یہاں تک دلیر کردیا تھا کہ انہوں نے خلیفۂ اسلام کے دنیاوی اور دینی اختیارات کو ایک دوسرے سے جُدا کرنے پر اقدام کیا۔ چنانچہ سلطان محمود نے ۵۲۸ھ میں بغداد کو تاراج کیا، اس سے اگلے سال سلطان مسعود خلیفہ [الرّاشد باللہ] کو اسیر کرکے مراغہ لے گیا اور ۵۳۰ھ میں اسنے اس کے جانشین خلیفہ المقتفی کو ایسی شرطیں منظور کرنے پر مجبور کیا۔ جنکی وجہ سے اسکے اعلےٰ اختیارات حقیقت میں سلب ہوگئے، ان شرائط کی رُو سے خلیفہ اپنے محل کی چار دیواری میں مقیّد ہوکر رہ گیا اور اسکو فوج رکھنے کے حق سے محروم کر دیا گیا، اگرچہ اس عہدنامے کی شرطیں زیادہ دیر تک نافذ نہ رہیں تاہم ان کی وجہ سے سلطنت اسلام کا نظام متزلزل ہوگیا اور اگر صلیبی لڑائیوں نے مسلمانوں کی مذہبی حرارت کو مشتعل نہ کیا ہوتا۔ تو خلافت اپنے ضعف و اضمحلال کے باعث ہلاکو خان کے تباہی خیز حملے سے بہت پہلے فنا ہوچکی ہوتی،

---

[1] یعنی صلیبی لڑائیوں کا زمانہ جو ڈیڑھ سو برس پر حاوی ہے ۱۲ مترجم،

یوروشلم یعنی بیت المقدس اسوقت عیسائیوں کے قبضے میں تھا' خلفاء رسول اللہ کی دعاؤں کے حربے ان آہن پوش مشرکین پر بالکل بیکار ثابت ہو چکے تھے۔ جو ایک ایسی فداکاری کے ساتھ جو کسی بہتر مقصد کے لئے زیادہ موزوں تھی۔ اس مقدس شہر کو اپنے مذہب کے دشمنوں کے ہاتھ سے چھڑانے کے لئے گھر بار چھوڑ کر آئے تھے۔ خلفاء کی کمزوری ایسے وقت میں جبکہ شوکت اسلام ایک نازک حالت میں تھی۔ علماء مذہبی کی طاقت کو ترقی دینے میں بھی ممد ہوئی جنہوں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر عیسائیت کے خلاف جہاد کی تحریک کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور انکا اقتدار یہاں تک بڑھا کہ ۵۷۸ھ میں خلیفہ ناصر لدین اللہ کو ہم ایک معمولی شیخ کے ہاتھ سے جسکا نام عبدالجبار ہے۔ فتوی کا اجازت نامہ حاصل کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

اسلام جو کہ مشرقی دنیا میں مختلف الجنس اقوام کے درمیان ایک بینظیر اور زبردست رابطۂ اتحاد ہے۔ اس صدی میں نہایت کٹھن امتحانوں میں سے گذر رہا تھا' تزلزل عقائد نے اس کی بنیادوں کو ہلا ڈالا تھا اور الحاد باطنیہ کا طوفان جس کی مہیب صدا ایک صدی پیشتر فقط دور کے افق پر سنائی دے رہی تھی۔ اب وہ مصر کے خلفاء فاطمی کے سائیہ حفاظت میں اور خلافت عباسی کے زوال کا موقع پا کر حکومت کے عین مرکز پر بلاخوف گرج رہا تھا' شیخ الجبل اور اس کے خونخاک جانشین اپنے آشیانۂ عقاب یعنی قلعۂ اَلَموُت[1] میں بیٹھے ہوئے بغداد کی صدائے تہدید کو مردانہ وار سُن رہے تھے اور اپنے عبرت آمیز انتقامات سے جو ہمیشہ فوری اور سنگدلانہ ہوتے تھے ہر ادنیٰ و اعلیٰ کو جسکے متعلق انکو اپنے مخالف ہونے کا شبہ ہوتا تھا مرعوب کئے ہوئے تھے' نہ

---

[1] اَلَموُت اصل میں "الہ اموت" ہے جسکے معنی بزبان پہلوی آشیانۂ عقاب کے ہیں ۱۲ مترجم

عظمتِ خلافت نہ شوکتِ شاہانہ نہ اقتدار وزارت نہ علم و فضل نہ زہد و تقویٰ ان فدائیانِ الحاد کے بازوی انتقام کو روک سکتا تھا۔ شاہانِ صادق الاعتقاد یعنی سلاطین سلجوقی اور انکے وزراء و فقہاء کو اپنے مخاصمانہ افعال بلکہ بسا اوقات محض اقوال کا کفارہ باطنیوں کے ان متعصب دیوانوں کے خنجر تلے اپنی جان سے دینا پڑتا تھا'

صلیبی حملہ آوروں کے ساتھ جنگ آزمائی کی ضرورت نے اگرچہ بہت سے جاہ طلبوں کو اپنے اپنے منصوبوں سے باز رکھا تاہم چھٹی صدی ہجری میں حدود خلافت کے اندر فرمانرواؤں کے نئے نئے خاندان طوفانی سمندر کی موجوں کی طرح پیدا ہوتے اور مٹتے رہے' خاقانی کے زمانے میں اس قسم کے کئی خاندانوں کی بنا منہدم ہوئی مثلاً خاندان حسنویہ دینور اور شہر زور میں' سلجوقی خاندان شام میں' خاندان المرابطین مغرب میں' خاندان کاکویہ فارس میں' خانوادۂ طغتکین شام میں' نجاحی خاندان یمن میں' بنی اسد حلب میں اور خاندان دانشمندیہ ایشیای کوچک میں' اسی زمانے میں جو خاندان نئے پیدا ہوئے ان میں جاولی کا خاندان موصل میں' اتابکانِ یزد' بنو حفص ٹیونس میں' مہدیہ خاندان یمن میں' ایوبی خاندان حمص میں' سالکی خاندان ارض روم میں' اتابکانِ آذربائجان' اتابکان لرستان' خورشیدی خاندان لرستانِ کوچک میں' خاندانِ غوری غزنی میں اور بنو ایوب یمن میں[1]' یہ تمام یک روزہ زندگی کے خاندان مملکتِ خلفاء کی بکھری ہوئی دھجیاں سمیٹنے کی خاطر باہم دست و گریبان ہو رہے تھے۔ جب کہ مشیّتِ ایزدی انتہائے مشرق سے ان سب پر ہمہ گیر تباہی لانے والے کو

---

[1] خاندانوں کی اس فہرست میں بعض ایسے بھی ہیں جو خاقانی کے معاصر نہیں ہیں بلکہ اس سے پہلے زمانے کے ہیں' اسکو بالتفصیل بیان کرنا چنداں اہمیت نہیں رکھتا ۱۲ مترجم

پکار رہی تھی ۔ وہ آفتِ اسلام چنگیز خان تھا جو ۵۴۹ھ میں پیدا ہوا، ترکی اقوام جو صدیوں سے اپنی طاقت کو چین کے ساتھ بے سُود جد و جہد میں صرف کر رہی تھیں ۔ اسکے علم کے سائے میں اب سرزمینِ خلافت پر چھا جانے کو تھیں، دوسری طرف قدیم اسلامی خاندانوں کے فرمانرواؤں کی غرض پرستیاں (جن سے ہماری مراد سلجوقیوں اور خوارزمشاہیوں سے ہے) اور ایک دوسرے کو کمزور کرنے کی سرگرم کوششیں اسلام کے نظام معاشرت کو درہم برہم کرنے میں شدّت سے ممد ہو رہی تھیں،

چھٹی صدی ہجری واقعات اور واقعہ طلب لوگوں کا زمانہ ہے، ہمدانی اور حریریؔ نے اس زمانے کے فریب کاروں کی تصویر ہمیں کھینچکر بتائی ہے[ل]۔ اور ان کے مقامات سے ہمیں اسبات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس بے آئینی اور ابتری کے زمانے میں ایک دلیر اور بے دیانت شخص کیا کیا کچھ نہ کر سکتا تھا۔ اور تقریباً ان کے سب معاصر مصنّفوں کی کتابوں میں اسی قسم کی معرکہ جُو طبیعتوں کی موجودگی کے آثار نظر آ رہے ہیں،

ان تمام خصوصیّات کی وجہ سے اس عہد کی ادبی تصانیف پر افسردگی کا بادل چھایا ہوا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود قدرت بھی اپنے معیّن راستے سے ہٹ کر با ایمان مسلمانوں کی ایذا دہی کے سامان مہیّا کر رہی تھی، ۵۳۴ھ میں بغداد میں اڑنے والے بچھو نمودار ہوئے ۔ اس کے چند سال بعد شام میں کئی مرتبہ تباہی خیز زلزلے آئے ۔ ۵۵۵ھ میں سورج کے کامل گرہن نے خوش عقیدہ مسلمانوں کو شدت سے خوفزدہ کیا اور بالآخر برج میزان میں سبعۂ سیارہ کے

[ل] تعجّب ہے کہ مصنّف نے حریری کے ساتھ ہمدانی کو بھی شامل کر لیا حالانکہ اس کا زمانہ حریری سے تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے کا ہے ۱۲ مترجم،

اجتماع نے عام طور پر لوگوں میں یہ اعتقاد پیدا کر دیا کہ دنیا کا خاتمہ قریب ہے اور نجومیوں نے یہ پیشینگوئی کی کہ دنیا عنقریب ایک طوفان سے تباہ ہونے والی ہے۔

یہ عالمگیر افسردگی، یہ مذہبی شکوک اور دنیا و مافیہا کی یہ بے ثباتی لازمی طور سے شاعری کو تصوّف کی طرف لے گئی، ہم خاقانی کے ہاں کہیں کہیں اسکی جھلک دیکھتے ہیں اگرچہ شاعری کے اس مخصوص شعبے کا موجد سنائی ہے۔ جسکے لائق مقلّد جلال الدین رومی اور فریدالدین عطّار ہیں، مؤخر الذکر کو فرانس میں ذی علم لوگ موسیو گارسان دتاسی کے بے نظیر ترجموں کی بدولت بخوبی جانتے ہیں،

بالآخر چھٹی صدی کے وسط میں اہل فرنگ کی غفلت کاری کی وجہ سے جو فلسطین میں اپنی حکومت جمائے بیٹھے تھے۔ مسلمانوں کے لئے دوبارہ غلبہ حاصل کرنا ممکن ہوگیا۔ ۵۷۹ھ میں بیت المقدس کے فتح ہونے کی خبر غیر معمولی سرعت کے ساتھ سرزمین اسلام میں اس سرے سے اس سرے تک دوڑ گئی۔ چنانچہ قاضی مجیرالدین نے فوراً اس فتح کا اعلان ذیل کے شعر میں کیا جو اُس زمانے میں خاصا مقبول ہوا :

و فتحکم حلب الشّهباء فی صفر قضیٰ لکم افتتاح القدس فی رجب

یہ صورتِ حالات اگرچہ اسلامی سوسائٹی کے ارتقا کے لئے مضر تھی۔ تاہم مشرقی شاعری کی ترقی کے لئے نہایت موافق تھی، سلجوقی، خوارزمشاہی، اتابک، شروانشاہی اور دوسرے حکمران خاندان ظاہری شان و شوکت میں اور علوم و فنون کی تربیت میں دربار خلافت کے ساتھ رقابت پر تلے ہوئے تھے، ان شاہی درباروں کی کثرت نے شعراء کے لئے جو اپنی درباداری میں عموماً بے اصول ہوتے تھے۔ بڑی آسانی پیدا کر رکھی تھی کہ جہاں ایک بادشاہ سے

ناخوش ہوئے فوراً ان کو اس کے کسی ہمسر بادشاہ کے ہاں بار مل گیا' ایک برمحل قصیدے کا صلہ ان کو چند سالوں کے لئے فکر معاش سے بے نیاز کر دیتا تھا یا یہ نہیں تو کم از کم عرصۂ دراز کے لئے ایک باعزت زندگی ان کے لئے یقینی ہو جاتی تھی' یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں استعداد شاعری کی اسقدر افراط ہے' ہمارا ارادہ یہ نہیں ہے کہ یہاں ہم اس عہد کے شعراء کے ناموں کی فہرست دیں کیونکہ تذکرۂ دولتشاہ میں یہ سب نام موجود ہیں۔ لیکن یہ بتا دینا ضروری ہے کہ خاقانی اپنے تقریباً تمام ہمسر شعراء سے زیادہ دیر تک زندہ رہا' حریری سے لے کر (جو ۵۱۶ھ میں فوت ہوا) نظامی تک (جسکی وفات ۵۷۶ھ میں[1] ہوئی) اسنے اپنے سامنے انوری' سنائی' وطواط' سوزنی اور ان کے استادوں اور شاگردوں کی ایک بڑی جماعت کو راہی ملک عدم ہوتے دیکھا' اور آنے والی نسلوں نے بھی قدرت کی تقلید کرتے ہوئے اسپر ویسا ہی احسان کیا کہ اس کے کلام کو محفوظ رکھ کر اسکی درازیٔ عمر کا سامان کر دیا۔ حالانکہ اُس کے معاصرین کا کلام ہم تک نہیں پہنچ سکا۔ چنانچہ فلکی شروانی کے دیوان کے لئے ایران کے تمام بڑے بڑے کتب خانوں میں میری تلاش بے سود ثابت ہوئی[2] حالانکہ الغ بیگ کے زمانے تک اس کے نسخے موجود تھے۔ اسی طرح ابوالعلاء [گنجوی] اور مجیر بیلقانی کے دواوین کی تلاش میں بھی میری سب کوششیں بیکار گئیں'

اگر ہم خاقانی کی زندگی کے حالات فارسی شعراء کے تذکروں سے اخذ کرنے پر اکتفا کرتے تو ہمارے پاس اپنے ناظرین کے سامنے پیش کرنے کے

---

[1] نظامی کی یہ تاریخ وفات صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ ۶۰۰ھ کے بعد تک زندہ رہے ۱۲ مترجم [2] فلکی کا دیوان بہ تصحیح پروفیسر ہادی حسن (علیگڈھ یونیورسٹی) اب شائع ہو چکا ہے اور اسکا ایک بہتر اور زیادہ ضخیم نسخہ پروفیسر سعید نفیسی (طہران) کے کتب خانے میں ہے ۱۲ مترجم'

لئے بہت تھوڑی اطلاعات ہوتیں' اور یہ اطلاعات کم و بیش فان ہامر اپنی کتاب میں اس سے پیشتر دے بھی چکا ہے - علاوہ اس کے وہ بے اہمیت بھی ہیں اس لئے کہ اُن سے نہ شاعر کی سیرت اور نہ فن شعر میں اسکے رتبے کا اندازہ ہو سکتا ہے - لیکن خوش نصیبی سے ہمارے پاس اسکے حالاتِ زندگی کا ایک ایسا ماخذ موجود ہے جس میں اطلاعات کی فراوانی اور درس آموزی فارسی تذکروں کی نسبت بہت زیادہ ہے یعنی خاقانی کا اپنا کلام' لیکن اس میں ایک بڑی خامی یہ ہے کہ وہ ناظرین کو اپنے اقوال و افعال کے بیان سے خوش کرنے کی دُھن میں واقعات کی تاریخ بہت شاذ و نادر بتلاتا ہے' اس کمی کو ہم نے دوسرے ذرائع سے پورا کیا ہے -

افضل الدین حقایقی جسکو اسکے استاد ابو العلاء نے خاقانی کا لقب دیا گنجہ میں ۵۰۰ھ میں پیدا ہوا[1] [دریائے] کُر کی خوبصورت وادی جو گنجہ کے قریب آکر ایک وسیع اور زرخیز میدان کی شکل اختیار کر لیتی ہے - شمال میں کوہ قاف کی برفانی چوٹیوں سے گھری ہوئی ہے اور اسکے جنوب میں قرا باغ کے سرسبز اور جنگلات سے ڈھکے ہوئے پہاڑ ہیں - اسکی خاک سے بہت سے بلند پایہ شاعر اُٹھے' قرونِ وسطیٰ میں خاقانی اور نظامی کا نام اس دعوے کا بیّن ثبوت ہے اور فی زماننا میرزا شفیع کا نام موسیو بوڈن شڈٹ کے سفرنامے کے سب پڑھنے والے جانتے ہیں' خاقانی کے باپ کا نام علی تھا اور وہ بڑھئی کا کام کرتا تھا - اسکی ماں رومی الاصل تھی جسکو ایک بردہ فروش قفقاز میں لایا تھا' وہاں وہ خاقانی کے باپ کے ہاتھ فروخت ہونے کے بعد

---

[1] دیکھو اس کا قصیدہ در صفت اصفہان جس میں وہ لکھتا ہے : " پانصد ہجرت چو من نزاد یگانہ "

اسلام لائی۔ تحفۃ العراقین میں جہاں وہ اپنی اصل و نسل کا حال لکھتا ہے وہاں وہ کہتا ہے کہ ماں کی طرف سے میں طباخ نسب ہوں اور دادا کی طرف سے جولاہہ ہوں۔ اس کا چچا اور حقیقی محسن میرزا کافی بن عثمان (جیسا کہ ہم آگے چلکر ملاحظہ کرینگے) طبابت اور عطاری کا کام کرتا تھا۔

اس کا باپ اگرچہ باوجود اپنی محنت و مشقت کے دولتمند نہ تھا تاہم خاقانی کی زندگی کے ابتدائی چند سال میں وہی اسکی پرورش کا کفیل رہا چنانچہ اس نے فخریہ کہا ہے ؎

از برّ خلائقم بیکبار — از مائدۂ علّی نجّار

لیکن بالآخر علی نجّار اپنے بیٹے سے جلد دست بردار ہوگیا اور خاقانی نے بعد میں اس امر کو فراموش نہیں کیا۔ چنانچہ ایک مقام پر اپنے والد کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس نے میرے ساتھ وہ کیا جو زمانۂ جاہلیت کے عرب اپنی بیٹیوں کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ ابوالعلاء گنجوی کا ایک ظریفانہ قطعہ جس کو ہم آگے

۱؎ دیکھو تحفۃ العراقین "در ستایش مادر خویش" ؎

نسطوری و موبدی نژادش — اسلامی و ایزدی نہادش

۲؎ ع طباخ نسب ز سوی مادر، آگے چلکر کہتا ہے ع وز سوی پدر ورو گرم دان،

اور پھر ع جولاہہ نژادم از سوی جد،

۳؎ لیکن کلیات خاقانی میں اسکا نام عمر بن عثمان ہے اور کافی الدین اسکا لقب ہے ۱۲ مترجم

۴؎ ع وز سوی عمم طبیب گوہر (تحفۃ العراقین)،

۵؎ قطعۂ ذیل کی طرف اشارہ ہے ؎

خاقانیا اگرچہ سخن نیک دانیا — یک نکتہ گویمت بشنو رایگانیا

ہجو کسی مکن کہ ز تو بہ بود بسن — شاید کہ او پدر بود و تو ندانیا

کسی جگہ دہرائینگے - ہمیں اسباب کا یقین دلاتا ہے کہ خاقانی کے باپ کی یہ فرض ناشناسی ان دونو کی (یعنی خاقانی اور ابوالعلاء کی) باہمی دشمنی کی ایک حد تک ذمہ دار تھی - کیونکہ زبان دراز لوگ ہمارے شاعر کی پیدائش کو ابوالعلاء کی طرف منسوب کرتے تھے - اصل حقیقت جو کچھ بھی ہو خاقانی کے اشعار میں اس کے بچپن اور تعلیم کے حالات یہ ہیں جو ہم اب بیان کر رہے ہیں - ایک مقام پر اپنے چچا کی یاد میں لکھتا ہے ؎

مسکین پدرم ز جورِ ایّام　　انگند مرا چو زال را سام
او سیمرغی نمود در حال　　در زیر پرم گرفت چون زال
آوردہ بکوہ قافِ دانش　　پروردہ مرا بآشیانش
با من بہ یتیم داری آن مرد　　آن کرد کہ عم بمصطفی کرد

آگے چلکر کہتا ہے ؎

حافظ بدہ از پی کمالم　　از آتش و آب ہفت سالم
چون دید مرا زبان کشادہ　　لوح خردم بدست دادہ
...　...　...　...　...　...　...　...
ہم دایہ و ہم معلّم من　　ہم آسی و ہم معزّم من

خاقانی نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ دوران تعلیم میں اسنے کون کونسے علوم حاصل کئے ' وہ تقریباً سب وہی تھے جو آج بھی مروّج ہیں - لہذا بالتفصیل بتانے کی ہم ضرورت نہیں سمجھتے ' صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ اس کے چچا کا معمول یہ تھا کہ ہر روز شام کو دکان بند کرنے کے بعد اسکو عربی ' طب ' ہیئت اور فلسفہ پڑھایا کرتا تھا اور باوجود اس شفقت کے جو اس کو بھتیجے کے ساتھ تھی وہ مشرقی معلّموں کی طرح اپنے ملک کے دستورِ تعلیم کے مطابق اپنے شاگرد پر

ڈنڈے کا استعمال کیا کرتا تھا تاکہ حصولِ علم میں اسکی سرگرمی زیادہ ہو' ہمارے شاعر نے اس تادیب کا ذکر نہایت جدّت آمیز طریقے سے کیا ہے ؎

نفسم بدو کانش چوب خوردہ چون نار بچوب نرم کردہ
گر موسی از آنچہ معجزش بود از چوب فگندہ مار بنمود
او حق دلم بچوب بشناخت زان نفس چو مار موئی ساخت

آگے چلکر کہتا ہے ؎

من چوبش خوردہ وقت تعلیم شاشیدہ ہزار بار از بیم
خورشید چو نیزہ دار باشد بر ابر نگیر اگر بشاشد

آخر میں وہ ہمیں بتلاتا ہے کہ میری تعلیم اپنی عمر کے پچیسویں برس میں ختم ہوگئی یعنی ۵۴۵ھ میں اور اسی سال اسکو اپنے چچا کا بھی ماتم کرنا پڑا جنے چالیس برس کی عمر میں بحالتِ تجرد انتقال کیا چنانچہ وہ کہتا ہے ؎

چون پای دلم بگنج در کوفت سالم دربیست و پنج در کوفت
زین کلبہ بکلبۂ بقا رفت زان عالم بود و باز جا رفت

خاقانی کی شاعری کا جوہر خاصی چھوٹی عمر میں نمودار ہونا شروع ہوا' ہمیں اُس قصیدے کے عنوان سے جو اسنے ابوالفوارس کی وفات پر لکھا ہے[1] پتہ چلتا ہے کہ وہ شاعر کے بچپن کا کلام ہے اور چونکہ اس قصیدے میں وہ اپنا تخلص خاقانی لایا ہے۔ اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس سے پیشتر اس کے استاد ابوالعلا نے اسکو خاقان منوچہر کے دربار میں داخل کرا کے اسکو خاقانی کا تخلص۔

---

[1] اسکو ابوالفارس شاعر المتوفی ۵۰۰ھ کے ساتھ مخلوط نہیں کرنا چاہیے'

[2] افسوس ہے کہ مطبوعہ کلیات میں مجھے یہ قصیدہ نہیں ملا۔ یا تو اس میں یہ قصیدہ اس عنوان کے ساتھ نہیں دیا گیا یا ممکن ہے کہ میری تلاش کا قصور ہو ۲ مترجم

اختیار کرنے کی اجازت دلوا دی تھی جسکو وہ اپنی عمر کے آخر تک استعمال کرتا رہا'

ابوالعلاء اور خاقانی کے تعلقات خاصے بے تکلفانہ تھے۔ بڈھے شاعر کو اپنے ہونہار شاگرد پر بہت ناز تھا اور ہم کو دولتشاہ سمرقندی کے ذریعے سے اور خود ابوالعلاء کی زبانی بھی یہ بات تحقیق ہوئی ہے کہ اس نے خاقانی سے اپنی بیٹی بیاہ دی تھی۔ اس سے پہلے وہ اس بیٹی کے رشتے کا وعدہ اپنے دوسرے شاگرد فلکی سے کر چکا تھا۔ تو اب اسے تسلّی دینے کے لئے اسنے بیس ہزار درہم کی گرانبہا رقم اسکو دی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ یہ رقم پچاس ترکی کنیزوں کی قیمت ہو سکتی ہے جو اسکی بیٹی سے کہیں زیادہ حسین ہونگی'

ہمیں یہ معلوم نہیں کہ یہ دوستانہ تعلقات کب تک رہے؟ ابوالعلاء کی طرف سے پہلے یہ شکایت شروع ہوئی کہ اسکا داماد اسکی واجب تعظیم نہیں کرتا چنانچہ اس نے دو قطعے لکھ کر شائع کئے۔ جس میں اس نے اپنے شاگرد کی آبرو پر حملہ کیا' ان میں پہلا یہ ہے ؎

خاقانیا اگرچہ سخن نیک دانیا یک نکتہ گویمت بشنو رایگانیا

ہجو کسی مکن کہ ز تو بہ بود بسن شاید کہ او پدر بود و تو ندانیا

خاقانی نے غالباً اس حملے پر شکایت کی آواز بلند کی اور اپنے استاد سے جواب طلب کیا' بڈھے کینہ پرور نے جواب تو دیا لیکن وہ اس کے پہلے حملے سے بھی زیادہ ہتک آمیز تھا' یہ اشعار خاصے معروف ہیں تاہم انکو ہم یہاں دُہراتے ہیں تاکہ اس سلسلۂ جنگ کی ساری کڑیاں ناظرین کے پیش نظر رہیں ؎

تو ای افضل الدین اگر راست پرسی بجان عزیزت کہ از تو نہ شادم

ور دگر پسر بودہ نامت بشروان بخاقانیت بر لقب من نہادم

بجای تو بسیار کردم نکوئی ترا دختر و مال و شہرت بدادم

چرا حرمت من نداری تو چون من تر ا ہم پسر خواندہ ہم اوستادم
بمن چند گوئی کہ گفتی سخنہا کزین سان سخنہا نباشد بیادم[1]

... ...

اس جواب کی درشت کلامی پر (جو شروع میں تو خاصا ملائم ہے لیکن آخر میں نہایت تلخ ہو گیا ہے) برہم ہو کر خاقانی نے ابوالعلاء کی ہجو لکھی جسکو ہم ذیل میں (مع ترجمہ) درج کرتے ہیں۔ اس لئے کہ یورپ میں یہ اشعار اب تک شائع نہیں ہوئے اور ان میں بعض دلچسپ نکات بیان ہوئے ہیں، لیکن ہم ناظرین سے درخواست کرینگے کہ وہ بعض تخیلات کے فحش ہونے پر یا بعض الفاظ کی ناشائستگی پر ہول زدہ نہ ہوں اور یہ یاد رکھیں کہ یہ بارھویں صدی کے ایک ایرانی کی صدائے غضب ہے اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ یورپ میں بھی زبان ہمیشہ فحش سے پاک نہیں ہوتی تھی ؎

بینی سگ گنجہ [را] درین کوی ہم سُرخ قفا و ہم سیہ روی
آن سرخ نہ کز معمری خاست سرخی کہ ز دست مرغزی[2] خاست
آن ملحد ابوالعلای سافل چون وحش و بہیمہ عقل و غافل
غر بچہ و غرچہٗ ز کوری غوری سگ و غولی اصل غوری
چون آن سگ غوری از جہان زاد ہمشیرۂ شیخ نجدی افتاد
سکزی و ز سکزیان مختال پروردۂ شیر سگ علی الحال
آن جاحظ وقت را بدی خواہ وآن جاحد دین ایادہ اللہ
بطریق زمانہ باب بطروس صدرہ بہ از آن جہود منحوس

---

[1] آخری شعر خلاف تہذیب ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے، دیکھو تذکرۂ دولتشاہ ذکر ابوالعلاء ۱۲ ق
[2] مرغزی = مروزی،

خواهی اش جهود ملحدان دان　　ور خواهی ملحد جهود دان
مانند جهود شد زحل رنگ　　لابل چو زحل جهود نیرنگ
او کیست که با روان تاریک　　باشد بشابهت هوید یک
او جز بی نفی حق نپوید　　آن از اب و ابن و روح گوید
آن مشرک و این معطّل از دل　　هم مشرک بهتر از معطّل
از نم شده آفتابه اش دست　　اشتاب و دهن دریده چون طست
لابل که چو شمع طست ز آغاز　　خو کرده بشمعها سر گاز
دارد نسب از جحیم خذلان　　هم نار جحیم گردش جان
بوده نسبش از آتش آز　　هم بر سر آز جان دهد باز
مانند جعل بفعل و سیما　　بینی که جعل بوقت گرما
از نقل چهار پا بزاید　　هم بر سر آتش جان برآید
چون از در دین ستوه گردد　　گرد در و گرد کوه گردد
صبّاحی را در ابر جوید　　چون یافت نعم صباح گوید
گوید که حسن پیمبری بود　　کیّال[1] بزرگ مهتری بود
گوید که محمّد ای برادر　　مردیست حکیم کیمیا گر
او با زن زید آن و این کرد　　آنگاه ورا نکاح دین کرد
از محدث کاف و نون که مولیست　　محجوبم گر این حدیث او نیست
وز روضهٔ مصطفیٰ که مینوست　　بیزارم ار این نه گفتهٔ اوست
هستند برین گوا شب و روز　　در فندق او دو صد کله دوز
در فندق او بود دکانش　　صد گوز دو مغز در دهانش

---

[1] کیّای (؟)

زو زندقیان بطبع ناخوشش — در نعرہ چو شہ بلوط از آتش
آنکہ احمد را حکیم داند — خاقانی را بہ بین چہ خواند
گوید کہ رسول بود فاجر — در پور علی چہ گوید آخر
صبّاح شد این لعین بی دین — ما ناکہ نماند اہل قزوین
شروان کہ چو کعبہ بود ازین پیش — کردش چو کنشت از آفتِ خویش
بیت المقدس بدہ بایّام — چون دار قمامہ گشت بدنام
برجبہتش از فنا رقم باد — اہلِ الموُت را الم باد

یہ اشعار جو خاقانی کے کلام میں اپنی نوعیّت میں بالکل یگانہ ہیں (اور اسکی اخلاقی شہرت کے لئے یہ بات مفید ہے کہ ایسی مثالیں اس کے کلام میں اور نہیں ہیں) ہم پر یہ بات واضح کرتے ہیں کہ اس کے استاد اور مربّی کے ہجو یہ قطعوں نے اس کے دل کو کس قدر زخمی کیا تھا' ہر اُس شخص پر جو اسلامی مشرق سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہو یہ امر واضح ہے کہ اس ہجو نے انتہائے برہمی کی حرارت کے باعث ایک نفرت انگیز سیاسی اتّہام کی شکل اختیار کی ہے' اگر کسی شخص کی اخلاقی برائیوں کی تضحیک کی جائے تو اسلامی سوسائٹی میں اسکو بہت کم اذیت پہنچتی ہے۔ کیونکہ یہ بُرائیاں وہاں اسقدر عام ہیں کہ ان سے خاصی چشم پوشی کی جاتی ہے لیکن اگر پبلک کی توجّہ اس کے باطنی عقاید کی طرف مبذول کی جائے جو کہ عوام کے عقاید کے اسقدر برعکس ہوں اور جن کو کوئی مسلمان اپنے گھر کے اندر بھی بغیر لرزہ براندام ہوئے اپنی زبان پر نہ لاسکتا ہو تو یہ ایک ایسا ناقابلِ محو الزام ہے جو قبر میں بھی اس کے ساتھ جائیگا اور بعد مرگ بھی اس کی یاد اس کے بوجھ سے سبکدوش نہیں ہوسکے گی' خاقانی کے یہ اشعار

گرچہ ہر لحاظ سے قابلِ مذمّت ہیں۔ تاہم یہ تسلیم کئے بغیر ہم نہیں رہ سکتے کہ اسکے جذبۂ غیظ میں کسی قدر اخلاقی جرأت بھی موجود ہے۔ اس زمانہ میں باطنیوں پر حملہ کرنا جیسا کہ اسنے ان اشعار میں کیا ہے خطرے سے خالی نہ تھا۔ ان ملحدوں کی حسّاسیت تو بسا اوقات بہت معمولی باتوں پر بھڑک اٹھتی تھی۔ جو صراحت اور رنجش انگیزی میں خاقانی کے فقروں کی نسبت بہت کم تر درجے کی ہوتی تھیں۔

مشرقی شاعر اپنی نظموں کی تاریخ تصنیف کا ذکر بہت شاذ و نادر کیا کرتے ہیں لہذا ہم نہیں بتلا سکتے کہ اس ہجو کا صحیح زمانۂ تصنیف کیا ہے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اس کا تخمینی طور پر معیّن کر لینا ممکن ہے، تمام قلمی نسخوں میں یہ ہجو خاقانی کی مثنوی تحفۃ العراقین میں دی گئی ہے[1]۔ اور ہمیں معلوم ہے کہ وہ اسنے اپنے سفر مکّہ کے بعد لکھی ہے جہاں وہ ۵۵۱ھ میں گیا ہے۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ اس مثنوی کے تمام اجزا اس سفر کے دوران میں یا اس کے اختتام پر لکھے گئے ہیں، ابو العلاء کی ہجو میں جو کچھ لکھا گیا ہے اسی میں اس کے برخلاف ثبوت موجود ہے، یہ ہجو ہر نسخے میں ان اشعار کے بعد آتی ہے جو خاقانی نے اپنے باپ، ماں اور چچا کی یادگار میں اور اپنی اصل و نسل کے بارے میں لکھے ہیں۔ تو ہم یہ کہیں گے کہ اپنے استاد پر حملہ کرنے سے پہلے خاقانی کے دل میں یہ عزم موجود تھا۔ کہ وہ اُن ہتک آمیز افواہوں کی تردید کرے جو اس کے دشمن اسکو اور اسکے والدین کو بدنام کرنے کے لئے پھیلا رہے تھے، ہمیں اسبات کا علم ہے۔ کہ ابو العلاء نے اپنی زندگی کے اختتام کے قریب علانیہ طور پر ان تمام بہتانوں

---

[1] لیکن نسخہ مطبوعہ ۱۲۹۴ھ (مطبع نولکشور) میں وہ موجود نہیں ہے ۱۲ مترجم

کو واپس لے لیا تھا جو اُسنے خاقانی پر لگائے تھے چنانچہ اس کا وہ قطعہ معروف ہے جس میں اسنے اپنی پشیمانی کا اظہار کیا ہے[1] اور اس وقت اسکی عمر ۶۰ برس کی تھی' اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ۵۱۲ھ اور ۵۱۵ھ کے درمیان وہ منوچہر خاقان کے دربار میں اچھی طرح جاگزین ہو چکا تھا اور فن شعر میں اس کے شاگرد موجود تھے جس سے ہم فرض کر سکتے ہیں کہ اس وقت اسکی عمر کم از کم پچیس تیس برس کی ہونی چاہیئے لہذا اسکی تاریخ پیدائش تقریباً ۴۸۵ھ یا ۴۹۰ھ ہوئی' اس سے ظاہر ہے کہ ابو العلاء کی خاقانی سے معذرت ۵۴۵ھ' ۵۵۰ھ کے آس پاس ہوئی ہوگی۔ لہذا خاقانی کی ہجو مذکور ۵۵۰ھ کے بعد کی تصنیف نہیں ہوسکتی اس لئے کہ خاقانی اس میں حسن بن صبّاح اور کیا بزرگ کے مر چکنے کا ذکر کر رہا ہے' حسن بن صبّاح ۵۱۸ھ میں مرا ہے اور کیا بزرگ امید کی تاریخ وفات جیسا کہ موسیو دفریمری اپنے فاضلانہ مضمون "سلجوقیان و اسمٰعیلیان" میں قطعی طور سے ثابت کر چکے ہیں[2] - ۲۶ جمادی الثانی ۵۳۲ھ (مطابق ۱۱ مارچ ۱۱۳۸ء) ہے' یہ ۱۸ برس کا زمانہ (جس میں یہ ہجو لکھی گئی ہے) وہ زمانہ ہے جبکہ خاقانی اور اسکا استاد باہم برسرپیکار تھے اور اسکو ہم بدلیل ذیل اور بھی کم کر سکتے ہیں - ہم اوپر دیکھ آئے ہیں کہ خاقانی نے پوپ پیٹر (پاب بطروس) کا نام لیا ہے' لیکن چونکہ یہ نام پوپوں کی فہرست میں نہیں ملتا تو اس سے دو چیزیں فرض کی جا سکتی ہیں یا تو یہ کہ شاید خاقانی نے اس نام سے عام طور پر سینٹ پیٹر کے جانشینوں سے مراد لی ہے اور یا یہ کہ اس نام کی شکل فارسی حروف میں آکر تبدیل ہو گئی ہے۔ جس کی قریب ترین

---

[1] مصنّف نے یہ قطعہ اپنے مضمون میں نقل نہیں کیا اور مجھے کسی دوسری جگہ ابو العلاء کے ذکر میں اسکا پتہ نہیں چلا ۱۲ مترجم [2] ص ۱۲۵ حاشیہ ۲ '

مشابہت پٹروس[۱] کے نام میں پائی جاتی ہے، قیاس اول ہمیں مسئلہ زیر بحث کو حل کرنے میں کوئی مدد نہیں دیتا، دوسری صورت ناقابل تصدیق ہے۔ اسلئے کہ ۱۱۰۰ء اور ۱۱۸۰ء کے درمیان جو پوپ گدّی نشین ہوئے ان کے نام یہ ہیں:

پاسکل ثانی، گیلاسیوس ثانی، کالیکسٹوس ثانی، ہونوریوس ثانی، انوسنٹ ثانی، سلستین ثانی، یوگینیوس ثالث، ہادریان چہارم، الیگزنڈر ثالث،

ان میں کوئی نام بھی خواہ وہ مشرقی کان ہی سے کیوں نہ سنا گیا ہو پٹروس کے نام کے ساتھ مشابہ نہیں ہے لیکن ۱۱۳۰ء میں ہونوریوس ثانی کی وفات پر دو پوپ منتخب ہوئے (۱) انوسنٹ ثانی اور کارڈینل پیٹر جو پیٹرلیون کا بیٹا تھا۔ مؤخر الذکر عالی نسب اور صاحب ثروت ہونے کی وجہ سے روما میں انیکلیٹوس کا لقب اختیار کر کے پوپ کا حریف بن بیٹھا، لیکن ۱۱۳۴ء میں انوسنٹ ثانی نے پیسا کی کونسل میں اسکو مورد لعنت بنا کر مردود کر دیا لیکن اسپر بھی وہ روما میں اپنے انتخاب کے بعد سات سال گیارہ مہینے اور بائیس دن تک اپنی مقدس گدّی پر جاگزین رہا[۲]۔ ان حالات سے بظاہر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خاقانی کو بالکل اسی کارڈینل پیٹرلیون کا تصوّر تھا جس کو ہو سکتا ہے۔ کہ صلیبی مجاہدین پوپ پیٹر کہتے ہوں، تو پھر گویا خاقانی اور ابو العلاء کی باہمی جنگ کا زمانہ ۵۳۲ھ اور ۵۴۰ھ کے درمیان پڑے گا،

تقریباً اسی زمانے میں خاقانی اپنے وطن کو ترک کر کے شروانشاہ کے دربار میں گیا ہے، اس خاندان کے بادشاہوں کا پایہ تخت اخستان کی تخت نشینی کے زمانے سے گرشاسب یا کرشاسف تھا لیکن اب وہ باکو میں منتقل ہو گئے

---

[۱] Petros [۲] دیکھو "تاریخ عمومی" ترجمہ از لاطینی مطبوعہ امسٹرڈم ۱۷۵۸ء ص ۳۱۰، حاشیہ ا،

تھے۔ جسکو آراستہ کرنے میں نیا بادشاہ پوری کوشش کر رہا تھا' اس بادشاہ کا نام مشرقی مصنفین تین مختلف شکلوں میں لکھتے ہیں (۱) اَخِسْتان (۲) اَخِستان (۳) اَخْستان' اور چونکہ تینوں ناموں سے ایک ہی شخص مراد ہے لہذا ہم نے اس نام کی پہلی شکل اختیار کر لی ہے'

اخستان پسر خاقان منوچہر اسی سال پیدا ہوا جو خاقانی کا سالِ پیدائش ہے (یعنی ۵۰۰ھ) اور بہت چھوٹی عمر میں اُس تختِ شاہی پر بیٹھا جس پر اسکا باپ صرف ۱۸ برس جلوہ افروز رہا تھا' اپنے عہد کے آغاز میں اُس نے چند فتوحات حاصل کیں جن میں نمایاں فتح یہ تھی کہ اسنے روسیوں کو پسپا کر کے اپنی حدودِ سلطنت کو شمال کی جانب آگے بڑھایا اور والی دربند سے ایک مضبوط قلعہ جسکا نام شابران تھا لے لیا' باکو سے کوبا جاتے ہوئے سڑک کے بائیں ہاتھ پر اس قلعے کے کھنڈرات دیکھنے میں آتے ہیں جہاں خاقانی کو نہایت سختی کے عالم میں مقید ہو کر دربار میں اپنی ناکامی کا کفارہ دینا پڑا تھا[۱]' بادشاہ جسکو بچپن ہی سے درباریوں کی چاپلوسی نے بگاڑ دیا تھا اور اب بعض فتوحات نے جو اُسنے بآسانی حاصل کر لی تھیں اور بھی زیادہ مغرور کر دیا تھا ایسا آقا نہ تھا جسکو آسانی سے خوش کر لیا جاتا' خاقانی نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی چنانچہ اسکی نظموں میں دس کے قریب ایسی ہیں جو اسنے مداحانہ طور پر خود اخستان کو' اسکی بیوی صفۃ الدین بانو کو' اسکی سب سے بڑی ملکہ عصمۃ الدین بانوی بانوان کو اور ایک اور بیوی کو جسکا نام معلوم نہیں مخاطب کر کے لکھیں۔ اسنے اخستان کے وزیر اور شروان کے باثر علماء کو بھی فراموش نہیں کیا حتی کہ اسنے اپنے بادشاہ کے بعض ہمسایہ حکمرانوں کو بھی اپنا خراج تعظیم ادا کیا ہے

---

[۱] دیکھو آگے'

اور ان میں سے بعض فرمانرواؤں نے اسکو انعام دینے میں خاصی فیاضی بھی دکھائی، چنانچہ ایک قصیدے کے عنوان میں جو اسنے اسپہبد لیالوتنیر کی مدح میں لکھ کر بھیجا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اسنے اس کے صلے میں اسکو دو ہزار دینار بھجوائے۔ لیکن یہ تمام منظوم خوشامدیں اس کے اپنے بادشاہ کے دربار میں اسکی حالت کو خوشگوار بنانے میں کوئی مدد نہ دے سکیں، بادشاہ کی نازک مزاجی سے وہ ہر وقت خائف تھا۔ لیکن دربار سے آزاد ہونا اسکے بس میں نہ تھا اور اس سنہری قید نے اسکو بہت مغموم بنا رکھا تھا۔ ایک مسلمان بادشاہ کے دربار میں ہر اُس شخص کے لئے جو خاص اجازت کے بغیر کہیں نہ جا سکتا ہو فقط ایک ہی ذریعہ رہائی پانے کا ہے اور وہ یہ کہ وہ حج کے لئے مکّہ جانے کی اجازت حاصل کرے، چونکہ ہر مسلمان کو بشرطیکہ وہ صاحب استطاعت ہو اپنی عمر میں ایک مرتبہ حج کرنے کی تاکید ہے اسلئے بادشاہ کے لئے سوائے اسکے کہ وہ ایک گناہ کا مرتکب ہو اس اجازت کا نہ دینا ناممکن ہے، لیکن خاقانی کی بدقسمتی کہ وہ بہت چھوٹی عمر میں ایک دفعہ پہلے سفر حج کر چکا تھا کیونکہ ۵۵۱ھ سے چند سال پہلے وہ کہہ رہا ہے کہ میں نے اب سے تیس سال پہلے فریضۂ حج ادا کیا ہے[1]، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسنے ۱۷ یا ۱۸ برس کی عمر میں اپنے چچا کی رفاقت میں مکّہ کا سفر کیا ہوگا۔ اس سے بادشاہ کو عذر ہاتھ آیا اور وہ سال بہ سال سفر حج کی اجازت کو ملتوی کرتا رہا جسکی خاقانی کو دل سے خواہش تھی، ساتھ ہی اس کے دشمن اور بدخواہ اسکی گھات میں لگے ہوئے تھے، اس موقع پر جو قصیدہ اس نے لکھا اس میں اسنے اس معاملے میں اپنی شکایات کو اشاروں میں بیان کیا ہے

---

[1] دیکھو کلیات خاقانی ص ۴۳۱، مترجم،

لیکن کسی جگہ اُسنے ایسی صاف گوئی کے ساتھ اپنا مطلب بیان نہیں کیا جیسا کہ اس قصیدے میں جو اسنے کسی سال بادشاہ کے سامنے نوروز کے موقع پر پڑھا، سالِ تصنیف کا کہیں ذکر نہیں، اس میں وہ لکھتا ہے ؎

امسال اگر ز کعبہ مرا باز داشت شاہ — زین حسرت آتشی بسویدا بر آورم

گر بخت باز بر در کعبہ رساندم — کاحرام حج و عمرہ مثنّا بر آورم

سی سالہ فرض بر در کعبہ کنم قضا — تکبیر آن فریضہ ببطحا بر آورم

خاقانی نے اپنے بادشاہ سے اجازت مانگنے پر ہی قناعت نہیں کی۔ بلکہ قیصر روم کے کسی رشتہ دار سے بھی اس بارے میں رجوع کیا، ہم اس مقالے کے دوسرے حصّے میں اس قصیدے کا متن مع ترجمہ پیش کرینگے۔ جو بہت سی باتوں میں قابلِ ملاحظہ ہے۔ یہاں صرف ایک بات کا مشاہدہ دلچسپ ہے اور وہ یہ کہ خاقانی اس سے اسباب کی درخواست کرتا ہے کہ مجھے بادشاہ سے بیت المقدس کی زیارت کی اجازت دلوا دو، اس قصیدے کا عنوانِ اکثر قلمی نسخوں میں یوں دیا ہے "در مدح عظیم الرّوم عزّ الدّولہ والدّین قیصر گوید" اس عنوان کو دیکھنے سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاقانی کو اپنی شکایات شاہِ روم کے سامنے بیان کرنے میں عجب خیال سوجھا لیکن عہد صلیبی کے ایک مسلمان کی اس عجیب حرکت پر زیادہ رُکنے کے بغیر ہم اس قصیدے کے ایک شعر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو ہم کو خاقانی کے اس "قیصر" میں شاہِ روم کو دیکھنے سے مانع ہے، وہ یہ ہے ؎

چہ باید رفت تا رُوم از سر ذُل — عظیم الرّوم عزّ الدّولہ اینجا

چونکہ یہ امر یقینی ہے کہ چھٹی صدی ہجری میں کوئی قیصر روم اپنا پایہ تخت چھوڑ کر اتنے دُور کے سفر پر نہیں گیا۔ تو یقیناً یہ مُسافر بادشاہ اسحاق

برادر قیصر رُوم جان کمینوس ہے ' اپنے بھائی سے کسی نزاع کی بنا پر وہ سلطان قونیہ کے ہاں چلا گیا تھا اور اسنے مسلمان فرمانرواؤں پر زور ڈالا کہ اس کے بھائی کی سلطنت پر حملہ کریں لیکن چونکہ اس کے پاس کافی روپیہ نہ تھا۔ اس لئے اسے اپنے منصوبے میں کامیابی نہ ہوئی اور ۱۱۳۸ء میں اپنے بھائی کے ہمراہ جو انطاکیہ کی مہم سے واپس آرہا تھا قسطنطنیہ چلا آیا ' ہمارے نزدیک خراسان پر خاقانی کا پہلا قصیدہ بھی اسی زمانے کی تصنیف ہونا چاہیئے جس کا آغاز یوں ہے ؎

چہ سیب سوئے خراسان شدنم نگذارند عندلیبم بگلستان شدنم نگذارند
نیست بستان خراسان راچون من مرغی مرغم آوخ سوی بستان شدنم نگذارند

خاقانی بالآخر اپنی پے در پے درخواستوں کی نامنظوری دیکھتے دیکھتے تھک گیا اور اُسنے اپنی آرزوؤں کا ایک پرتاثیر نوحہ لکھا جو تخیلات کی زیبائی اور بحر کی موزونی کی وجہ سے قابلِ ملاحظہ ہے ' اسکا مطلع جو ایران میں آج تک مقبول ہے یہ ہے ؎

آن مصر مملکت تو دیدی خراب شد وآن نیل مکرمت کہ شنیدی سراب شد

لیکن خاقانی کی دُعا بالآخر سنی گئی اور اسے شروانشاہ کی مملکت سے جانے کی اجازت مل گئی ' وہ اپنے ایک دوست کے ہمراہ جسکا نام وہ امیر صالح بتارہا ہے سفر پر چل کھڑا ہوا ' (باقی دارد)

محمد اقبال

فرخی سیستانی

علی (عبدالرسولی) نے آبان ۱۳۱۱ء میں متعدد نسخوں سے دیوان فرخی کی تصحیح کرکے اوسے مرتب کیا۔ اور مطبع مجلس میں چھپوا کر ایران سے شائع کیا۔ اہل حل و عقد پنجاب یونیورسٹی نے ایکسو پچاس صفحات اوّل کے اِس دیوان سے امتحان منشی فاضل اور ایم اے میں ۱۹۳۷ء اور آیندہ کے لئے نصاب میں داخل کئے ہیں۔ نصاب منشی فاضل سے دیوان نظیری کو تاختم ردیف (را) رکھکر باقی کا بدل اس دیوان فرخی کو قرار دیا ہے۔

علی جامع دیوان فرخی نے اِس دیوان کی تصحیح میں بہت سعی کی ہے۔ اور مفید فٹ نوٹس سے اوسے مزین کیا ہے۔ ایک غلط نامہ بھی ساتھ ہے۔ طباعت کی سوا سو غلطیوں کی اوسمیں تصحیح کی ہے۔ جامع دیوان اپنے مختصر مقدّمہ میں لکھتے ہیں کہ کسی مصنف کے ترجمہ اور شرح حال لکھنے سے یہ غرض ہُوا کرتی ہے کہ پڑھنے والے اوسکی شخصیت سے واقف ہو جائیں کہ اوسکا نام و نسب کیا تھا۔ کہاں کا رہنے والا تھا۔ کس زمانہ میں ہُوا ہے۔ کون اوسکا مربّی تھا۔ کن سلاطین و اکابر اہل فضل و دانش کا معاصر تھا۔ اخلاق و ملکات و معلومات و آثار باقیہ اوسکے کیا ہیں سب سے اچھی صورت لائف لکھنے کی یہ ہے کہ خود مصنف کے کلمات و بیانات سے اقتباس و استنباط کیا جائے۔ یا اون مولفین و مترجمین کے اقوال سے

اخذ کیا جائے جو اوس مصنف کے معاصر یا قریب العہد ہوں۔ تاکہ صحیح حالات کا علم قارئین کو ہو سکے۔

نام و نسب محمد عوفی لباب الالباب میں۔ اور دولت شاہ سمرقندی تذکرۃ الشعرا میں اور امین احمد رازی تذکرہ ہفت اقلیم میں علی سیستانی نام اور کنیت ابوالحسن اور تخلص فرخی اور باپ کا نام جولوغ لکھتے ہیں اور نظامی عروضی سمرقندی نے بھی اپنی کتاب چہار مقالہ میں باپ کا نام جولوغ ہی لکھا ہے۔ مگر آذر نے آتشکدہ میں۔ اور مرزا رضا قلی ہدایت شیرازی نے اپنے تذکرہ مجمع الفصحا میں اور علامہ شبلی نے شعرالعجم میں اونکے باپ کا نام قلوع بہ تتبع آذر و ہدایت لکھا ہے۔ لیکن مسٹر براؤن جاماغ بتاتے ہیں۔ فرخی کا باپ امیر خلف بن احمد حاکم سیستان کے دربار میں ملازم تھا

وطن سب تذکرہ والے اوسکو باشندۂ سیستان (سجستان) بتاتے ہیں۔ مگر دولت شاہ نے اونھیں ترمذی لکھا ہے۔ خود فرخی کے اشعار سے وہ سیستانی معلوم ہوتا ہے چنانچہ خود کہتا ہے

من قیاس از سیستان دارم کہ آن شہر منست وز پے خویشاں ز شہر خویشتن دارم خبر

دوسری جگہ کہتا ہے۔

من بندہ را بہ تہنیتِ خدمتِ تو شاہ ہر روز نامۂ دگر آید ز سیستان

لہذا دولت شاہ کا قول معتبر نہیں ہو سکتا۔

تعلیم و تربیت فرخی کو ذوق فطری اور میل طبعی علوم ادبیہ کیطرف تھا۔ اسلئے بہت جلد فنون ادبیہ میں کمال پیدا کر لیا۔ چونکہ قدرت کیطرف سے آواز سریلی اور دلکش عطا ہوئی تھی اسلئے فن موسیقی کی کیطرف رغبت کی اور

چنگ بجانا سیکھا شعر خوب کہتا تھا اور خداداد سریلی آواز میں خوش الحانی کیسا تھ پڑھتا تھا۔ خود اوسکے اشعار اس امر پر شاہد ہیں۔

ہمہ خوبی ونکوئی بود اور از خدا ے ۔۔۔ وین رہی راکہ ستایشگر وخنیاگر اوست
تا فردوا یم و بنشینم د بر گیرم چنگ ۔۔۔ ہمچناں دست قدح گیرم تار وز دیگر
شہ روم خواہد کہ او ہمچو من ۔۔۔ نہد پیش او بربطے درکنار
گاہ گفتے بیاد رود بزن ۔۔۔ گاہ گفتے بیاد شعر بخوان
اے بعارض چو مہ وشیر فراپیش من آے ۔۔۔ بربط من بکفم برنہ ولطفے برگیر
گاہ بے زخمہ بخر گاہ تو بربط زنمی ۔۔۔ تاکسے نشنود ے بانگ برون از خرگاہ

اسوجہسے اوسے منادمت ومصاحبت اکابر واشراف میسر ہوئی۔ اور اہل ہنر وادب اوسکی صحبت کو پسند کرتے تھے اور اوسکی معاشرت کو مغتنم سمجھتے تھے۔

معاش باپ کی طرح امیر خلف حاکم سیستان سے مستفیض ہوتا تھا۔ جب امیر خلف کا استیصال محمود غزنوی کے ہاتھ سے ہوا تو یہ ایک زمیندار سیستانی کی خدمت میں پہونچا وہ زمیندار اسکو دوسو کیل پنج منی غلّہ اور سو درم سیمین نوحی سالانہ دیا کرتا تھا۔ جس سے اسکی سادہ زندگی اچھی طرح بسر ہو جاتی تھی۔ لیکن جب امیر خلف کی ایک لونڈی سے شادی کر لی اور خرچ بڑھگیا تو یہ وجہ معاش کافی نہ ہوتی تھی۔ اس لئے اوس زمیندار کو ایک درخواست دی کہ غلّہ تین سو کیل اور درم ڈیڑھ سو کر دئے جائیں۔ اوس درخواست کی پشت پر زمیندار نے لکھدیا کہ راتبۂ مقررہ کے دینے سے دریغ نہیں اور اضافہ ناممکن ہے جب یہ جواب دیکھا تو مایوس ہو کر مہاجرت و مسافرت کا خیال پیدا کیا۔

شاعری کی قدر دانی کے قصّے ہر جگہ مشہور تھے اسلئے اس کو خیال پیدا ہوا کہ اس شاعری کے ذریعہ سے یہ مشکل تنگی معاش کی حل ہوگی۔ چنانچہ ہر وارد و صادر سے شاعری کے قدردان بزرگوں کی نسبت استخبار و استعلام کیا کرتا تھا۔ تاکہ کسی کی بارگاہ میں پہونچکر آسودہ خاطر اور مرفہ الحال ہو جائے۔ یہانتک کہ اوسنے شہرت فضائل و علو ہمّت امیر ابوالمظفر احمد بن محمد والی چغان کی سنی جو سلطان محمود کی طرف سے بلخ کا گورنر تھا کہ وہ اپنے زمانے کے ملوک میں سے ان خصال میں ممتاز ہے۔ اور شعرا کی خوب تربیت کرتا ہے اور انعام و صلات وافر عطا کرتا ہے۔ اور خود بھی شعر کہتا ہے اور شعر خوب سمجھتا ہے اس کی خدمت میں جانیکا عزم مصمم کر لیا اور سامان سفر مہیا کیا اور بلخ کی طرف چلدیا جب وہاں پہونچا تو معلوم ہوا کہ ابوالمظفر چغانی داغگاہ میں ہے۔

بیان کرتے ہیں کہ اوسکی اٹھارہ ہزار گھوڑیاں تھیں اور بقول نظامی عروضی ہر گھوڑی کے نیچے ایک بچھیرا تھا اور ہر سال امیر مذکور صحراء داغگاہ میں جایا کرتا تھا اور بچھیروں کو داغا کرتا تھا عمید اسعد جو اوسکا پیشکار اور کارگذار تھا ابھی سامان اور ضروریات مہیا کرنے کے لئے بلخ میں تھا کہ فرخی اوسکے پاس پہونچا اور اپنا وہ قصیدہ جو ابوالمظفر کے لئے کہا تھا پڑھا۔ جسکا مطلع یہ ہے۔

باکاروان حلّہ برفتم زسیستان با حُلّۂ تنیدہ ز دل بافتہ زجان
م ے قصیدہ ۱۲

خواجہ عمید مرد فاضل اور اہل تھا۔ اوس قصیدۂ باغدوبت و صلابت کو ایک سکزی شخص سے (جسکا جبّہ بالکل گدڑی آگے پیچھے

سے پھٹا پاؤں میں جوتا وہ بھی سالم نہیں سر پر بڑا سا پگڑ سنکر بہت متعجب ہوا اور یقین نہ کیا کہ یہ قصیدہ اسی کی تصنیف سے ہے۔ بر سبیل امتحان فرخی سے کہا کہ امیر داغگاہ میں ہے اور میں اوسکے پاس جا رہا ہوں تمہیں بھی ساتھ لے چلونگا۔ مگر تم داغگاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ کہہ لاؤ۔ اس کے ساتھ ہی داغگاہ کی صورت کا نقشہ یوں کھینچا کہ داغگاہ ایک نہایت عمدہ سیر کی جگہ ہے۔ ایک سبزہ زار وسیع ہوتا ہے۔ جس میں خیمے لگے ہوتے ہیں۔ رات کو چراغاں ہوتا ہے جو ستاروں کی طرح چمکتے ہیں۔ ہر خیمہ میں مطربان کامل چنگ اور رود بجاتے ہیں۔ لوگ اوسمیں بیٹھے شراب پیتے ہیں اور عیش و نشاط کرتے ہیں۔ امیر کی بارگاہ کے سامنے آگ روشن ہوتی ہے اور بچھیرے داغ کئے جاتے ہیں۔ فرخی گیا اور رات بھر میں قصیدہ داغگاہ کہکر لے آیا وہو ہذا۔

چوں پرند نیلگوں بر روے پوشد مرغزار (سبزہ ۱۲) — پرنیان ہفت رنگ اندر سر آرد کوہسار (بلحاظ اقسام گل ۱۲)
خاک را چوں ناف آہو مشک زاید بیقیاس — بید را چوں پر طوطی برگ روید بے شمار
دوش وقت نیمشب بوے بہار آورد باد — حبذا باد شمال و خرما بوے بہار
باد گوئی مشک سودہ دارد اندر آستیں — باغ گوئی لعبتان جلوہ دارد در کنار
نسترن لولوے بیضا دارد اندر مرسلہ (ہار ۱۲) — ارغوان لعل بدخشاں دارد اندر گوشوار
تا بر آمد جامہاے سرخ مل بر شاخ گل (کنایہ از گلہاے سرخ ۱۲) — پنجہ ہائے دست مردم سر فرو کرد از چنار
باغ بو قلموں لباس و شاخ بوقلموں نماے — آب مروارید گون و ابر مروارید بار
راست پنداری کہ خلعتہاے رنگیں یافتند — باغہاے پر نگار از داغگاہ شہریار
داغگاہ شہریار اکنوں چناں خرم بود — کاندر و از خرمی خیرہ بماند روزگار

سبزہ اندر سبزہ بینی چون سپہر اندر سپہر — خیمہ اندر خیمہ چون سیمین حصار اندر حصار
ہرکجا خیمہ است خفتہ عاشقی با دوست مست — ہرکجا سبزہ است شادان یاری از دیدار یار
سبزہ ہا با بانگ چنگ و مطربان چرب دست — خیمہا با بانگ نوش ساقیان میگسار
عاشقان بوس و کنار و نیکوان ناز و عتاب — مطربان رود و سرود و خفتگان خواب و خمار
بر در پردہ سرای خسرو پیروز بخت — از پی داغ آتشی افروختہ خورشید وار
برکشیدہ آتشی چون مطرد دیبای زرد — گرم چون طبع جوان و زرد چون زر عیار
دنار و علم جانبہ
داغہا چون شاخہای بسّد یاقوت رنگ — ہریکی چون ناردانہ گشتہ اندر زیر نار
آلۂ داغ — دانۂ انار — آتش
ریدکان خواب نادیدہ مصاف اندر مصاف — مرکبان داغ ناکردہ قطار اندر قطار
روی ہامون سبزہ چون گردون ناپیدا کران — روی صحرا سادہ چون دریای ناپیدا کنار
اندران دریا سماری داں سماری جانور — اندریں گردون ستارہ واں ستارہ بیدار
خسرو فرخ سیر بر بارۂ دریا گذر — با کمند اندر میان دشت چون اسفندیار
گردن ہر مرکبی چون گردن قمری بطوق — از کمند شہریار شہرگیر شہردار
ہمچو زلف نیکوان خردسالہ تاب خورد — ہمچو عہد دوستان سالخوردہ استوار
اژدہا کردار پیچاں در کف رادش کمند — چوں عصای موسوی در دست موسی گشت مار (حسن ۱۱)
میر عادل بوالمظفر شاہ با پیوستگان — شادمان و شادخوار و کامران و کامگار
ہرکرا اندر کمند شست بازی درفگند — گشت نامش بر سرین و شانہ و رویش نگار
ہرچہ زین سو داغ کرد از سوی دیگر ہدیہ داد — شاعران را با لگام و زائران را با فسار

صبحکو یہ قصیدہ خواجہ عمید کے پاس لیکر آیا۔ اور اوسے پڑھکر سنایا خواجہ متحیر ہوگیا۔ کیونکہ اوسنے کبھی ایسا فصیح و بلیغ قصیدہ نہیں سُنا تھا۔ عمید فرخی کو اپنے ساتھ لیگیا۔ اور ابوالمظفر کے سامنے یہ کہکر پیش کیا کہ دقیقی کے بعد آجتک اس پایہ کا شاعر پیدا نہیں ہُوا۔ اور سارا واقعہ بیان کیا۔ یہ وقت اول شب کا تھا اور صحبت شراب گرم

تھی - جب چند دور شراب کے ختم ہو گئے تو فرخی اوٹھا- اور نہایت دردناک وحزین آواز سے پہلا قصیدہ پڑھا- جب قصیدہ ختم ہُوا تو اوسنے اوسے بہت پسند کیا چونکہ امیر خود شاعر سخن سنج اور شعر فہم تھا -

جب مستی بڑھ گئی اور شراب نے دماغ میں اثر پیدا کیا تو فرخی پھر اوٹھا اور داغگاہ والا قصیدہ پڑھا- امیر حیران رہگیا اور اہتزاز میں آیا حکم دیا کہ ایک ہزار بچھیرے داغ کے لئے جمع کئے گئے ہیں جتنے تم سے پکڑے جا سکیں لے لو- فرخی باہر آیا اور دستار رنگریزانہ سر سے اوتار کے بچھیروں کے گلہ میں گھس گیا -بہت ان بچھیروں کے پیچھے دوڑا لیکن ایک کو بھی پکڑ نہ سکا بڑی دشواری اور زحمت کے بعد اون بچھیروں کے ایک دستہ کو ایک ویران سرائے میں ہنکا کے لیجا سکا - اور آپ تھکن اور مستی شراب سے سرا کے دروازے پر پڑکے سو گیا امیر کے غلام جو اس کی اس دوڑ دھوپ کو دیکھ رہے تھے اونہوں نے ان بچھیروں کو گنا تو وہ بیالیس نکلے سارا قصہ امیر سے جا کر بیان کیا - امیر بہت ہنسا اور حکم دیا کہ ان بچھیروں کی نگاہ داشت کرو -جب صبح کو فرخی جاگا تو اوسکو امیر کے سامنے لائے امیر نے اوسکی نوازش کی - ایک خاصہ کا گھوڑا ساز و سامان کے ساتھ - اور خیمہ - خچر- لباس اور بستر اوسکو دئے اور وہ بیالیس بچھیرے بھی فرخی کو بخشدئے اور وہ شان و شوکت والا بن گیا- فرخی نے دوسرا قصیدہ مدح فخرالدولہ ابوالمظفر میں کہا -

کچھ دن بعد فرخی بڑے سر و سامان کے ساتھ سلطان محمود

غزنوی کے دربار میں پہونچا۔ چونکہ باتجمل و حشمت تھا محمود نے بھی اوسے عزت کی نظر سے دیکھا۔ اور اوسکے ساتھ بھلائی کرنے میں کوشش کی اس کی جلالت شان کو بڑھا دیا اور راتبۂ لائق مقرر فرمایا۔ اور قصائد مدحیہ کے صلات میں اوسے انعامات خطیر کے ساتھ مخصوص کیا۔ فحول شعرا اور ندماے خاصہ سلطان میں ہو گیا۔ دولت غزنویان میں با جاہ و عزت و مکنت و ثروت رہا۔ سفروں میں اثاثہ اور سامان امیرانہ اپنے ساتھ لیکر چلتا تھا یہ نوبت تمول کی پہونچی کہ چالیس غلام زرین کمر اوسکی پشت پر کھڑے رہتے تھے۔

ایک مرتبہ خواجہ عمید الملک ابوبکر قہستانی سے اوسنے ایک غلام ہندی مانگا تو عمید الملک کماندران چیف سپاہ محمودی نے اوسے تیس غلام عطا کئے چنانچہ حکیم سوزنی کہتا ہے۔

فرخی ہندی غلامے از قہستانی بخواست سی غلام ترک دادش خوش لقا و خوشخرام

خود فرخی ان باتوںکا ذکر اپنے قصاید میں کرتا ہے علی الخصوص اوس قصیدہ میں جسکا مطلع یہ ہے۔

اے ہمہ سالہ زخوے تو دل سلطان شاد دل سلطان ہمہ سال از خوی تو شادان باد

اور ایک دوسرے قصیدہ میں جسکا مطلع یہ ہے۔

اے شہے کز ہمہ شاہان چو ہمی درنگرم خدمت تست گرامی تر و شایستہ ترم

ایاز اویمان جو منظور نظر و محبوب سلطان محمود تھا فرخی کا بڑا قدردان تھا۔ ایک مرتبہ اوسنے فرخی کے ساتھ ایک خاص مجلس میں شراب پی محمود کو اس کی خبر ہوئی محمود نے از روے رشک فرخی پر اظہار غصہ کیا اور دربار میں آنا بند کر دیا۔ فرخی نے اپنے دوستوں اور سلطان

ندیموں کو شفاعت کیلئے کھڑا کیا اور اپنی اس لغزش پر محمود سے معافی کے لئے استغاثہ کیا اور عذر خواہی کی۔ محمود نے اوسے معاف کر دیا اور دربار میں آنیکی اجازت دی اس واقعہ کا اپنی اوس قصیدہ میں ذکر کرتا ہے جسکا مطلع یہ ہے

اے ندیمان شہریار جہان　　　اے بزرگان درگہ سلطان

علامہ شبلی مرحوم اس واقعہ کے لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ اس زمانہ کے تمدن اور معاشرت پر تعجب ہوتا ہے۔ کہ شعرا جو محمود کی مدح میں قصائد لکھا کرتے تھے اوسمیں علانیہ ایاز کے حسن اور معشوقی کا ذکر کیا کرتے تھے اور محمود اس سے خوش ہوتا تھا۔ فرخی ایک قصیدہ میں کہتا ہے۔

امیر جنگجو ایاز اویماق　　　دل و بازوے خسرو روز پیکار
زنان پارسا از شوق گردند　　　بہ کابین کردنی اوراخریدار
نہ برخیرہ بدو دل داد محمود　　　دل محمود را بازی پندار
جز او در پیش سلطان نیز کس بود　　　جز او سلطان غلاماں داشت بسیار
اگرچون میر یک تن بود آنجا　　　نہ چندین بدمر اورا گرم بازار

نیز ایک وقت میں امیر یعقوب یوسف بن ناصر الدین کسی وجہ سے فرخی سے خفا ہو گیا۔ اور تین سال تک فرخی کو اپنے پاس آنے نہ دیا۔ فرخی امیر ابو احمد محمد بن محمود کے پاس گیا تاکہ جو غبار کدورت امیر یوسف کے دل میں اس کی طرف سے بیٹھا ہے اوسکے وسیلہ سے دور کرے اور پھر مثل سابق مہربانی اور لطف سے پیش آئے محمد نے اپنے چچا یوسف کو فرخی سے راضی کر دیا اور اسکی کدورت کو دور کر دیا اس قصہ کو اپنے اس قصیدہ میں بیان کرتا ہے۔ جسکا مطلع یہ ہے۔

خوشا بہاران کز خرمی و بخت جوان　　　ہمیں بدیدن روے تو تازہ گردد جان

(باقی دارد)　　　(سید اولاد حسین شادان بلگرامی)

علم التفسیر

مقدمہ در عظمتِ علمِ تفسیر

یوں تو کسی علمی مسئلہ پر خامہ فرسائی کرنا ، یا کسی فاضل کے کلام کی شرح کا فرض اپنے ذمہ لینا باتفاق عقلا نہایت دشوار گذار منزل اور بالاجماع بہت ہی ناخوشگوار مہم ہے ۔ لیکن ملک علام کے کلام معجز نظام کی تفسیر لکھنا ، یا تفسیر کے اصول و فروع پر بحث کرنا ، سراپا خطر مقام ہے ۔ اور پُر از خار وادی ہے ۔

یہی وہ انتہائی ذمہ داری کا گراں بار فرض ہے ۔ جس کے بارے میں اس کتاب مقدس کے لانے والے نے (فداہ ابی وامی صلے اللہ علیہ وسلم) علی الاعلان فرمایا ہے :۔

من قال فی القرآن برآیہ ۔ فلیتبوء مقعدہ من النار ، رواہ عبد بن حمید فی مسندہ عن ابن عباس ؎ اعلام لابن القیم ص ٦١/١ ، وابن جریر فی التفسیر عنہ ص ٢٦/١ ، وفی روایۃ الترمذی عن ابن عباس من قال فی القرآن بغیر علم ، وقال ھذا حدیث حسن ؎ خازن ص ٥/١ ۔

(ترجمہ) جو شخص قرآن کریم کی من گھڑت تفسیر کرے وہ اپنا ٹھکانا جہنم سمجھے ۔

نیز ارشاد ہوا :۔

من قال فی القرآن برایه فاصاب فقد اخطأ ، رواه الترمذی وابوداؤد - (مشکوٰۃ ص۳۵) ورواه ابن جریر فی تفسیر ثم قال والقائل فی تاویل کتاب الله الذی لا یدرک الا ببیان رسول الله صلی الله علیه وسلم الذی جعل الیه بیانه ، قائل علی الله بما لا یعلم - وان وافق قیله ذلک فی تاویله ما اراد الله به من معناه - لان القائل فیه بغیر علم قائل علی الله ما لا علم له به ، فاصابته لیست اصابة موقن انه محق ، وانما هو اصابة خارص وظان ، والقائل فی دین الله بالظن قائل علی الله ما لم یعلم ، وقد حرم الله ذالک فی کتابه علی عباده ، فقال ، وان تقولوا علی الله ما لا تعلمون ۔ ص ۲۶/۱

(ترجمہ) جو شخص قرآن شریف کی تفسیر میں اپنی رائے کو دخل دے - گو صحیح بھی کہے - تو بھی خطاکار ہے - حافظ محمد بن جریر طبری اس روایت کی شرح میں فرماتے ہیں - " تاویل قرآن کی وہ قسم جس کا علم بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح اور بیان کے (قولاً ہو یا عملاً) نہیں ہو سکتا - اس قسم کی تاویل بالرائے اگرچہ مراد الٰہی سے مطابق کیوں نہ ہو ، تقوّل علی اللہ ہے کیونکہ اس شخص نے خدا تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگائی - جس کا خود اس کو یقین نہیں - بنا بریں اگرچہ اس نے صحیح بھی کہا لیکن یہ صحت خود اس کے یہاں بھی یقینی اور قطعی نہیں - بلکہ ظنی اور تخمینی ہے - لہذا تقوّل علی اللہ ہے جسکو قرآن حکیم نے صریحاً حرام قرار دیا ہے - چنانچہ ارشاد ہوتا ہے " ناجائز ہے کہ تم خدا کے ذمہ ایسی باتیں لگانے لگو - جن کا تمہیں یقین نہ ہو " ۔ ص ۲۶/۱

(۲) اسی زبردست ذمہ داری کے پیش نظر حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں - جب کہ آپ سے کسی نے ارشاد " وفاکھۃ وابّا " کے معنی دریافت کئے -

ای ارض تقلنی وای سماء تظلنی ان

(ترجمہ) وہ کونسی زمین ہے جو مجھے اٹھائیگی

قلت فی آیۃ من کتاب اللہ برائی، او بالا اعلم ۔ رواہ عبد بن حمید فی مسندہ۔ اعلام ص ۱/۶۱ طبری ص ۱/۲۶ وخازن ص ۱/۵ وروی ابن عبدالبر فی کتاب العلم عن علی انہ قال ای سماء تظلنی وای ارض تقلنی اذا قلت فی کتاب اللہ ما لا اعلم ۔
مختصر جامع العلم ص ۱۲۴

اور وہ کونسا آسمان ہوگا جو مجھ پر سایہ فگن ہوگا۔ اگر میں کتاب الٰہی کی کسی آیت میں اپنی رائے سے کچھ کہوں۔ یا بلا علم کچھ رائے زنی کروں (یعنی بدوں نقل صحیح، محض ظن و تخمین سے کسی آیت کو حل کرنے بیٹھ جاؤں) امام المغرب ابن عبدالبرؒ نے "کتاب العلم" میں بعینہ یہ الفاظ حضرت مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی زبانی بھی نقل کئے ہیں۔ دیکھو مختصر جامع العلم ص ۱۲۴

(۳) اس کے علاوہ حضرت فاروق اعظمؓ ایک مسئلہ کو حل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ہذا ما رای عمر۔ فان یکن صواباً فمن اللہ۔ وان یکن خطاءً فمن عمر۔ ص ۱/۶۲ اعلام

(ترجمہ) یہ عمر (رض) کی اپنی رائے ہے اگر صحیح ہے تو خدا تعالیٰ کی جانب سے القا سمجھو۔ اور اگر غلط ہے تو اس کا جواب دہ صرف عمر ہے"

(۴) یہی وہ مقام ہے جہاں عبد اللہ بن مسعود جیسے افقہ صحابی (جن کے متعلق حضرت فاروقؓ فرماتے ہیں "کُنَیفٌ مُلِئَ عِلْماً" حِلْیَۃُ الاولیاء از ابونعیم ص ۱/۱۲۹) انتہائی درماندگی کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

اقول فیہا (ای المفوضہ) برائی فان یکن صواباً فمن اللہ وان یکن خطاءً فمنی ومن الشیطان واللہ ورسولہ بریٔ منہ ۔ اعلام ص ۱/۶۵

(ترجمہ) میں مفوضہ کے متعلق اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں۔ اگر صحیح ہے تو خدا کی جانب سے ہے۔ اور اگر غلط ہے تو

یہ میری خطا اور شیطانی وسوسہ ہے۔ خدا اور رسول اس سے کلیتہً مبرا ہیں"

(۵) عبید اللہ بن عمر سے مروی ہے۔

لقد ادرکت فقهاء المدینة وانهم لیعظمون القول فی التفسیر منهم سالم بن عبد اللہ والقاسم بن محمد وسعید بن المسیب ونافع۔ ابن جریر صـ ۲۷/۱

(ترجمہ) میں نے مدینہ طیبہ کے فقہاء (مثلاً سالم، قاسم، سعید، ونافع وغیرہ) کو دیکھا کہ وہ قرآن کریم کی تفسیر میں اقدام کو خطرناک سمجھتے تھے۔ طبری صـ ۲۷/۱

ایں زمیں را آسمانے دیگر است

لیکن جذبۂ عمل کا ولولہ ایک نئی دنیا ہے۔ اس کی حیثیت جداگانہ اور اس کے تمام تر احکام نرالے ہیں۔ یہاں کسی منزل کا دشوار گذار ہونا رہوار عمل کے لئے مہمیز ہے۔ سراپا عمل افراد، اور دشوار پسند طبائع کو ایسے ہی موانع کی پیہم جستجو اور مسلسل تلاش رہتی ہے۔ جہاں قوت عمل موانع سے ٹکرائے۔ اور متواتر جد وجہد کے بعد موانع مذکورہ کو زیر وزبر کر کے اپنی طاقت اور استحکام کا سکہ بٹھا دیا جائے۔ بخیال ان حضرات منزل کی انتہائی دشواری صیقل کرہمت ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے صحیح فرمایا ہے:۔

انی لاکره ان اری الرجل فارغاً لا فی عمل الدنیا ولا فی عمل الآخرة۔ حلیة الاولیاء صـ ۱۳۰/۱

(ترجمہ) مجھے بہت ہی ناگوار گذرتا ہے کہ کسی ایسے شخص کو دیکھوں جو بے کار محض ہو۔ نہ دنیا کے کام کا ہو اور نہ آخرت کے مصرف کا"

اسی راز حیات کی طرف یزید بن مہلب نے ان کبھی نہ بولنے والے الفاظ میں اشارہ کیا:۔

مایسرّنی انی کُفیت امر الدنیا کلہ، قیل ولم ایھا الامیر ! قال لانی اکرہ عادۃ العجزہ کامل للمبرد صـ ۲۳۱	(ترجمہ) مجھے اس بات سے ذرہ بھر مسرت نہ ہوگی۔اگر کوئی دوسرا شخص میرے تمام تر دنیاوی کام سنوار دے

ارا کین دربار نے مارے حیرت کے دریافت کیا کہ امیر! اس کی وجہ؟ یزید نے کہا میں ناپسند جانتا ہوں کہ خود ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جاؤں "

دور حاضر کے مشہور فلسفی شاعر نے اس نکتہ کو ان الفاظ میں ادا کیا ؎

میا را بزم بر ساحل کہ آں جا	نوائے زندگانی نرم خیز است
بہ دریا غلط و با موجش در آویز	حیاتِ جاوداں اندر ستیز است

علی الخصوص کتاب الٰہی تو ہماری معاش اور معاد کے لئے شمع راہ، دین اور دنیا کی اصلاح کی کفیل۔ہر قسم کی ترقیوں کی ضامن ہے۔اور جس کے متعلق سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

خیرکم مَنْ تعلّم القرآن وعلّمہ ہ رواہ البخاری (مشکوۃ صـ ۱۸۳)	(ترجمہ) تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن شریف کے درس وتدریس

کا مشغلہ رکھے (صحیح بخاری)

پھر یہ کیوں کر ہوسکتا ہے کہ ہم اس کتاب کے اعجاز لفظی ومعنوی اور اسکے نازل کرنیوالے کے احاطہ علمی اور اسکی ہیبت وجلال کو دیکھ کر دم بہ خود بیٹھ جائیں۔تاریخ مذہب شاہد ہے کہ ہمارے اسلاف کرام نے باآں ہمہ تقوی واحتیاط کبھی ایسا نہیں کیا۔

قال ابن جریر فی جامع البیان (صـ ۲۶-۲۷) ذکر الاخبار التی رویت فی الحضّ علی العلم بتفسیر القرآن۔ومن کان یفسّرہ من الصحابۃ	(ترجمہ) امام ابوجعفر طبری فرماتے ہیں۔ (الف) اُن روایات کا بیان جن میں علم تفسیر کی ترغیب ہے اور ان صحابہ کا

(۱) عن ابن مسعود کان الرجل منا اذا تعلم
عشر آیات لم یجاوزھن حتی یعرف معانیھن
والعمل بھن (۲) عن ابی عبدالرحمن السلمی
قال حدثنا الذین کانوا یقرؤننا انھم کانوا
یستقرءون من النبی صلے اللہ علیہ وسلم
فکانوا اذا تعلموا عشر آیات لم یخلفوھا حتیٰ
یعلموا ما فیھا من العمل فتعلمنا القرآن والعمل
جمیعاً (۳) عن مسروق کان عبداللہ یقرءُ
علینا السورۃ ثم یحدثنا فیھا ویفسرھا عامۃ
النھار (۴) عن شقیق قال استعمل علیؓ ابن عباس
علی الحج فخطب خطبۃ لوسمعھا الترک والروم
لاسلموا ثم قرءَ علیھم سورۃ النور فجعل یفسرھا
وفی روایۃ عن شقیق قرء ابن عباس سورۃ
البقرۃ یفسرھا فقال رجل لوسمع ھذا الدیلم
لاسلمت -

تذکرہ جو قرآن کے مفسر تھے (۱) عبداللہ
بن مسعود فرماتے ہیں - کہ ہم جب دس آیتیں
پڑھ لیتے تھے تو اس وقت تک آگے
نہ پڑھتے جب تک اُن کے معانی اور اُن پر
عمل کرنا نہ سیکھ لیں (۲) ابوعبدالرحمن سلمی
(تابعی جلیل ترجم لہ الذھبی فی التذکرۃ کما سنذکرہ)
فرماتے ہیں کہ جن صحابہ کرام نے ہمیں قرآن
شریف پڑھایا اُن کا بیان ہے کہ وہ
آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن اس
طرح پڑھتے تھے کہ جب کوئی شخص
دس آیتیں پڑھ لیتا تو آگے نہ پڑھتا تاآنکہ
اُن پر عمل کرنا سیکھ لے (اور یہ بغیر فہم
معنی اور تفسیر کے ہو نہیں سکتا) لہذا ہم
نے قرآن اور اس پر عمل کرنا ہر دو معاً سیکھے
(۳) مسروق فرماتے ہیں کہ ابن مسعود

رب، والیفیٰ قد حث اللہ عبادہ علی الاعتبار | ہمیں کوئی سورت پڑھاتے پھر سارا

بما فی آیِ القرآن من المواعظ والتبیان لقولہ
کتاب انزلناہ الیک مبارک لیدبروا آیاتہ و
لیتذکر اولوا الالباب — والا تعاظ بمواعظہ
یدل علی ان علیھم معرفۃ تاویلہ - لانہ محال
ان یقال لمن لایفھم مایقال لہ ولا یعقل

سارا دن اُس کی تفسیر اور نکات بیان
کرتے رہتے تھے (۴) شقیق بن سلمہ
فرماتے ہیں کہ حضرت مرتضیٰ نے زمانہ
خلافت میں ابن عباس کو امیرالحج مقرر
فرمایا آپ نے وہاں ایسا خطبہ پڑھا کہ

تاویلہ اعتبرہ بالنقاط۔ | اگر ترک اور رومی اس کو سن لیتے تو اسلام لے آتے۔ پھر آپ نے سورۃ نور پڑھی۔ اور اس کی تفسیر بیان کی۔ ایک اور روایت میں شقیق سے مروی ہے کہ ابن عباس نے سورۂ بقر تلاوت کی۔ پھر اس کی ایسی تفسیر بیان کی کہ اگر دیلم سن لیتے تو اسلام لے آتے۔

(ب) اس کے علاوہ خدا تعالےٰ نے اپنے بندوں کو ترغیب دلائی ہے کہ وہ قرآن کریم سے نصیحت حاصل کریں۔ چنانچہ فرمایا ہے " یہ مبارک کتاب ہم نے اس لئے اتاری کہ لوگ اس میں تدبّر اور غور کریں۔ اور دانشمند نصیحت لیں" ۔۔۔ اس آیت کے رو سے جب لوگ اس امر کے مکلف ہیں کہ قرآن سے نصیحت لیں تو لازماً اس کے بھی مکلف ہیں کہ قرآن حکیم کو سمجھیں (اسی کو تفسیر کہا جاتا ہے) ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی ایسے شخص سے جو ایک چیز کو سمجھ نہیں سکتا یا اس کا سمجھنا اس کے لئے ممنوع ہے۔ یہ کہا جائے کہ اس سے نصیحت حاصل کرو" طبری ص ۲۶-۲۷/۱

بلکہ اس کتاب نے تو خود علی الاعلان فرمایا ہے:

ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر | (ترجمہ) ہم نے نصیحت لینے کی خاطر قرآن کو سہل کیا۔ پس ہے کوئی نصیحت لینے والا!

پھر خدا تعالےٰ نے ہمیں فہم و درایت/عقل و کیاست کی بیش بہا نعمتیں عطا کیں۔ تاکہ مکلفین کو وحی الٰہی کے سمجھنے میں کوئی دقّت محسوس نہ ہو چنانچہ خود فرمایا ہے۔

الله الذی انزل الکتاب بالحق والمیزان (سورۂ شوریٰ) | (ترجمہ) خدا تعالےٰ وہ ذات ہے جس نے کتاب الٰہی کو بمطابق ضرورت کے اتارا۔ اور میزان کو بھی،

نیشاپوری تفسیر میں فرماتے ہیں" المیزان قیل ھو العقل (ص ۲۷/۲۵)

یعنی میزان سے مراد فہم صحیح ہے۔ جس سے دقائق کی عقدہ کشائی کی جا سکتی ہے۔ حافظ ابن القیم نے اعلام ص۱/۳ بعد میں اس کی پوری توضیح کی ہے کہ میزان قیاس صحیح اور فہم و درایت کا نام ہے۔

سورۂ حدید میں ہے:-

ولقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب بالحق والمیزان الآیۃ۔	(ترجمہ) بے شک ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلے دلائل دے کر بھیجا۔ اور ان کو

کتاب اور میزان عطا کی"

"میزان" سے مراد بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (فتاوی جلد ص۲۵۷/۴)

یہی فہم و کیاست ہے جس کے طفیل انسان کو احکام الٰہیہ کا مکلف بنایا گیا ہے۔ علماء اصول فقہ اسی کو "اھلیت خطاب" سے تعبیر کرتے ہیں۔

اسی حقیقت کو سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقدس الفاظ میں یوں ادا فرمایا ہے:-

ان الامانۃ نزلت فی جذر قلوب الرجال ثم علموا من الکتاب وعلموا من السنۃ ھ	(ترجمہ) مادۂ امانت، پہلے مکلفین کے سویداء قلب میں پیدا کیا جاتا ہے۔

بعد ازاں وہ (کہیں جاکر) کتاب الٰہی اور اسوۂ نبی کے سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کے اہل ہوتے ہیں۔

"امانت" سے مراد بتصریح حضرت شیخ الہند قدس سرہ وہی جذبہ ہے۔ جس کو فطرت صحیحہ، واعظ اللہ، ضمیر سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

تفسیر نیشاپوری (ص۳۵/۲۲) میں ہے۔

الاظھر عندی ان الامانۃ ھی الاستعداد الذی جبل کل نوع من المخلوقات علیہ ھ	(ترجمہ) میرے خیال میں "امانت" سے مراد استعداد نوعی ہے جو قدرت حقہ نے مخلوقات

کی ہر ایک نوع میں ودیعت فرمائی ہے۔

اس کی مزید توضیح کے لئے ارشاد ہوا:۔

لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَۃَ لَہٗ	جس شخص میں مادہ امانت نہیں وہ ایمان سے بے بہرہ ہے۔

ان حالات میں ہر ذی فہم مسلم کا مذہبی فرض ہے کہ وہ اپنی بساط کے مطابق اصول وفروع تفسیر میں غور کرے۔ پھر بنی نوع انسان کو علی العموم اور امت مسلمہ کو علی الخصوص ان سے حسب مقدرت شناسا کرے۔ وباللہ الثقۃ۔

وقد اجمع العلماء علی ان التفسیر من فروض الکفایات واجلّ العلوم الشرعیہ ۔ اتقان از سیوطی ص۲/۱۷۵	(ترجمہ) علماء امت کا اجماع ہے کہ علم تفسیر فرض کفایہ ہے اور تمام علوم شرعیہ سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔

باب اوّل در حقیقت

تاویل ، تفسیر، تفسیر بالرأی

فصل اوّل علم تفسیر کی ضرورت

قرآن حکیم چونکہ دنیا نے مذہب اور عالم وحی کی آخری کتاب اور تمام امور معاشیہ ومعادیہ کے لئے مکمل دستور العمل اور ناقابل ترمیم ضابطہ ہے۔ بنا بریں اس کا فہم اور تدبر لازمۂ حیات ہے۔ اور اس راہ میں جن جن معلومات وحقائق کو دخل ہوگا وہ "واجب لغیرہٖ" کے طور پر، علی تفاوت المراتب ضروری سمجھے جائینگے۔

ما نحن فیہ میں علم تفسیر سے ہماری مراد وہ علم ہے جس سے کتاب الٰہی کا فہم اور اس کے حقائق ونکات تک رسائی حاصل ہو تاکہ دنیا وآخرت

کی سعادت و کامرانی کے اصول و فروع سامنے آجائیں۔ اور مکلف ان کو مقصد حیات بنا سکے۔ بنا بریں علم تفسیر کی ضرورت میں کلام نہیں ہو سکتا۔

(۲) اس کے علاوہ دورِ نبوت کو سامنے رکھئے اور صاحب وحی (صلے اللہ علیہ وسلم) کے اسوۂ حسنہ میں غور کیجئے۔ آپ کو صاف نظر آئے گا کہ حضور کے تمام اقوال و افعال قرآن حکیم کی تفسیر اور شرح ہیں۔ اسی لئے علما نے قاطبۃً لکھا ہے "السنۃ شارحۃ للقرآن وموضحۃ لہ" اتقان (صفحہ ۱۷۶/۲)۔ گویا آپ کا وجود باوجود کتاب مجید کی مجسّم تفسیر، اور بولتا چالتا قرآن ہے۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رض نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ جب کہ آپ سے سائل نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خُلق دریافت کیا۔

کان خُلقُہ القرآن ۔ (ترجمہ) قرآن حکیم پر عمل کرنا حضور کے لئے طبعی جذبہ ہو چکا تھا"

اسی نکتہ کو حضرت علی مرتضیٰ نے یوں ادا فرمایا، جیسے مولف "منصب امامت"[۱] نے نقل کیا ہے۔

اَنَا القرآنُ النَّاطِقُ ۔ (ترجمہ) میں قرآن ناطق ہوں۔"

کتاب الٰہی کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کے تشریف لانے کی حکمت (من جملہ اور حِکَم کے) یہ بھی ہے کہ انبیاء کتاب الٰہی کی زندہ تفسیر ہوتے ہیں۔ تاکہ امت کتاب الٰہی پر عمل پیرا ہونا سیکھے۔ نیز کسی کو یہ شبہ دامنگیر نہ ہو۔ کہ احکام مندرجۂ کتاب الٰہی۔ استطاعت بشری، طاقت انسانی سے بالاتر ہیں، تکلیف مالایطاق ہیں۔ سورۂ بقرہ میں انسانی حیات کے دستور العمل پر جب تفصیل سے بحث ہو چکی تو آخر میں مذکورہ بالا نکتہ کی طرف اشارہ کرتے

---

[۱] یعنی حضرت شاہ محمد اسمٰعیل بن عبدالغنی الشہید ۱۲ نور

ہوئے فرمایا :-

آمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمؤمنون ۔ الایۃ ۔	(ترجمہ) خود پیغمبر خدا نے، اور ان کی اتباع میں صحابہ کرام نے وہ سب کچھ کر دکھایا

جو ان کی طرف نازل کیا گیا (لہذا اب کسی کے لئے یہ عذر باقی نہیں رہا کہ اس کا فہم انسانی طاقت سے بالاتر ہے ۔یا اس پر عمل درآمد تکلیف ما لا یطاق ہے)

(۳) حافظ سیوطی اتقان (ص ۱۷۶/۲) میں لکھتے ہیں :-

قال ابن تیمیہؒ ۔یجب ان یعلم ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم بین لاصحابہ معانی القرآن کما بین لھم الفاظہ فقولہ تعالیٰ لتبین للناس ما نزل الیھم ۔یتناول ھذا وھذا ، والعادۃ تمنع ان یقرء قوم کتابًا فی فن من العلم کالطب والحساب ولا یستشرحوہ فکیف بکلام اللہ الذی ھو عصمتھم وبہ نجاتھم وسعادتھم وقیام دینھم ودنیاھم بقدر الحاجۃ	(ترجمہ) واضح رہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جس طرح الفاظ قرآن کی تبلیغ کی، اسی طرح قرآن کے معانی اور نکات کی بھی تعلیم دی ہے۔ لہذا خدا تعالیٰ کا یہ ارشاد (تاکہ آپ لوگوں کے سامنے بیان کرسکیں ۔ وہ چیز جو ان کی طرف اتاری گئی) تبلیغ الفاظ، اور تفصیل معانی وتشریح مطالب ہر دو کو شامل ہے ۔اس کے علاوہ عادتاً محال ہے کہ کوئی جماعت

کسی فن، مثلاً طب، حساب کی کوئی کتاب پڑھے ۔مگر پڑھانے والے سے اس کے مطالب ومضامین کی تشریح وبیان نہ پوچھے (صرف الفاظ کو رٹتی چلی جاتے) پھر یہ سلوک صحابہ کرام اس صحیفہ مقدسہ سے کیوں کر سکتے ہیں جو ان کے لئے پناہ ونجات اور عین سعادت ہے اور اسی کے ساتھ ان کی دینی اور دنیاوی ترقیاں وابستہ ہیں''

(۴) (الف) پھر صحابہ کرام کو دیکھئے شب و روز قرآن شریف کا مطالعہ ہو رہا ہے ۔اس کے احکام پر عمل درآمد کرنے کے طریق دریافت ہو رہے ہیں۔ حضرت

عبداللہ بن عباس کے لئے خود سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم دربارِ الٰہی سے درخواست کر رہے ہیں کہ اے خدا ان کو علمِ تفسیر میں مہارت عطا کر!

عن ابن عمر دعا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لابن عباس وقال اللھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل + وعن ابن عباس قال دعا لی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وقال اللھم علمہ الحکمۃ وتاویل الکتاب - وفی روایۃ دعا لہ بالعلم ۵ اصابہ ص۳۳۱/۲ -

(ترجمہ) عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں - کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس کے لئے دعا فرمائی اور کہا - اے اللہ! ان کو فقاہتِ دین - اور تفسیر کتاب الٰہی کا ملکہ عطا فرما! + خود ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور نے میرے لئے دعا کی اور فرمایا

وفی الاکمال دعا لہ النبی صلے اللہ علیہ وسلم بالحکمۃ والفقہ والتاویل - انتھٰی ص۳

اے اللہ! اس کو حکمت، اور تفسیر کتاب عطا کر! ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے اُن کے لئے علم کی دعا کی ۵ اصابہ ص۳۳۱/۲ + کتاب الاکمال میں ہے کہ آں حضرت نے ابن عباس کے لئے تین امور کی دعا کی (۱) حکمت (۲) فقہ (۳) تفسیر ۵ ص۳

بعد ازاں یہی ابن عباس فنِ تفسیر کے پیشوا، اور بہ قول حضرت مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ غوّاص (اصابہ ص۳۳۲/۲) شمار ہوئے اور عبداللہ بن مسعود جیسی بلند پایہ شخصیت کو اعتراف کرنا پڑا کہ

نِعمَ ترجمان القرآنِ ابنُ عباس ۵ طبری ص۳ - اصابۃ ص۳۳۲/۲

(ترجمہ) قرآن حکیم کے بہترین مفسر عبداللہ ابن عباس ہیں" طبری و اصابہ -

(نکتہ) قال ابن القیم فی الاعلام ص۲/۲ دعا النبی صلے اللہ علیہ وسلم لعبداللہ بن عباس ان یفقھہ فی الدین ویعلمہ التاویل "والفرق" بین الفقہ والتاویل ان الفقہ ھو فھم المعنی

(ترجمہ) شیخ الاسلام ابن القیم اعلام ص۲/۲ میں لکھتے ہیں - آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ابن عباس کے لئے دعا کی کہ خدا ان کو دین کی سمجھ دے اور تاویل سکھائے

المراد والتاویل ادراک الحقیقۃ التی یؤل الیھا المعنی التی ھی اخیتہ واصلہ و لیس کل من فقہ فی الدین عرف التاویل؛ فمعرفۃ التاویل یختص بہ الراسخون فی العلم

فقہ اور تاویل میں فرق یہ ہے کہ معنیٔ مراد کا فہم فقہ ہے اور اس حقیقت کا سمجھنا جو معنی مذکور کے لیئے بمنزلہ سرچشمہ اور منبع کے ہے۔ تاویل کہلاتا ہے۔ لہذا ضروری نہیں کہ ہر فقیہ فے الدین تاویل کا عالم بھی ہو۔ بلکہ تاویل کا علم راسخین فے العلم کا خاصہ ہے۔

(ب) حضرت فاروق اعظم سورۂ بقرہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بارہ[12] سال میں ختم کرتے ہیں۔ پھر شکریہ کے طور پر اونٹ قربانی کرتے ہیں۔

اخرج الخطیب فی روایتہ مالک عن ابن عمر قال تعلم عمر البقرۃ فی اثنتی عشرۃ سنۃً فلما ختمھا نحر جزوراہ زرقانی علی الموطا۔

(ترجمہ) خطیب بغدادی، بروایت امام مالک ابن عمر سے راوی ہیں کہ فاروق اعظم نے (وہی فاروق جن کی رائے صائب کئی مقامات پر وحی سے مطابق رہی) سورۂ بقرہ بارہ سال میں پڑھی۔ اور ختم کی خوشی میں ایک اونٹ ذبح کیا۔"

(ج) علی ہذالقیاس عبداللہ بن عمر اسی سورت کو آٹھ سال میں ختم کرتے ہیں۔ موطا امام مالک میں ہے۔

مکث عبداللہ بن عمر علی سورۃ البقرۃ ثمانی سنین یتعلّمھا وانما مکث ابن عمر علی سورۃ البقرۃ یتعلّمھا ثمانی سنین لانہ اراد ان یتبحّر فی تفسیرھا، واسباب نزولھا و استخراج غرائب الاحکام منھاہ مصفی شرح موطا + قال ابن تیمیہ ولھذا کانوا یبقون

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر نے سورۂ بقرہ آٹھ سال میں پڑھی" حضرت شاہ ولی دہلوی مصفی شرح موطا میں فرماتے ہیں اتنی دیر کی وجہ یہی ہے کہ آپ سورۂ مذکور کی تفسیر میں تبحر، اور اسباب نزول میں حذاقت، استخراج احکام میں کمال حاصل

مدۃ فی حفظ السورۃ ۔ وقال انس کان الرجل اذا قرء البقرۃ وآل عمران جل فی اعیننا ۔ رواہ احمد فی مسندہ ۔ اتقان صفحہ ۱۷۶/۲ ۔ | کرنا چاہتے تھے (یہی وجہ حضرت فاروق اعظم کے متعلق بھی ہو سکتی ہیں) + حافظ جلال الدین سیوطی اتقان صفحہ ۱۷۶/۲ میں شیخ

الاسلام ابن تیمیہ سے ناقل ہیں کہ اسی حذاقت اور مہارت کی خاطر صحابہ کرام کسی صورت کے حفظ میں ایک عرصہ تک لگے رہتے تھے ۔ اسی بنا پر حضرت انس بن مالک نے فرمایا کہ جب کوئی صحابی سورۂ بقرہ اور آل عمران پڑھ لیتے تھے تو ہماری نظروں میں ان کی وقعت بڑھ جایا کرتی تھی"

غرض مذکورہ بالا روایات سے اکابر صحابہ کا علم تفسیر میں بے انتہا شغف اور بے حد انہماک معلوم ہوا ۔ جس سے اس فن کی ضرورت روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی ۔

(۵) صحاح میں ہے ۔ حضرت صدیقہ فرماتی ہیں ۔ کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

مَن نوقش فی الحساب عُذِّبَ ۔ | (ترجمہ) جس شخص سے حساب میں مناقشہ ہوا وہ عذاب الٰہی سے بچ نہیں سکتا (مثلاً یوں کہا جائے کہ تم نے یہ جرم کیا ۔ اور کیوں کیا ۔ ظاہر ہے کہ اس "کیوں" کا جواب نہیں بن سکتا) ام المومنین فرماتی ہیں اس پر میں نے دریافت کیا ۔ یا رسول اللہ! پھر اللہ کے اس ارشاد کے معنی ؟

فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَسِیرًا الآیۃ | (ترجمہ) عنقریب اس سے نرم محاسبہ کیا جائے گا " یہ سن کر حضور نے فرمایا :۔

ذاک العرضُ یا عائشۃ | (ترجمہ) یہ صورت درحقیقت "عرض" کی ہے ("حساب" اس کو مجازاً کہا گیا ۔ مثلاً یوں کہا جائے گا کہ تم نے فلاں جرم کیا ۔ فلاں گناہ کیا ۔ بس ۔ فقط نامۂ اعمال پیش کر کے معافی دے دی جائے گی)

مبصر جانتا ہے کہ حضرت صدیقہ قرآن حکیم کی تفسیر دریافت فرما رہی ہیں۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم تفسیر بیان فرما رہے ہیں۔

(۵) صحیح روایات میں ہے کہ جب آیت ذیل نازل ہوئی :-

الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن وھم مھتدون

(ترجمہ) جو لوگ ایمان لائے۔ اور انہوں نے اپنے ایمان کو کسی ظلم سے ملوث نہیں کیا۔ اُن کے لئے امان ہے اور وہ راہ یاب ہیں۔

تو صحابہ کرام کو تشویش ہوئی اور انھوں نے دربار نبوت میں عرض کیا۔

ایّنا لم یظلم یا رسول اللہ ؟

(ترجمہ) یا رسول اللہ! ہم میں سے کون ہے جس نے کوئی ظلم (گناہ) نہ کیا ہو؟ جب تو نجات بڑی مشکل ہوئی۔ حضور نے سن کر فرمایا "ظلم" سے مراد شرک ہے جیسے قرآن میں ہے :-

ان الشرک لظلم عظیم۔

(نکتہ نفیسہ) (۱) قال ابن القیم فی الاعلام ص۲/۳ انکر صلی اللہ علیہ وسلم علی من فھم من قولہ تعالی الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن وھم مھتدون - انہ ظلم النفس بالمعاصی، وبیّن انہ الشرک وذکر قول لقمان لابنہ ان الشرک لظلم عظیم مع ان سیاق اللفظ عند اعطائہ حقہ من التامل یبیّن ذلک - فانہ سبحانہ لم یقل (ولم یظلموا انفسھم) بل قال ولم یلبسوا ایمانھم بظلم - ولبس الشیٔ بالشیٔ تغطیتہ بہ واحاطتہ

(نکتہ نفیسہ) حافظ ابن قیم اعلام ص۲/۳ میں فرماتے ہیں - آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی تغلیط فرمائی جنھوں نے آیت الذین آمنوا میں "ظلم" سے مراد "معاصی" لئے ہیں - اور آپ نے تصریح فرمائی - کہ یہاں ظلم سے مراد ظلم اکبر یعنی شرک ہے - جیسے حضرت لقمان نے فرمایا کہ شرک ظلم عظیم ہے - پھر اگر نظم کریم میں غور و تدبر سے کام لیا جائے تو یہ تاویل بالکل صاف معلوم ہوتی ہے - کیونکہ خدا

به من جميع جهاته ولا يغطي الايمان ويحيط به
ويلبسه الا الكفر ومن هذا قوله تعالىٰ بلى من
كسب سيئة واحاطت به خطيئته فاولئك
اصحاب النار هم فيها خالدون - فان
الخطيئة لا تحيط بالمؤمن ابداً، فان ايمانه
يمنعه من احاطة الخطيئة به بالاختصار

تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا (ولم یظلموا انفسہم)
حالانکہ جملہ مختصر تھا۔ بلکہ فرمایا (ولم یلبسوا
ایمانہم بظلم) لغت عرب میں لبس کے معنی
ہیں کسی چیز کا دوسری کو ڈھانپ لینا۔
اور تمام اطراف سے احاطہ کر لینا۔ ظاہر ہے
کہ ایمان کو جمیع جوانب و اطراف سے احاطہ
صرف شرک ہی کر سکتا ہے۔ دیکھیے دوسرے مقام پر خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے (کیوں نہیں جس شخص نے گناہ کمائے۔ پھر گناہوں نے اس کا احاطہ کر لیا پس ایسے لوگ جہنمی ہیں۔ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے) اس آیت کا مصداق صرف کفار ہی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ معاصی مومن کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ بلکہ مومن کا ایمان احاطہ مذکور سے مانع ہے۔

(۲) شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا یہاں دوسرا مسلک ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ نظم کریم میں لفظ لُبس آیا ہے۔ دو چیزوں میں لبس (خلط) بغیر اتحاد محل کے ناممکن ہے۔ بنا بریں ایمان اور ظلم کا لبس اسی وقت ہو سکتا ہے۔ جب کہ ظلم سے مراد شرک ہو۔ کیونکہ محل ایمان (قلب) میں ایمان سے شرک کا ہی اختلاط متصور ہو سکتا ہے۔ سورۂ یوسف میں ہے "وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون"

(د) حضرت عدی بن حاتم طائی کو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے شرائع اسلام کی تلقین کی اور فرمایا۔ کہ رمضان کی شب میں کھانا پینا جائز ہے۔ تاآنکہ سفید ڈورا سیاہ ڈورے سے تمیز نظر آنے لگے۔ عدی نے الفاظ کے ظاہری معنی سمجھ کر رات کو ہر دو ڈورے پاس رکھ لیئے اور اُٹھ اُٹھ کر دیکھتے رہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اطلاع ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا۔ ظاہر الفاظ مراد نہیں بلکہ خیط ابیض سے روشنی صبح اور خیط اسود سے ظلمت شب مراد ہے (راجع تفسیر لابن جریر و ابن کثیر تحت قولہ حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر)

(۳) (نکتہ بدیعہ) قال ابن القیم (فی الاعلام ص۲۵۴ بعدہ) قال عمر بن الخطاب للصحابۃ ما تقولون فی اذا جاء نصر اللہ والفتح السورۃ؟ قالوا امر اللہ نبیہ اذا فتح علیہ ان یستغفرہ۔ فقال لابن عباس ما تقول انت؟ قال ھو اجل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلمہ ایاہ۔ فقال ما اعلم منھا غیر ما تعلم۔ وھذا من ادق الفہم والطفہ ولا یدرکہ کل احد فانہ سبحانہ لم یعلق الاستغفار بعملہ بل علقہ بما یحدثہ سبحانہ من نعمۃ فتحہ علی رسولہ ودخول الناس فی دینہ۔ وہذا لیس بسبب للاستغفار۔ فعلم ان سبب الاستغفار غیرہ وہو حضور الاجل الذی من تمام نعمۃ اللہ علی عبدہ توفیقہ للتوبۃ النصوح والاستغفار بین یدیہ لیلقی ربہ طاہراً مطہراً من کل ذنب فیقدم علیہ مسروراً راضیاً مرضیاً عنہ۔ ویدل علیہ ایضاً قولہ (فسبح بحمد ربک واستغفرہ) وہو صلی اللہ علیہ وسلم کان یسبح بحمدہ دائماً فعلم ان المامور بہ ذلک التسبیح بعد الفتح ودخول الناس فی الدین

(نکتہ بدیعہ) شیخ الاسلام ابن القیم اعلام ص۲۵۴ میں لکھتے ہیں کہ فاروق اعظم نے صحابہ کرام سے سورۃ "اذا جاء نصر اللہ" کی تفسیر دریافت کی۔ انہوں نے کہا بس یہی مراد ہے کہ جب فتوحات امداد الٰہی سے حاصل ہو چکی ہیں تو استغفار کیجئے (حالانکہ ہر دو میں کوئی وجہ ربط نہیں) اس لئے فاروق اعظم نے ابن عباس سے پوچھا۔ آپ نے کہا اس سورت میں اشارہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اجل قریب ہے اس لئے آپ کو سفر آخرت کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔ حضرت فاروق نے فرمایا مجھے بھی یہی سمجھ آتا ہے۔

یہ نہایت ہی دقیق اشارہ اور لطیف نکتہ ہے جس کو ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔ وجہ یہ کہ استغفار کا حکم کسی عمل کے بعد نہیں دیا گیا۔ (تا کہ کہا جاتے کہ خدانخواستہ۔ فلاں کوتاہی کی وجہ سے استغفار کا امر ہوا) بلکہ حالت یہ ہے کہ استغفار کا حکم دیا گیا نصرت الٰہی کے

امر اکبر من ذلک متقدم - وذلک مقدمۃ بین
یدی انتقالہ الی الرفیق الاعلی - وانہ قد بقیت
علیہ من عبودیۃ التسبیح والاستغفار التی ترقیہ
الی ذلک المقام بقیۃ - فامرہ بتوفیتھا -
ویدل علیہ ایضاً انہ سبحانہ شرع التوبۃ
والاستغفار فی خواتیم الاعمال، فشرعھا فی خاتمۃ
الحج وقیام اللیل - وکان النبی صلے اللہ علیہ وسلم
اذا سلم من الصلوٰۃ استغفر ثلاثاً - وشرع للمتوضی
بعد کمال وضوئہ ان یقول اللھم اجعلنی من
التوابین الخ - فعلم ان التوبۃ مشروعۃ عقیب
الاعمال الصالحۃ - فامر رسولہ بالاستغفار عقیب
توفیتہ ما علیہ من تبلیغ الرسالۃ والجھاد فی سبیلہ
حین دخل الناس فی دینہ افواجاً - فکان
التبلیغ عبادۃ قد اکملھا وادّاھا فشرع لہ
الاستغفار عقیبھا ھ

آپ نے پر حصول فتوحات پر، لوگوں کے جوق
در جوق حلقۂ اسلام میں داخل ہونے پر،
ظاہر ہے کہ یہ چیزیں استغفار کا سبب نہیں
ہو سکتیں۔ صاف معلوم ہوا کہ سبب استغفار
کوئی اور چیز ہے اور وہ قرب اجل ہے۔
جہاں سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ خدا
تعالیٰ اپنے بندے کو خالص توبہ اور استغفار
کی توفیق دے تاکہ وہ خدا تعالےٰ سے پاک
صاف ہو کر ملے خوش و خرم ہو کر وہاں
حاضر ہو۔

اس کے علاوہ یہ بھی قابل غور ہے کہ آں
حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ
(کتاب الادعیہ) سے صاف ظاہر ہوتا ہے
کہ آپ ہر وقت تسبیح و تحمید میں معروف
رہتے تھے۔ پھر ارشاد (فسبح بحمد ربک)
کے کیا معنی؟ یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تسبیح سے مراد اس کا کوئی بڑا ہی عظیم الشان حصہ ہے
جو پہلے حضور سے خاص اہتمام سے صادر نہیں ہوا۔ یعنی وہ تسبیح و تحمید جو آپ کو "الرفیق
الاعلیٰ" میں پہنچا دے۔ بالفاظ دیگر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذمہ وہ عبودیت
تسبیح و استغفار رہ باقی ہے۔ جو آپ کو رفیق اعلیٰ تک پہنچائے۔ اس لئے حکم ہوا کہ جب ادھر
سے فراغت ہو چکی ہے تو ادھر توجہ فرمانا چاہیئے۔

مزید برآں شریعت کا ماہر جانتا ہے کہ توبہ و استغفار، خواتیم اعمال میں مشروع ہے

جیسے خاتمہ حج اور خاتمہ تہجد میں وارد ہے - نیز یہ بھی روایات میں آیا ہے کہ آں حضرت جب نماز سے سلام پھیرتے تھے تو تین بار "استغفر اللہ" پڑھتے تھے - اس کے علاوہ وضو کے بعد "اللھم اجعلنی من التوابین الخ" پڑھنا مسنون ہے + ان نصوص سے معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ کے بعد توبہ مشروع ہے (بنابریں (اس سورت میں) تبلیغ رسالت اور جہاد فی سبیل اللہ کے بعد حضور کو بھی تسبیح و تحمید و استغفار کا حکم دیا گیا - پس تبلیغ ایک عبادت تھی جس کو حضور نے پایۂ تکمیل تک پہنچایا - اس پر آپ کو استغفار کا حکم ہوا (اس وجہ سے بھی قرب اجل سمجھا گیا - کیونکہ انبیاء علیہم السلام کا مقصد حیات فریضۂ تبلیغ کی تکمیل ہے - جب یہ فریضہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا - تو پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا اپنے اصلی مرکز سے جا ملنے کا سوال خود بخود سامنے آجاتا ہے)

یہی وہ دقیق اشارہ اور لطیف نکتہ ہے - جس کی طرف سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے برسر منبر اشارہ فرمایا - اور صرف ابوبکر صدیق اس کو سمجھے اور زار و قطار رونے لگے -

عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جلس علی المنبر فقال ان عبداً خیرہ اللہ بین ان یوتیہ من زھرۃ الدنیا ماشاء اللہ وبین ما عندہ فاختار ما عندہ فبکی ابوبکر، قال فدیناک بآبائنا و امھاتنا، فعجبنا لہ فقال الناس انظروا الی ھذا الشیخ - یخبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عن عبد خیرہ اللہ بین ان یوتیہ من زھرۃ الدنیا وبین ما عندہ وھو یقول فدیناک بآبائنا و امھاتنا، فکان رسول اللہ	(ترجمہ) حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور فرمانے لگے - کہ ایک بندہ کو خدا تعالے نے اختیار دیا کہ وہ دنیا کی عیش و آرام میں سے جس قدر چاہے لے - یا خدا تعالیٰ کے یہاں کی نعمتوں سے متمتع ہو - یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق روئے اور فرمانے لگے - ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں - ابوسعید فرماتے ہیں - ابوبکر کی اس حالت پر

صلے اللہ علیہ وسلم ھو الخیر وکان ابو بکر اعلمنا۔ متفق علیہ ہ مشکواۃ ص۵۴۶

وفی روایۃ عن ابی سعید قال خرج علینا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی مرضہ الذی مات فیہ ونحن بالمسجد عاصباً رأسہ بخرقۃ حتی اھوی نحو المنبر فاستوی علیہ واتبعناہ ..... ثم قال ان عبداً عرضت علیہ الدنیا وزینتھا فاختار الآخرۃ فلم یفطن لھا احد غیر ابی بکر فذرفت عیناہ فبکی ثم قال بل نفدیک بآبائنا و امھاتنا و انفسنا واموالنا۔ قال ثم ھبط فما قام علیہ حتی الساعۃ۔ رواہ الدارمی۔ مشکوۃ ص۵۴۸

ہیں تعجب ہوا۔ اور کئی آدمیوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اس بڈھے کو دیکھو کہ آں حضرت تو فرما رہے ہیں کہ ایک بندے کو خدا تعالےٰ نے لذائذ دنیا اور نعیم آخرت میں سے ایک کے منتخب کرنے کا اختیار دیا اور یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ ابو سعید فرماتے ہیں کہ بعد میں ثابت ہوا کہ بندۂ مختار آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم تھے اور ابو بکر سب سے بڑھ کر نکتہ رس تھے مشکوۃ (ص۵۴۶)

ایک دوسری روایت میں ابو سعیدؓ سے یہ الفاظ مروی ہیں کہ مرض موت میں آنحضرت مسجد میں تشریف لائے۔ بحالیکہ آپ کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ ہم لوگ مسجد میں جمع تھے۔ آپ منبر پر تشریف لے گئے ..... اور فرمانے لگے کہ ایک شخص کے سامنے دنیا اور اس کے لذائذ پیش کئے گئے۔ مگر اس نے آخرت کو ترجیح دی۔ اس اشارہ کو سوائے ابو بکر کے کسی نے نہ سمجھا۔ اس پر وہ زار و زار رونے لگے۔ اور فرمایا۔ بلکہ یا رسول اللہ آپ پر ہمارے ماں باپ۔ جان و مال قربان ہوں۔ بعد ازاں آپ منبر سے اُترے پھر دوبارہ منبر کی طرف آج تک تشریف نہیں لے گئے۔ (مشکوۃ ص۵۴۸)

تلخیص المبحث استقصاء روایات مقصود نہیں۔ صرف یہ دکھانا منظور ہے کہ یہ اور اس قسم کی روایات سے (جو کتب حدیث میں مذکور ہیں) صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف کی علمی موشگافیوں کی طرف

صحابہ کرام کی توجہ پوری طرح مبذول تھی۔ امام سیوطی فرماتے ہیں :-

ونحن محتاجون الی ما کانو یحتاجون الیہ وزیادۃ علی ذالک مما لم یحتاجو الیہ من احکام الظواہر لقصور فہمنا عن مدارک احکام اللغۃ بغیر تعلم، فنحن اشد الناس احتیاجاً الی التفسیر	(ترجمہ) ہمیں بھی اس چیز کی ضرورت ہے جس کی طرف صحابہ کرام محتاج تھے۔ بلکہ اُن سے کہیں زیادہ۔ کیونکہ ہماری فہم ناقص، عربی زبان ہم پڑھے بغیر نہیں سمجھا سکتے (حالانکہ ان کی مادری زبان تھی) بنابریں
اتقان ص ۱۷۴/۲	

علم تفسیر کی طرف ہماری احتیاج ان سے کہیں بڑھ کر ہے۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ نکات القرآن کا مسئلہ (جس میں ہم نے صحابہ کا غور وخوض نقل کیا۔ یا اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے تنصیص ہو) متعدد مقامات سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ جن کی تفصیل حافظ سیوطی نے اتقان میں ص ۱۹۰/۲ سے ص ۲۰۵/۲ تک دی ہے۔ اور آخر میں لکھا ہے :-
فہذا ما حضرنی من التفاسیر المرفوعۃ المصرح برفعہا، صحیحہا وحسنہا وضعیفہا ومرسلہا ومعضلہا ولم اعول علی الموضوعات والاباطیل" الی ان قال -

وقد صرح ابن تیمیہ فیما تقدم وغیرہ ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم بین اصحابہ تفسیر جمیع القرآن اوغالبہ	(ترجمہ) شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور دوسرے علما نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام قرآن کی تاویل (قولاً یا عملاً)

صحابہ کرام سے بیان فرما دی تھی (البتہ نکات القرآن کا ثبوت بعض آیات میں ملتا ہے۔ ہمارے ہاں نکات اور تاویل باہم متمیز ہیں۔ کما سیتضح)

(فائدہ) اخرج ابن عبدالبر فی کتاب العلم عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال ما رایت قوماً خیراً من اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم	(فائدہ) حافظ ابن عبدالبر کتاب العلم ص ۱۳۲/۲ میں بواسطہ سعید بن جبیر۔ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ میں

کلھن فی القرآن مختصر جامع العلم ص۱۸۸
وقال الحافظ السیوطی فی الاتقان ص۱۹۷
اخرج البزار عن ابن عباس قال مارایت
قوماً خیراً من اصحاب محمد صلے اللہ علیہ وسلم
ما سألوہ الاعن اثنتی عشرۃ مسألۃ کلھا
فی القرآن داورد الامام الرازی بلفظ
اربعۃ عشر حرفاً وقال منھا ثمانیۃ فی
البقرہ واذا سالک عبادی عنی الخ ....

نے کوئی جماعت آنحضرت صلے اللہ علیہ
وسلم کے صحابہ سے بہتر نہیں دیکھی ۔ آں
حضرت کی وفات تک انہوں نے صرف
(۱۲) مسئلے حضور سے دریافت کئے
جو قرآن میں مذکور ہیں ۔ حافظ سیوطی
اتقان ص۱۹۷ میں لکھتے ہیں نبرار نے
ابن عباس سے روایت کی ہے کہ میں
نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی جماعت
سے بڑھ کر سراپا عمل جماعت نہیں دیکھی ۔ صحابہ نے حضور سے فقط (۱۲) مسئلے دریافت کئے ۔ جس کا جواب قرآن میں موجود ہے ۔ امام فخر الدین رازی نے (چودہ ۱۴) کا لفظ لایا ہے ۔ اُن میں سے آٹھ سورہ بقرہ میں ہیں ۔ بتفصیل ذیل :-

(۱) واذا سالک عبادی الخ (۲) یسئلونک عن الاھلۃ (۳) یسئلونک ماذا ینفقون قل ما انفقتم (۴) یسئلونک عن الشہر الحرام (۵) یسئلونک عن الخمر والمیسر (۶) یسئلونک عن الیتامی (۷) یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو (۸) یسئلونک عن المحیض (۹) یسئلونک ماذا احل لھم (مائدہ) (۱۰) یسئلونک عن الانفال (انفال) (۱۱) یسئلونک عن الساعۃ (۱۲) یسئلونک عن الجبال (۱۳) یسئلونک عن الروح (۱۴) یسئلونک عن ذی القرنین + سیوطی نے امام پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ روح اور ذی القرنین سے سوال (۱۳-۱۴) صحابہ کرام نے نہیں کیا ۔ بلکہ مشرکین مکہ اور یہود نے کیا تھا ۔ لہٰذا صحیح تعداد بارہ ۱۲ کی ہوئی ۔

صحابہ کرام کی مذکورہ بالا قرآنی موشگافیوں کو دیکھ کر فقہا کو کتب فقہ میں اور محقق عبدالرحمان بن خلدون کو المقدمہ میں علی الاعلان کہنا

پڑا کہ اس دور کا سب سے بڑا عالم وہ تھا جو قرآن کا سب سے بڑا ماہر ہو۔ البتہ اُس دور میں مسلمانوں کے اندر شان جامعیت پوری آب وتاب سے موجود تھی۔ وہ قرآن حکیم کی تفسیر میں ماہر ہونے کے علاوہ دوسرے شعبوں میں بھی پوری دسترس رکھتے تھے۔ بعد کے دوروں میں وہ شان جامعیت کم ہوتی گئی۔

(۵) دور نبوت اور دور صحابہ کرام کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ ہے۔ اس دور میں اس کا اہتمام بڑھا اور فن تفسیر نے مستقل حیثیت اختیار کرلی۔ اس فن میں کتابیں تصنیف ہوئیں۔ پھر محدثین نے اپنی کتابوں میں "باب التفسیر" کو امتیازی حیثیت سے لانا ضروری سمجھا۔ حالانکہ حدیث اور سنت تمام تر قرآن حکیم کی شرح اور تفسیر ہے۔ وسنرجع الیہ انشاء اللہ تعالے عند ذکر طبقات المفسرین۔

اس تمام تر تفصیل سے مقصد یہ ہے کہ خیر القرون میں تفسیر قرآن کی ضرورت سمجھی گئی۔ اور قرآن کریم کے حل کرنے میں ہر قسم کی سعی اور کوشش کا کوئی ادنی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔

ضرورت علم تفسیر کا یہی وہ طریق ہے جو عام مصنفین نے اس موقع پر ذکر کیا ہے۔ اس درجہ کو ہم نکات القرآن کہیں گے۔ کما سیتضح انشاء اللہ تعالے۔

فصل دوم ضرورت مذکور کا طریق جدید

لیکن ہم یہاں ضرورت مذکور کو ایک دوسرے کلی طریق سے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ جو طریق مذکور سے زیادہ مستحکم وقوی، پھر ادق اور الطف

بھی ہے مستحکم و قوی اسلئے کہ اسکی طرف خود صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ دلائی اور قولاً یا تقریراً اسکی توضیح فرمائی ! دق و الطف اسلئے کہ طریق مذکور عام نظروں سے اوجھل رہا چنانچہ بہت کم لوگوں نے اسکو موضوع بحث بنایا پھر اسلئے بھی کہ اس طریق کی وضاحت کے بعد یہ بھی طے ہو جائیگا کہ تفسیر" کیا ہے۔ تفسیر بالرائے" سے کیا مراد ہے "تفسیر بالرائے" شرعاً کیوں ممنوع ہے۔

حرمت تفسیر بالرائے کا نظریہ ہر زمانہ میں مرکز توجہات رہا۔ اور اس پر مختلف نکتہ سنجیاں ہوئیں۔ لیکن ہم چاہتے ہیں کہ اس کا حل بھی خود صاحب شریعت کے ارشاد یا تقریر کی روشنی میں کریں۔ تاکہ مجال بحث کم ہو۔ وباللہ التوفیق۔

نکتۂ مہمّہ - تفسیر بالرائے کے مفہوم کی تعیین اور اس کے مصداق کی تشخیص نے عام مصنفین کو ورطۂ حیرت میں ڈال رکھا ہے۔ ایک طرف وہ دیکھتے ہیں۔ کہ احادیث صحیحہ میں تفسیر بالرائے کی حرمت وارد ہے۔ دوسری طرف دیکھتے ہیں کہ خود سلف کرام سے ایک ایک آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال مروی ہیں۔ اس مجموعۂ مرکب کو دیکھکر مصنفین مذکورنے یہ سمجھا کہ ہو نہو کہ "نکات القرآن" میں سلف کا یہ اختلاف (خدانخواستہ) تفسیر بالرائے ہے تو گویا تمام سلف تفسیر بالرائے میں مبتلا تھے اس پر ایک جماعت نے حرمت مذکور کی روایات پر تنقید شروع کردی۔ تاکہ تفسیر بالرائے کی حرمت رفع ہو اور سلف کا دامن اس داغ سے پاک نظر آئے۔

فی الاتقان قال فی المدخل فی ھذا الحدیث (ای من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوء مقعدہ من النار وغیرہ من الروایات المارۃ) نظر ہ ص ۱۷۹ ج ۲	(ترجمہ) حافظ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں۔ کہ صاحب مدخل نے روایات حرمت تفسیر بالرائے کی صحت کا سرے سے انکار کر دیا ہے ص ۱۷۹

دوسری جماعت نے دوسری طرف غلو کیا۔ یعنی احادیث حرمت کو

صحیح مان کر نکات القرآن میں غور کرنا بھی ممنوع قرار دیا۔ اگر وہ افراط تھا تو یہ تفریط ہے۔

قال الماوردی قد حمل بعض المتورعة هذا الحدیث علی ظاهره وامتنع من ان یستنبط معانی القرآن باجتهاده ولو صحبها الشواهد ولم یعارض شواهدها نص صریح۔ اتقان ص ۱۷۹

(ترجمہ) اقضی القضاۃ امام ماوردی نے کہا ہے کہ بعض حد سے زیادہ محتاط بزرگوں نے روایات حرمت کو اس قدر بڑھایا کہ نکات القرآن کے استنباط کو بھی ممنوع قرار دیا اگرچہ قرائن صحت موجود ہوں اور وہ استنباط کسی صریح نص کے مخالف بھی نہ ہو۔

تیسری جماعت نے احادیث حرمت کو بھی صحیح مانا اور نکات القرآن کے استنباط کو نہ صرف جائز بلکہ ضروری قرار دیا۔ مگر تفسیر بالرائے کی حقیقت ذہن نشین نہ کر سکے اور نہ روایات حرمت کا کوئی صحیح محمل بتلا سکے (تفصیلات کے لئے دیکھو اتقان از سیوطی ص ۱۷۹-۱۸۰ ج ۲)

قال ابن النقیب جملة ما تحصل فی معنی حدیث التفسیر بالرائے خمسة اقوال احدها التفسیر من غیر حصول العلوم التی یجوز معها التفسیر، والثانی تفسیر المتشابه الذی لایعلمه الا الله والثالث التفسیر المقرر للمذهب الفاسد بان یجعل المذهب اصلاً والتفسیر تابعاً فیرد الیه بای طریق امکن وان کان ضعیفا، الرابع التفسیر علی القطع ان مراد الله کذا من غیر دلیل۔ والخامس التفسیر

(ترجمہ) ابن نقیب کہتے ہیں حرمت تفسیر بالرائے کی روایات کی مختلف توجیہیں کی گئیں جن کا خلاصہ پانچ قول ہیں۔ اول تفسیر بالرائے سے مراد یہ ہے کہ علوم پانزدہ گانہ (جن کی تفصیل فصل پنجم میں آرہی ہے) کو حاصل کئے بغیر تفسیر کا شغلہ کیا جائے۔ دوم متشابہات کی تفسیر کے درپے ہونا۔ کیونکہ ان کی حقیقت خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ سوم تفسیر سے

بالاستحسان والهوی۔ اتقان صہ ۱۸۳ | کسی فاسد مذہب کی تقویت مقصود ہو
یعنی اس مذہب کو اصل اور قرآن کو جس طرح بن پڑے، موڑ توڑ کر اس کے تابع کیا جائے چہارم، خم ٹھوک کر کہا جائے کہ خدا تعالیٰ کی مراد یہی ہے۔ پنجم اپنی پسندید اور خواہشات نفس کے مطابق قرآن کو حل کیا جائے۔ اتقان صہ ۱۸۳

واضح رہے کہ اس تمام ژولیدگی کی وجہ ایک اور صرف ایک ہے۔ یعنی "خلط مبحث" مصنفین مذکور نے سمجھا کہ نکات القرآن میں سلف کا اختلاف تفسیر بالرائے ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ بلکہ تفسیر بالرائے تاویل کے خلاف کا نام ہے۔ بس، جیسا عنقریب واضح ہو گا۔ پس تاویل تقریباً قطعی ہے۔ اور تاویل کا خلاف حرام، اور تفسیر بالرائے کہلاتا ہے۔ اور نکات القرآن کا درجہ جائز بلکہ مامور بہ ہے۔ قال تعالیٰ وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون۔

تنزیل و تاویل دو جداگانہ حقیقتیں ہیں

سب سے پیشتر ہم اس امر کو پایہ ثبوت تک پہنچانا چاہتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی نگاہ میں تنزیل اور تاویل دو جدا جدا حقیقتیں تھیں۔ تنزیل و تاویل کا یہ فرق ناظرین کو بتلا دے گا۔ کہ جس طرح وحی (تنزیل) کا اعتراف ضروری ہے۔ اسی طرح وحی کی "تاویل" بھی دور نبوت اور دور صحابہ کرام میں ضروری سمجھی جاتی تھی۔ وھو المدعیٰ

(باقی وارد) (مولوی نورالحق)

مثنوی مفتاح الفتوح

(از حضرت امیر خسرو دہلوی)

(سلسلہ کیلئے دیکھیے یہی رسالہ بابت ماہ مئی ۱۹۳۶ء)

گفتار در کشیدن لشکر بسوی شرق
و[1] اقلیم بستدن زبد اندیش بدسیر

سه شنبه از مه روزه ششم روز | چو شد بر آسمان خرشید فیروز
چنان شد ناف[2] هفته مشک باران | که مشکین شد دهان روزه داران
دران ساعت که خرشید از تلالا | سنان بر کرد تا یک نیزه بالا
ترازو سنج شد زهره بافلاک | ترازو را بر آمد پله از خاک
ثور اندر سنبله با راس هم کار | چو طاوس بهشت و گندم و مار
عطارد هم بمیزان بود جاگیر | ترازو خواست شد گوئی که از تیر
زحل کآموخته از بز شبانی | بدنبال بره برده گرانی[3]
زده مریخ در برج کمان دست | مه از پهلوی او این بند می بست[4]
قمر کاندر کمان شد اتصالش | نمونه بود حاجب بر هلالش
ذنب در دم ز عقرب نیش داری | ببطن الحوت کرده خار خاری
زهی زا طالع میزان معین | که شه کرد از علم گیتی مزین
برین طالع ز برج[5] آسمان سای | روان شد آفتاب عالم آرای
خروش از کاسهٔ روئین بر آمد | نوازش در نی زرین بر آمد
خروش کاسهٔ روئین چنان بود | که غلغل در تن روئین تنان بود
دمامه فتح را آواز می داد | دهل در پوست پاسخ باز میداد

---

۱ و و ب و ج 'و' ندارد ۲ ناف در معنی وسط چه سه شنبه در ایام هفته مرتبهٔ وسطی دارد ۳ گرانی: دستهٔ جو و گندم درو کرده ۴ و و ب و ج: بشکست
۵ برج کیاء گہری، برنی ص۱۸۱

(۱۳۲ ق) ز بیرقها که عالی داشت پایه[1]   همه لشکر همی شد سایه سایه
زرایتها که سر بر بافت باهم   زمین در سایه بنشست و سماهم
نمی دید آفتاب اصلا زمین را   که آن جا بر زمین ساید جبین را
نمودار علم در سرخ رویی   درخت نارگل کرده است گویی
سنان جیب فلک را پاره می کرد   علم پیوند آن را چاره می کرد
همی زد نیزه سر بر آسمان ها   ستاره چشم می زد از سنانها
ازان نیزه که زد بر ماه ناگاه   خله[2] پیدا شد اندر پهلوی ماه
نه مه بر خویشتن[3] جنبید و نی خور   که از هر نیزه خاری داشت برسر
چنان بر شد سنانها تیز و گستاخ   که مروارید انجم کرد سوراخ
چنان پرچم سراندر ابر در کرد   که جعد خویش ز آب ابر تر کرد
سر پیلان بابر افگنده سایه   بپای خود روان شد کوه پایه
بهیکل هر یکی چون گرد کوهی   بقتل ملحدان کرده شکوهی
تن بی سنگ شان با کوه هم تنگ[4]   بغایت طرفه باشد کوه بی سنگ
عماریهای زرین تاب می داد   چو زرین قلعهٔ بر کوه پولاد
شهنشه زیر چتر آسمان گیر   بظل ابر خرشید جهان گیر
رخش کز چتر شبگون داد تابی   نمود اندر دل شب آفتابی
چو با چتر سیه دیدش فلک جفت   علیکم بالسواد الاعظمش گفت

---

[1] ق: همه لشکر همی شد سایه سایه : ز بیرقها که عالی داشت پایه

[2] خلہ : سوراخ ' رک به خزائن ص۴ ' دیباچهٔ قرة الکمال مملوکہ انڈیا آفس نمبر ۱۱۸۶ ق ۲۴۴ ب ' چو رمحش سنان بر سرافراخته خله در دل انجم انداخته (آئینهٔ سکندری ص۱۶)

[3] د : خویش   [4] هم تنگ : هم سنگ '

ز تیغ آئینه بود از پیش و از پس — نمی یارست آنجا دم زند کس
(۱۴۲ب) سوار از بس عنان کاندر عنان بافت — صبا در شد نگنجید، و عنان تافت
هیونان خاک را کز نعل خستند — زمین را فرشی از پولاد بستند
ز پرچم دام ماهی گشت افلاک — ز نعل ماه ماهی پشت شد خاک
در اطراف هوا از گرد تاکی — فلک را برج آبی[1] گشت خاکی
ستاره در چنان گردی که بشتافت — چنان گم شد که خود را جست کم یافت
ز جوش قلب عالم در تزلزل — ز نقش نعل صحرا در تسلسل
بدین ترتیب شاه ربع مسکون — ز دار الملک رایت برد بیرون
مقامی یکدو در کار حشم کرد — حشم را واجب باقی کرم کرد
پس از منزل علم بر ماه برداشت — چو مه منزل بمنزل راه برداشت
بعزمی[2] تیز می برّید ره تند — نمی شد تیزیش[3] از قطع ره کند
شهنشه در عقب شهزاده در پیش — دو منزل این[4] یکی کرد، او ازان بیش
شتابان شاهزاده میل بر میل — ز جون و گنگ زان سو شد بتعجیل
و ازانجا یک کشش چون تیر بنمود — بر آب[5] رهب زد، بر کرد ازان دود
فرود آمد بدولت بر لب آب — ببرج آب منزل کرد مهتاب
سراپرده بگردون سر بر آورد — بران آب از هوا ابری در[6] آورد
ز بس خیمه زمین دریا رب آمد[7] — حباب از آب گوئی بر لب آمد[7]

---

۱ سه برج که عقرب و سرطان و حوت است ۲ د ق: عزم ۳ تیزی: تازی کر اسپ باشد ۴ آ = ار، ب: ار ۵ برنی: آب کلاب، و بدایونی: آب راهب که اغلباً "راپتی" کنونی است در ضلع مرادآباد رک به نقشهٔ گزیٹیر مرادآباد،
۶ د: بر ۷ ق: آمده،

وزان جانب عدو هم بر لب آب[۱] | بلرزانی چو اندر آب مهتاب
چو از اندازه بیرون بود لافش | ازان خجلت ضرورت شد مصافش
بظاهر کارِ تیغ و تیر می کرد | بدل بهر شدن تدبیر می کرد
بلا به خلق را میداشت خرسند | بدان تا بگسلد لشکر ز پیوند
ستادن پیش شه دل می ندادش | ولیکن خاست از آب[۲] ایستادش
(۱۲۳ا) بدید آب و غبار خود نهان کرد | پناه خویش ازان آب روان کرد
پهن رودی گرفته عرصهٔ دشت | کزو کشتی گذشت و تیر نگذشت
دو صف بر دو کرانه بی کران بود | ز تیغ تیز آبی درمیان بود
بود در آب[۳] خاشاک و دُر پاک | ازین سو دُر بدو زان سوی خاشاک
بدین سو شه برهنه کرده شمشیر | زکین دندان همی خایید چون شیر
ز بهر کشتیٔ می کرد تدبیر | غلط کردم که می بگسست[۴] زنجیر
بسی جست از ره خوبی و زشتی | بروی آب نامد هیچ کشتی
که هرچه از جنس کشتی بد کم وبیش | کشیدش پیش ازین دشمن سوی خویش
چه هرسو جست و جو کردند بسیار | ز[۵] جایی یک دو زورق شد پدیدار
ملک فرمود تا شیران نخچیر | بتیزی بگذرند از آب چون تیر
یلان بر حکم فرمان بی مدارا | گذر جستند بر سمت گدارا
گزیده موشگافی چند کین جوی | که گاهی کوه[۶] بشگافند و گه موی
روان از آب بگذشتند چون باد | وزیشان آتشی در لشکر افتاد

---

۱ د: مصرع اول بعد از مصرع ثانی دارد   ۲ د: لب (لب آب)
۳ د و ب «هم» قبل از خاشاک دارد که سهو است   ۴ زنجیر گسستن:
بیتاب بودن   ۵ د: به   ۶ د: مور

در افتادند در بنگاه بدخواه   ز خون کردند رنگین خاک بنگاه
به بیلک جان بدکیشان نخستند   به پیکان کیش بی[۱] دین را شکستند
عدو تا دست و پای خود کند یاد   بسا سرکان بدست و پا در افتاد
چو با فتحی چنین دمساز گشتند   بفیروزی ازان جا باز گشتند
(۱۴۳ ب) رسیدند و بخدمت سر نهادند   باوّل فتح شه را مژده دادند
شه ایشان را به بخشش محترم کرد   کرم کرد و برون از حد کرم کرد
وزان جانب عدو زان جنبش سخت   ز هیبت خواست در آب افگند رخت
ولیکن چند روزی کرد پی[۲] کور   بدان تا لشکر شه نآورد زور
شبی آن سنگدل با کوه اندوه   ز بی‌سنگی روان شد جانب کوه
شباشب ساز لشکر جمله بگذاشت   لب آب دره چوپاله[۳] بر داشت
همان شب خان لشکرکش خبر یافت   که خصم از تاب تیغ شاه رو تافت
دو روزی کرد غارت بنگهش را   وزان پس تاخت تا گیرد رهش را
ز بس آهنگ دشمن کرد چون شیر   که پیش آهنگ[۴] او گیرد بشمشیر
عدو می‌شد گریزان زان سوی جوی   چو دریا شد بدنبالش برین سوی
هنوز او باز پس بود و سپاهش   که شه پیش آمد و بگرفت راهش
مخالف گرچه کوشش کرد چندان   بماند انگشت ازان حیرت بدندان
بدید از پیش چون آن پیش دستی[۵]   برون رفت از دماغش خود پرستی

---

۱ د: تاکس   ۲ پی کور کردن: نقش پای خود محو کردن تا کسی بآن پی نتواند برد (آنند)
۳ چوپاله: در ایام قدیم مراداباد را چوپاله گفتند و آن جای بود در سرکار سنبهل، جیٹ، ص ۱۰۵، مرادآباد گزیٹیر، ۲۳۲
۴ پیش آهنگ: آنان که پیش پیش روند در راه
۵ پیش دستی: سبقت نمودن خان سپهکش که ارکلخان بود،

۲۱ ز حیرت گشت با خود حیله اندیش | که دارد پای و یا گیرد سر خویش
برفتن رو ندادش هیچ رایی | که بود اندر کمینش اژدهایی
به لب بی آبی ز خون خویش برخاست | بیامد بر لب آب و صف آراست
ازین سو چون بچشم خویشتن شاه | بدید آن شوخ چشمی را ز بدخواه
سپه خود مستعد بد از پی جنگ | بتندی سوی دشمن کرد آهنگ
۲۱ دلیران پرّه بسته پشت بر پشت | کلید فتح شان زان پرّه در مشت
(۱۳۴۲) جناح و قلب لشکر راست کردند | ظفر از آسمان درخواست کردند
بقلب صف اُرِکلکخان اعظم | لوایش نصب و فتحش با لواهم
بصف میمنه حُجّاب را میر | مبارک یاربک سیف جهانگیر
سپاه خاص او سوزان چو آذر | تنی چندی ز خویش و از برادر
۲۱ بصف میسره در کار رانی | ملک محمود سر جاندار ثانی
بپهلوی چپ شه پهلوی راد | ملک فخر دول فرمان ده داد
بسوی راستا تاج سرافراز | معظم احمد چپ راست انداز
به پیش صف دو غازی در غزا طاق | برادر زادگان شاه آفاق
یکی کو پیل بشگافد به بیلک | ملک قتلغتگین اعظم قریبک
۲۰ دگر عالی علاء الدین کین خواه | بسوی میسره آخر بک شاه
دگر فرزند کوجی تاج والا | که خون ریزد سنانش نیزه بالا
دگر کیکی ملک فرمانده کول | که بر عنقا زند پیکان بطنبول؟ [بطانول؟]
دگر از نام نیکو نصرت آثار | ملک نصرت معظم سرو و تدار
دگر در هر طرف شمشیر گیران | که داند چند بودند از امیران

---

۱ ق: از ۲ ق و ب: ابه ۳ ق: راز ۴ ق: کیلی

سوار قلب و زان سو هر سپهکش — صفی آراسته چون کوه آتش
خروج پایکان پیش سواران — مسلسل گشته همچون ابر باران
دو لشکر چون دو دریا برهم آمیخت — وزان آب روان گردی بر انگیخت
ببازی پایکان رو باز کردند — مُوَجّه روی بر رو باز خوردند
دو رویه خنجر خون ریز می رفت — همی رفت آب تیغ و[1] تیز می رفت
(۱۴۴ب) اگرچه تا کمر بود آب در زیر — ولیکن تا بسر بود آب شمشیر
لبالب آب از خنجر زبان داشت — زبانش از کین سخن با آسمان داشت
ز سینه تیغ چاکی باز می کرد — زبانش چاک چاک آواز می کرد
چنان دو تیغ روشن سر بسر بود — که در هر دو خیال یکدگر بود
چو تیغ از[3] هر دو سو بر روی ره داشت — سپر[4] از هر دو جانب ره[5] نگه داشت
بسا پایک که در بازی چو مرعاش[6] — جلوی[7] (؟) شد بخون از تیغ خونپاش
دو لشکر چون بکوشش رو برو ماند — از اینجا پاربک در پیش صف راند
چو آتش حمله بر بدخواه خس برد[8] — صف بدخواه ازانجا باز پس برد
دلیران دگر گردش ز هر سوی — همی راندند خون چون آب در جوی
ز هندستانی و هندوی[9] بدکیش — هزاری بیشتر کم شد کما بیش
بروی خاک تنها پی سپر[10] بود — سراسر گرد[11] گرد آب سر بود

---

[1] ا و ب و ج 'و' ندارد [2] د: تیغ تیز [3] د 'از' ندارد
[4] د: سپه [5] د: ره [6] مرعاش: یکی از انواع کبوتر که نامه بر باشد
[7] ا و ب: خلوتی و د: حلومی و قیاس: جلو که در معنی راندن می آید
[8] ا و ب: بود [9] د: هندی [10] پی سپر: لگدزده و کوفته
[11] د: گرد آن'

۱ ز سرها کو فتاد اندر گدرها   گدرها سربسر شد[1] پر ز سرها
هر آن موجی که با خون بازمی خورد[2]   بهر گرداب سرها گرد[3] می کرد
میان آب در خون تیغ داران   ز بالا بیلک خون ریز باران
بد از تیر و کمان بر هر تهمتن   کمان[4] رستم و باران بهمن
۲۰ زهی باران سخت از تیر پرتاب   که بود آن را ز پیکان قطرهٔ آب
۱ نیستان شد لب آب از نی تیر   میان نیستان شیران بنخچیر
خدنگی کان عدو را در جگر رفت   ولش بر بود و اندر دیده در رفت
شد اندر شخص دشمن تیر خون ریز   که بر سنگین ولش پیکان کند تیز
(۱۳۵و) ز ان سنگ سیه تیر آنچنان گشت   که در تیزی روان از آب بگذشت
۲۱ غرض از چاشتگاه تا غایت شام   نیامد تیغ را از رفتن آرام
۱ چو شاه شرق تیغ اندر میان کرد   شفق خون ریزی خود بر کران کرد
شب آمد با شفق از خاک بیرون   چو کشته[5] هندوی آلودهٔ[6] خون
شه[7] آفاق چون خرشید تابان   بمنزل گاه خود آمد شتابان
وزان جانب عدو جان رفته بیرون[*]   درون پر خون و بیرون نیز پر خون
۲۲ بسوی منزل خود کرده آهنگ[ق]   دل از جا رفته و تن مانده بی سنگ
۱ بشب می گفت کای شام سیه روز   چراغ صبحدم یک دم میفروز
که روزم را حساب واپسین است   حسابم را قیامت در کمین است
مرا دریای[8] بس طوفان ز پیش است   اگر غرقه شدم بر خاک[9] خویش است

---

[1] د: پرشد   [2] د: می‌گرد   [3] د: بر   [4] کمان رستم: قوس قزح
[5] د: این مصرع در موضع دیگر دارد   [6] ب: آلوده در خون   [7] د * * ندارد
[8] اصل: دربار؛ د این بیت ندارد   [9] ب: جای؛

خبر بودش که خاقان سپهکش — ز پس در می رسد چون کوه آتش
نهان کرد از خسان آن آتشین جوش — ولی آتش نشد پنهان ز خس پوش
چو تیغ آتشین برزد شه شرق — میان آب شد هندوی شب غرق
بدان تیغ آسمان آهنگ خون کرد — سواد هندوان رایت نگون کرد
پگه نزد[1] ارکلخان سر افراز — علم بر پای کرد و شد سرانداز
بسوی آب شد یکسر فرو راند — که یکسر هم نخواهم[2] زان سپه ماند
عدو را کی توان آن پایه دادن — که پای راست بتواند نهادن
عنان بگرفتش آن کو پا نگه داشت — که باید پایهٔ خود را نگهداشت
اگرچه چشم دولت دور بین است — ولیکن چشم بد هم در کمین است
(۳۵ اب) تو دریا دولتی و کوه بنیاد — سبک سنگی نشاید کرد چون باد
عجب نبود که دولتمندی شاه — هم امروزش کشان آرد بدرگاه
شه از گفتار دانای قوی رای — تحمل[3] کرد و ساکن گشت بر جای
ز گاه صبحدم تا نیمهٔ روز — بجای رزم بود اعلام فیروز
نبود آن زهره روبه را که از پیش — ره اندر بیشهٔ شیران کند بیش
بران شد شه که رجعت ساز گردد — بعشرت[4] گاه دولت باز گردد
که ناگاه از سواران گدا را — بدین سو راند فوجی بی مدارا
ز ابناء قراجه دو یگاه — بروی سرخ در لشکر نشانه[5]
رسیدند و جبین بر خاک سودند — گناه کرده را پوزش نمودند

---

[1] ارکلیخان در کنارهٔ آب رهب چند روز جنگهای مردانه کرد، درین اثنا کسان بیرم دیو راجه کول که آنرا کوئیل نیز می گفتند ملک چھجو را از تعاقب سلطان جلال الدین خبردار ساختند، بدایونی ج ۱ ص ۱۶۸

[2] اصل: بکهتر [3] ق: صد [4] آ و ب و ج: بعزلت [5] ق: یگانه

که دشمن تاب تیغ شه ندارد — وگر رو باز تابد ره ندارد
سران لشکرش در بند آنند — که بر بندند و بر شاهش رسانند
گر بر نطع طاعت بار یابند — بجان خویشتن زنهار یابند
چو شه زیشان دران عصیان پرستی — بطاعت دید ازینسان پیش دستی
نوازش کرد و خلعت داد و زر داد — چو گردون اسب و چون جوزا کمر داد
نمایش کرد شان در لشکر آنگاه — که این پاداش دارد طاعت شاه
ازین گروندگی دشمن خبر یافت — که زان گردنده لشکر روی برتافت
دلش افتاد بر جا، زین چه افتاد — بدل بر دست می زد کین چه افتاد
بچاره یکدو سر گم را طلب کرد — ز زرد و سرخ شان بر تن سلب کرد
که از شه گشته اند، انگیخت تزویر — بلشکرگاه شان می کرد تشهیر
(۱۲۶ا) رسید آن تعبیه وان یکدو بیتاب — بآیین نمایش بر لب آب
امیر کول کیکی شیر کین خواه — چو شیری در کمین بود از گذرگاه
چو زین شان تعبیه دید از کرانه — روان کرد اسب خود را خانه خانه
چو آتش در میان خس در افتاد — وز انجا صاعقه در لشکر افتاد
تن تنها در ایشان اندر آمیخت — سه چاری کشت و تایی چند بگریخت
دل زن شد، دل بر جا بگذاشت — ملک بر نوبتی خویش برداشت
چو باز آمد سپاه اندر شغب بود — ز لشکر آب گویی تا بلب بود
عدو را تیغ با صد بندش و بست — دران آب روان لپ لپ همی خست

---

۱ د: انگیخته   ۲ د: زان   ۳ د: ازانجا
۴ خانه خانه: بسیار بسیار (مانند)   ۵ د: آویخت   ۶ برداشتن مرادف برتافتن (مانند)
۷ او ب: پیچش   ۸ او ب و ج: بست

گمان این بود هرکس را که زان راه ملک کیلی[1] عنان بر تافت از شاه
ندانستند کو چون کینه خواهی در افتادست تنها با سپاهی
چو باز آمد[2] ز پیش از فتح دلشاد دل از فتح او آوازه در داد
بشهیق کرد از کرم در مرحمت خاص فتوحش فاتحه خوان شد باخلاص
وزان سو قلب دشمن گشته بیهوش زخون خود بآب آورده سر جوش
ازان خونابه کافتاد اندران خیل بآب اندر[3] روان از خون شان سیل
غرض باز آمدند آن سمت کیشان کمان شاه سهمی زد بر ایشان
دگر باره بر آمد نالهٔ کوس دو لشکر خورد بر یکدیگر افسوس
روان شد تیر سوی خصم بدچشم بزد بر دیدهٔ خصم و نزد[4] چشم
تراق تیر در هر استخوانی بسختی می کشید از مغز جانی
گذشت از ده سپر تیر جگر خوار چو از صد برگ گل یک سوزن خار
سنان در[5] چشمها پر زور می شد درون دیدهٔ کورا کور می شد
بدان تا کور گردد دیدهٔ بد سنان یک چشم زد صد چشم می زد
به بیشه نیزه ها بی مغز روید ازان در استخوانها مغز جوید
سنان از مغز چیپی آن چنان کرد[6] که دل زد خصم را چون آن سنان خورد
چو نیزه دست بازی کرد تا دیر[7] کشاده گشت بازوها بشمشیر
چنان در ضرب شد تیغ سرانداز که سرهای سران می شد ازان باز
سرشک خون که از شمشیر می جست یلان را در کمر یاقوت می بست

[1] ق : بہ کیلی
[2] اصل و ب و ج : آمدزشش، د : اندر تنش
[3] ق : اندر
[4] چشم زدن : ہراسیدن
[5] د : بیر
[6] و : این بیت ندارد
[7] ق : با تیر

سراز آب خنجر تا کمر بود | ز خونریزی سنانها در جگر بود
خیال[۱] تیغ شد در آب گستاخ | سپر بر پشت ماهی کرد سوراخ
میان آب سندو چون سیه میغ | نخورد آبی مگر از چشمهٔ تیغ
یکی را غرق شد تیز آب[۲] در فرق | یکی تا فرق در تیز آب[۳] شد غرق
سپاهی[۴] کان نی آمد بدرفته | قلم شد زان همه[۵] چندین سیه سر
چو گاه شام خرشید جهانتاب | ز گردون سوی مغرب شد عنان تاب
درون خیمه آمد لشکر شاه | بزد مه در میان خیمه خرگاه
شه از هیجا بسوی لشکر آمد | چو مه در خرگه دولت در آمد
بعزم آنکه دیگر روز شادان | بریزد خون دشمن بامدادان
وزان سو باز شد بدخواه لنگ | در آب و خون ازان خونابهٔ جنگ
سپاهش کشته گشته زیر شمشیر | ز جان خویش باقی ماندگان سیر
بنوبت گاه خود شد حیلت اندوز | دهلها کوفتن فرمود تا روز
بدان تا لشکرش گردد گمان گیر | که ساز جنگ فردا می کند میر
(۱۳۷ ا) دل میکوفت از بهر فسوسی | که کار او بزد[۶] با خصم کوسی
خروش کاسه بر عیّوق می زد | برین سان در هزیمت بوق میزد
چو خون دید آب را از تیغ پرتاب | به بی آبی روان شد رفت ازان آب
بدنبالش نرفت از چاکران کس | مگر از بندگانش[۷] چند تن بس
بخویشی کس بدو ناورد پیوند | مگر از خویش (و) پیوندش تنی چند

---

۱ ا و ب و ج : این بیت در موضع دیگر دارد ۲ ا و د و ج : تیزاب اول تیز آب شمشیر و دوم تیز آب رود رهب باشد ۳ د : سرور ۴ و د و ب و ج : سپاهی ۵ د : سپه
۶ د : نزد با بخت ۷ ا و ج : نی ،

دو بی اختر[1] یکی شد در وبالش   برادرزادهٔ سلطان و خالش
برادر[2] زاده شد چون گوی بی حال   سیه روی گشت بهر سوی او خال
سپه بگذاشت هم بر جا میانجی   شد از چوپاله یکشب تا باآنجی
ازان لشکر که در کار کشش کرد   ز بیم آن کشش چندان کشش کرد
خبر شد آخر شب لشکرش را   که شب در آخر آمد اخترش را
بهر موی[3] خزاخز در نهان بود   ز هرسوی هزاهز در جهان بود
همه لشکر به تیغ تیشتر تسلیم   روان شد سوئ شاه هفت اقلیم
شه از ابرو گره را بند بگشاد   نوازش کرد و جان بخشید و دل داد
به بست آنرا که رایش مصلحت دید   دگر دل ماندگانرا جان به بخشید
وزان پس پی به پی دنبال کردش   چو گوی اندر کمین خال گردش
چنان شد هیبت شه رهنمونش   که گویی برد از عالم برونش
بسی شد را[4] بهر سو جست و جو رفت   خلاص او نبود آن سو که او رفت
پریشان[5] کشتگانرا جمع میکرد   بسی پروانه گرد شمع میگرد
ز دست راست تیغ تیز بگذاشت   بجا تیغ دست راست برداشت
بدست راست شان میداد زنهار   برین سان دستگیری کرد بسیار
کرم شد دستگیر هر اسیرش   که باد آن دستگیری دستگیرش

گفتار[6] در رسیدن لشکر بخون و گنگ
پل بستن و گذشتن سلطان بحر و بر

چو سلطان جهان اسکندر دهر   بسدّ رخنه ره برداشت از شهر

---

۱ ا و ب و ج : اختر چون   ۲ و و ب و ج این بیت ندارد
۳ ج : این بیت ندارد   ۴ و و ب : جوی ، و این بیت در حاشیه دارد بخط دیگر
۵ ج : تیغ و تیر   ۶ ج : بدیسان ،   ۷ ج این بیت ندارد ،

۳۸ روان شد سوی آب گنگ چون باد ‌‌‌ بپچلانه[1] مقامی چند سس افتاد
وزانجا عزم شد به بهوجپورش[2] ‌‌‌ سواد گنگ را بگرفت نورش
زدست او بر آمد این یکی کار ‌‌‌ که بر شاهان پیشین بود دشوار
که چون دریا بجون و گنگ پیوست ‌‌‌ ببازوی هنر بر هر دو پل بست
زر از رایان گنگش گشت واصل ‌‌‌ روان شد عبرهٔ دریاش حاصل
۳۸ گدا را اش[3] بصد امیدی رفت ‌‌‌ که گرما گرم چون خرشید می رفت
سپه می خورد از فضل[4] وفا بر ‌‌‌ همی شد با اکابر تا بکابره[5]
چو شه اندر زمین کابر آمد ‌‌‌ زمین از همبر گردون بر آمد
چو بر تنب عدو شد غارت اندیش ‌‌‌ در آمد غارت بد خواهش از پیش
سپاهِ خصم غارت کردهٔ خان ‌‌‌ مقابل خورد با رایات سلطان
۳۹ بخون ریزی بر آمد بانگ تکبیر ‌‌‌ تو اکنون بره گیر[6] و بخته[7] می گیر
مسلمان شد اسیر (و) تیغ خونخوار ‌‌‌ زخون هندوان بر بست زنگار
بغارت قلب شه می گشت و می بست ‌‌‌ که شهزاده بشاهنشاه پیوست
شهش با دیده کرد از مردمی جفت ‌‌‌ مبارک بادِ فتح اولش[8] گفت
ویار مولتان[9] اقطاع فرمود ‌‌‌ ز دریا دست دادش تا که جود
۳۹ (۱۳۸و) بر[10] رسم خسروان یاری بیاراست ‌‌‌ سماطین زد ملوک اندر چپ و راست
بجهان بخشی سیاست[11] را ادب کرد ‌‌‌ ببخشایش اسیر انرا طلب کرد

---

[1] رک به بدایونی ۱، ۱۸۲ و آئین اکبری (در سرکار کول) ج ۱ ص ۲۸۴ [2] رک به مراد آباد گزیتیر و آئین اکبری (در سرکار قنوج) ج ۱ ص ۲۸۴ [3] ق: گدارا شد [4] د: بفضل خدا [5] کابره: جای در سرکار بهار، رک به آئین اکبری ص ۱۳۱ [6] اصل: بر بگیر (بره گیر)، ق: بر بگیر [7] اصل: بحته، قیاس بخته [8] ق: مولتانش [9] رک به برنی ص ۱۸۳ [10] ق: سیاحت،

ز هندو هرچه آمد زنده در دست   بزیر پای پیلان خرد بشکست
مسلمانان بندی گشته را باز   بجان بخشی چو عیسی گشت دمساز
ز بس جانها که بخشید آن جهان بخش   لقب کردش جهان سلطان جان بخش
چنان در بندیان شادی در آمد   که هر بندی بآزادی در آمد
ز بهر مصلحت را زان اسیران   گزیده کرد چندی از امیران
بپور کوتوال شهر بسپرد   که بهر شحنگی در شهرسان[1] برد
ندید از بندیان کس تیغ بازی   مگر از گروهٔ خود الپ غازی
بتا حق چهلتورا[2] چون سر اندلخت   قضای حق بران باطل همان تاخت[3]
نه شاه از سلطنت گشت آن زبون را   که بهر شرع داد اصحاب خون را
بکشتند اهل خونش بی سکونی   که خونی را بود پاداش خونی
بدان فتح قوی شد شه قوی پشت   زمین یکسر چو[4] تیغ آورد در مشت
چو عالم را بکام دوستان کرد   عزیمت جانب هندوستان کرد
طوافی کرد تا عالم کشاید   که تا لرزه[5] بلکهنوتی در آید
بقلع جنگ[6] اندر هر گذر گاه   بناهی[7] ره زنان برداشت از راه
کسی کامد بدست از ره زنانش   سیاست بین که فرمود از چه سانش
درختی کز زمین بود آسمان خیز   تراشیدند از سر شاخ را تیز
بهر شاخی یکی کردند والی   برین سان پایه شان دادند عالی
(۱۴۸ب) هر آن شاخی که شد باوی جفت   درختی شد که وقواقش توان گفت

---

۱ ا: شهرستان، د: شهرشان
۲ ایلیت: چهلستن   ۳ د: تاخت   ۴ د: ز
۵ ا: ازین دین (آیین)   ۶ د: جنگل   ۷ د: پناه

٤١ گیا کاندر زمین جز خونش نم نیست — ز خون مردم از وقواق کم نیست

چو شاه آن جنگل ترشینه[۱] بر کند — تزلزل در حد انبیتهی[۲] افگند

تبر بر گردن رونپال[۳] برکرد — ولی او پیش خویش از زر سپر کرد

روان شد باز چتر آسمان لون[۴] — ز بهر مال و مالش[۵] را بکهون[۶]

بسلطانی چو دارا[۷] کرد غارات — ستد زر بی مواسات از مواسات[۸]

٤٢ بمالش کرد بهر زر سگالش — که بر هر رانه واجب بود مالش

بران سان مال داوش رای و رانه — که مالامال گشت[۹] از زر خزانه

وزانجا سوی بالا کهترک راند — که پیکان بر مغل بایستش افشاند

زهی صبح سعادت را تلالا — که آن خورشید می آمد ببالا

هلال رایت بالا منازل — سریع السیر شد منزل بمنزل

٤٣ همی برّید منزل تا بیک ماه — ز نور کوکبه روشن شده راه

دو شنبه آخر ماه محرم — سواد شهر گشت از شه مکرّم

نشد در شهر و رایت نصب میداشت — که فتح دیگرش دنبال نگداشت

همان ماه صفر پیرامن شهر — بسیری[۱۰] داد کام عیش را بهر

---

۱ ق: ترشه و وحید مرزا: ترشینه و الیت: تزپال ۲ ی: انبهیتی رک به آئین اکبری ص ۲۲۰ ۳ ق و الیت: نوپال ۴ ب د: گون ۵ ق: تا ۶ ق: بکهسون ۷ ق: سلطان ۸ مواس: جای پناه و گریز؛ و هم دران نزدیکی مواسی بود دران گریزند و بعد چند روز مقدم آن مواس اورا بر سلطان جلال الدین فرستاد، برنی ص ۱۸۲، طبقات ج ۱، ص ۱۲۰، ۹ ق: شد ۱۰ سفر سیری رک به مروحة الروح، قصیده نمبره ۳ در وسط ابیات که در شرح ۶۹ نوشته شد،

شرح حال رشید الدین وطواط

از روی خریدة القصر للباخرزی

(سلسلے کے لئے دیکھو یہی رسالہ بابت ماہ مئی ۱۹۳۵ء)

[ص ۲۱۶] ومن اشعاره العربیة، فمن ذلک من قصیدة له[1] فی مدح الامام المقتفی لامر الله اولها

یمینُ امیر المومنین سحابُ　　ورأیُ امیر المومنین شِهابُ

[ومنها[2]]

به لبنی العباس عزٌّ موطّدٌ　　له فوق هاماتِ النجوم قبابُ
هو الیوم فرعٌ طیّبٌ لنصابه　　وقد طابَ فرعٌ حین طابَ نِصابُ
افاضت یداه منحةً هاشمیّةً　　فسالت[3] بها للمعتفین شِعابُ
بدولته قصرُ الخلافة عامرٌ　　ومنزل من ینوی الخلاف خرابُ
اذا نفذت آراؤه فی مُلمّةٍ　　...[4] للنائبات حجابُ
اذا[5] نفذت آراؤه فی الروع ضاربا　　فلیس له الا الرّقابُ قرابُ
له بلسان الرمح یومَ نزالهٖ　　سؤالٌ وارواح العُصاة جوابُ
بَنیَ فی ذُری[6] الافلاک بیتاً من العُلی　　له المجدُ سقفٌ والمکارم بابُ
فلا نفسه تجری علیها خطیئةٌ　　ولا رأیه یخفی علیه صوابُ

[ومنها[7]]

الا ربّ یومٍ ذی عویلٍ کانّما　　علی الجوّ من نقع الکماة ضَبابُ

---

[1] ب - ، یہ قصیدہ دیوان میں نہیں ہے [2] از ب [3] آ: قالت، ب مثل متن
[4] بیاض در آ و ب [5] آ: اذا نفذت اراه، ب: اذا نفذت آراؤه ـ ، بظاہر سابقہ بیت سے یہ جملہ کاتب نے مکرر لکھ دیا ہے۔ جس سے شعر وزن و معنی میں سقیم ہوگیا ہے
[6] در ب ندارد [7] ب: الکرام

تشكّت ظمأً فيه السيوفُ فما لها ... سوى مُهجات الدّارعين شرابُ

ص ٢١٠، [ص ٢١٧] و للارض من جاري العبيط مُلاءةٌ ... وللشمس من عالي القتام نقابُ

نصبتَ من القتلى موائدَ في الفلا ... فنالت نُسورٌ قوتها وذئابُ

وكم من دم اهرقته منهم فوقها ... على صفحات البيض منه خضابُ

كانّ دم الابطال حين تريقه ... عقيقٌ بنيران السيوف يُذابُ

ومنها

وفاقك نفعٌ والشقاق مضرّةٌ ... فمنك ثوابٌ للورى وعقابُ

فانّك فضلٌ والامامة خاتمٌ ... وانّك ليثٌ والخلافة غابُ

اذا المرء لم يكسب ثناءً بماله ... فسيّان مالٌ حازه وترابُ

وقال من قصيدة في مدح خوارزمشاه اولها

لسلمى منزلٌ نفسي فداه ... بنجد لا يفارقني هواه

تراه يملأ الآفاق طيبا ... كانّ المسك مفتوتاً ثراه

اذا احنّت الى سكنٍ نفوسٌ ... فنفسي لا تحنّ الى سواه

تغيّر في فؤادي كل حبّ ... ولاكن حبّه فيه كما هو

سقاه كلّ غيثٍ مستهلٍّ ... يروّي جانبيه اذا سقاه

وحيّاه من الانواء نوءٌ ... يضاهي صوب ادمعنا حياه

تذكّرنا ليالينا بنجدٍ ... واياما تقضّت في رباه

وعيشاً قد تملّيناه غضّا ... رطيبا عوده حلواً جناه

ليالي لم نخف صرف الليالي ... ولا هجر الحبيب ولا قلاه

---

١ آ: الفلي ٢ آ: مفتوتا، تصحيح از روے ب ٣ ب: حلو ٤ از روے ب

[ومنها]

اقول وقد اطار الشوقُ نومی   الا یا لیتَ شِعری هل اُراهُ
سیُنقِذنی من الاشجان ملکٌ   تعفّر حول سُدّته الشفاهُ
وترهبُ نار سطوته اللیالی   وتلثو تربَ عقوتِه الجباهُ
علاء الدین والدنیا ملیکٌ   تُزَرُّ علی هزبرٍ بُردتاهُ
اَبَرَّ علی ملوک الارض طُرّا   بفائضِ برِّه خوارزمشاهُ
مکان العزّ نادیه فطوبی   لمن القی بنادیه عصاه
اَلا فاطلب رضاه تعش سعیدا   و اسبابُ السعادةِ فی رضاه

وقال[1] من قصیدة فیه یهنّئه بفتح اولّها :

سَقَی اللّهُ نجدا[2] اِنّ نجدا[3] مخیّمی   وبیضة لذّاتی وروضة انعمی[4]
بها[5] عشت رغما للعداة مسلّما   وعیشی اصفی من عقیدة مسلم
لیالی وجه الحال ریّان ناضرٌ   وثغرُ الامانی واضحٌ بالتبسّم
فلا وصل سُعدَی شمله بمفرّق   ولا عهد سعدی حبله بمصرّم
رعی اللّهُ سُعدَی انّ سعدی لقاءها   مسرّة محزون و سلوة مغرم
لها مقلةٌ فی لحظها سحرُ بابلٍ   وریقٌ کصفو البابلیّة فی فمی[6]
۲) [ص۲۱۸] ووجهٌ یُضاهی ضوءَ شمسٍ منیرةٍ   وثغرٌ یُباهی دُرَّ[7] عِقدٍ منظّمِ
دمی سفکتها مَشرَفیاتُ جفنِها   جِراحاً ولاکن لم یُخضبنَ[8] من دمی[9]

[1] یہ قصیدہ دیوان میں ہے [2] بیاض در آ و ب، تصحیح ازروی دیوان [3] آ ب: مجنّی، دیوان: مختمی، [4] فقط آ: انعم [5] فقط آ: ملر ب: به [6] آ ب: فم
[7] دیوان: عقد در [8] دیوان: لم یخضبن، ب: یضبن، آ: لایخضبن [9] آ ب: دم

ومنها

مَضَى زَمَنُ الرّاحاتِ (واشتدّ) [1] حسرتي على ما مضى من عيشي المتقدّمِ
فلا وتُ سليمَ النفسِ لامن سلامةٍ كأنّي مُلقًى بين انيابِ ارقمِ
حمانى علاءُ الدولةِ الملكُ الذى بدا فاض انواءُ [2] الندى والتكرّمِ
له همّةٌ فوق السماءِ وعزمةٌ [3] تفلّ غرارَ المنشرِ فى المصمّمِ
وعرضٌ على الجا فليس غيرُ مُحلّلٍ ومالٌ على العافين [4] غيرُ مُحرّمِ

ومنها

زحفتَ [5] الى حصن البغاة بجحفلٍ لُهامٍ كاطواد الحديد [6] عرامرمِ
من الغلمة الفطس الانوف كانّما ظهورهم للحرب من ظهر آدمِ
مغاويرُ ما منهم سوى متقدّمٍ يجول الى خوض الكرائب [7] مُقدِمِ
فلم يعرفوا غيرَ [8] المهنّد صاحبا ولم يألفوا غيرَ الوشيجِ المقوّمِ
ترى طفلهم مثل الغزال مغازلا ولاكنّه يوم اللقاء كضيغمِ
اغرتَ على الاعداء ايّةَ غارةٍ بها بثّرت اوطانها [9] بالتهدّمِ
كأنّ مثارَ النقعِ والبيضُ وسطها [10] سماءٌ عليها اشرقت زهر انجمِ

ومنها

غدت بسنا لقياك خوارزم جنّةً وكانت الى لقياك مثلَ جهنّمِ

---

[1] بیاض در آ ب، تصحیح از روی دیوان [2] فقط دیوان: انواع [3] دیوان: عزمه یفل
[4] فقط آ: العافین [5] فقط دیوان: رحفت [6] فقط دیوان: الجدید
[7] فقط دیوان: الکتائب [8] فقط آ: سوی [9] دیوان و ب: اوطانهم
[10] فقط دیوان: وسطه

وُقیتَ الردّیَ یامَن بہ صرتُ شاکرا مِن الزمن الغدّار عَقّبَ التظلّم
مکارمُہ احیتْ رجاءً کانّما مکارمُہ انفاسُ عیسی بن مریم
لقد شغلتْ بیتی دنانیرُ جودہٖ فلم یبقَ منہ فارغاً قدرُ درھمِ
وقد عاد عیشی شُہدۃً بنوالہ وقد کان دھراً قبلہ مثلَ عَلقمِ

وقال[1] من قصیدۃٍ فی مدحہ اوّلھا

خلیلیّ انّ الشوق للصبرِ غالبُ وان قضاءَ الحب للحزن جالبُ
وانّ کفّ العیش کفٌّ بنانہا لضرع جسیمات الخطوب حوالبُ
وما الھم الاّ فی ضلوعی ثابت وما النوم الاّ من جفونی ذاھبُ
تری مقلتی فی کل یوم مصیبۃً وجملۃ احوال المحبّ مصائبُ
معالم انسی بعد لیلی دوارس وانجم عیشی بعد لیلی غواربُ
وجسمی فی ماء المدامع مغرق وقلبی فی نار الاضالع ذائبُ

ومنھا

اتطمع نفسی فی الخلاص من الردی وقد نُشبت للعشق فیہا المخالبُ
الاقی من الایّام[2] فی کل لمحۃ عجائبُ تقفوا اثرھنّ عجائبُ
فہا انا للآمال اصبحتُ ناشرا الی ملکٍ تُطوَی لدیہ السباسبُ
الی ملک تلقی بحضرتہ العصا الی ملک تُزجَی الیہ الرکائبُ

ومنھا

ولیس من القوم الذین . . .[3] لھم فی وجوہ السائلین الحواجبُ
(ص ۲۱۹) [ص ۲۱۹] فاعلھم من حلیۃ الفضل عاطلٌ واکرمھم فی خشیۃ البخل راغبُ
وفی روضھم عود الفتوّۃ ذابلٌ وفی حوضھم ماءُ المروّۃ ناضبُ

[1] دیوان میں نہیں ہے [2] آ : الاثام [3] بیاض در آ ب ؛

وما هو الّا من ذؤابة معشر　　ذنائبهم يوم الفخار ذوائبُ

ابوه حمى خوارزم بالبيض والقنا　　ثمانين عاماً عهدها متعاقبُ

حماها واعلامُ الحروب خوافقٌ　　رعاها واسبابُ الحتوفِ نواصبُ

أبا وارثاً للملك بل كاسباً له　　فحفظك للميراث والكسب واجبُ

فانت باعباء المكارم ناهضٌ　　وانت لابكار المناقب خاطبُ

وما سعى من يبلوا ثناءك ضائعٌ　　ولا ظنّ من يرجوا عطاءك خائبُ

فمن مبلغٌ عنّي خراسان انّني　　بارض صفت للحرّ فيها المشاربُ

توالى على الاحرار من كلّ جانب　　اذا اجتمعوا في ساحتيها المواهبُ

ففي صحنها للعاقلين معاقل　　ومن اهلها للراغبين رغائبُ

وفيها لارباب الرّشاد معايش　　وفيها لارباب الضلال معاطبُ

[ومنها]

أأشجارُ نظمي اورقت ام حدائق　　وانوارُ نثري اشرقت ام كواكبُ

فلم يُرَ فوق الارض مثلي شاعرٌ　　ولم يُرَ تحت الجوّ مثلي كاتبُ

وقال يمدحه من قصيدة اولها

سبى حبّ قلبي من ... عذار　　وطرّته ليلٌ وغرّته بدرُ

تحيّرني من طرفه لحظاته　　وهل في الورى من لا يحيّره السحرُ

فدالي ستراً دون رؤية وجهه　　ستاه ودون الشمس من نورها سترُ

---

١ آ: وماسهم، ب: ذنائبهم، تصحيح قياسی ہے، ٢ آ: يتلوا، ب مثل متن،
٣ آ: ما، ب مثل متن، ٤ آ: صحنها، ب: صحبها ٥ ب: للرّاغبين، آ مثل متن
٦ از روی ب ٧ آ: منّي، تصحيح از روی ب، ٨ ب: يمدح، آ: مثل متن ٩ بياض در آ ب،
١٠ آ: تحسرني، ب: يخيرني ١١ ب: يخيره، آ مثل متن،

تَجُنُّ لیالٍ من طوارق هجـــره — علیَّ اذا ما لاحمن وصلہ فجـــرُ
اذمّ الھوی بغضا لعـــادیۃ النّوی — فیا مرحبا بالعشق لو نُقِل الھجرُ
لقد عیل فی الاحزان صبری کلّہ — ومن حالف[1] الاحزان خالفہ الصبرُ
عشقتُ وقلبی ضاع فی العشق سرُّہٗ — وفی ایّ قلب یجمع العشق والسرُّ
اری الیوم سرّا اضمـــرتہ طویّتی — کعلیا ملیک الشرق[2] غصّ بہ الدھر[؟]

[ومنھا][3]

لئن عاد حیّاً بابن مریم عازرٌ — فحُیّیَ بک المجدُ المؤثّل والفخرُ
وان شقّ موسی صخرۃ الواد بالعصی — شققتَ قلوبًا بالقنا[4] دونھا صخرُ

[ومنھا]

فلولاک ما کانت خوارزمُ مقصدی — وھل تُرکبُ الامواجُ لو عُلِم الدرُّ
فھا انا ارجو امنک مکرمۃً بھا — تُنظّم لی امراً یُعظّم لی قدرُ

(ب ص ۲۷۶) [بؔ ص ۲۷۶] وقال[5] ایضا من قصیدۃ فیہ مطلعُھا

العامریّۃ ما لھـــا امثالُ — بالعامریۃ تُضرب الامثالُ

ومنھا[6]

سَقْیاً لایّام العقیق فبعـــدَ ھـــا — للنفس من طول الحیاۃ ملالُ
سقیا لدار فی یدی بعـــراصِھا — لَعِبَتْ باقداح الشَّمول شِمالُ
ایّامَ روضاتُ الحیاتِ نواضـــرٌ[7] — والماءُ فی انھارھنّ زُلالُ

---

[1] بؔ : خالف [2] آؔ : الشرق غصّ بہ الزھر، بؔ : الشرق غصّ بہ الدھر
[3] از روی بؔ ، [4] آؔ : قلوتا بالقق (؟) آشل مق ،
[5] نسخۂ آ اس مقام سے ناقص ہے اور یہ ورق اس میں نہیں ہے، متن صرف بؔ پر مبنی ہے ،
[6] دیوان میں یہ قصیدہ ہے [7] بؔ : نواظر [8] دیوان : البقا ،

ايامَ مِن ليلى على رَغمِ النّوى   فى كلّ يوم قربۃٌ و وصالُ
والعيش فيه نَضرةٌ وطراوةٌ   والوجه فيه بهجةٌ وجمالُ
عشنا و قد كانت لنا موصولۃً   بِحبالِ[١] ربّات الحجال حِبالُ

ومنها

جارت[٢] علىّ يدُ الزمان وليس لى   مِن جَور احداث الزمان شِمالُ
الّا علاء الدولۃ الملک الذى   أدنىٰ عُلاه الفضلُ والافضالُ
مَلِکٌ اذا جرّ الجنودَ لوقعۃٍ   وافى لنصر جنوده[ا] الاقبالُ
اعداؤه برماحه اعمارهم   قصُرت ولاكنّ الرماحَ طِوالُ
فبسيفه لِعُداته وبسَيبه لِعُفاته الآجالُ والآمالُ
يابن الذين همو بحورٌ فى الندى   لكنّهم عند اللقاء جبالُ
نيرانهم ليل القِرى مشبوبۃٌ   وبنانهم يومَ النّدى هَطّالُ
٢٧ [ب ص ٢٧٧] فيهم لبحر المكرمات تلاطم   وبهم لبدر المأثرات[٣] كمالُ
من حسن شيمتهم وفيض نوالهم   جمع الثناءُ وفرّق الاموالُ

ومنها بالتهنئۃ بالصوم

قد لاح مثل حنيّۃٍ من عسجدٍ[٤]   للصوم فى أُفُقِ السماء هلالُ
فاسعد به ثمّ ابقَ[٥] الفًا مثله   وعليك من نسج العلاء سربالُ

وقال[٦] يمدح من اخرى مطلعها

الجفنُ صَبَّ جوامدَ العبَراتِ   والحزنُ شَبَّ خوامدَ الزّفَراتِ
والقلبُ من بعد الحبيب تضرّمت   فى جانبيه شعلۃُ الحسراتِ

---

[١] ديوان: خيال [٢] ب: جرت، ديوان مثل متن [٣] ب: المأثورات،
[٤] ب: عجسد، تصحيح از روى ديوان [٥] كذا، البق؟ [٦] ديوان ميں نہيں ہے،

تنقید و تبصرہ!

تاریخ صقلیہ مرتبہ سید ریاست علی ندوی رفیق دارالمصنفین و سب اڈیٹر معارف، مطبوعہ معارف پریس جلد اوّل ۱۹۳۳ء، جلد دوم ۱۹۳۶ء

اخبار الأندلس، نفح الطیب، مولدون وغیرہ کے ترجموں نے ہندوستان میں "اندلسیات" کا جو احساس پیدا کیا۔ اس کا تقاضا یہی تھا۔ کہ کوئی صاحب قلم ترجموں کی بجائے مستقل کتاب اس موضوع پر لکھیں۔ کیونکہ مغربی مصنفین کا قلم حد درجہ بے تعصبی کے باوجود اسلامی تہذیب و تمدن کا خط و خال کھینچتے وقت بعض اوقات تصویر کی شکل بگاڑ دیتا ہے اس لئے تصویر کو اپنے اصلی رنگ میں نمایاں کرنے کے لئے ضرورت تھی۔ کہ اندلس اور افریقیہ کی اسلامی حکومتوں کی مستقل تاریخ اردو زبان میں لکھی جاتی۔

خوشی کا مقام ہے کہ ہمارے دوست سید ریاست علی صاحب ندوی نے اس اہم خدمت کو سرانجام دیا۔ تاریخ صقلیہ جو اس سے پہلے متفرق کتابوں میں بکھری پڑی تھی۔ اب دو جلدوں میں یکجا کر دی گئی ہے۔

پہلی جلد میں صقلیہ کے جغرافی حالات، اٹلی اور صقلیہ پر اسلامی حملوں کی ابتدا اور اسلامی حکومت کا قیام، اسلامی حکومت کا عروج اور اس کے مختلف ادوار، اسلامی حکومت کا خاتمہ، اور مسلمانوں کے مصائب کا مرقع پیش کیا گیا ہے۔

دوسری جلد میں سسلی کے عہد اسلامی کا تمدنی جغرافیہ، نظام حکومت، زراعت، صنعت و حرفت، تعمیر، تجارت، تہذیب و معاشرت اور علوم و فنون کی داستان ہے۔ نیز یورپ پر سسلی کے اسلامی تمدن کے اثرات دکھائے گئے ہیں۔

غرض ان دو جلدوں میں بزم و رزم کے دونوں مناظر دکھائے گئے ہیں۔
اگرچہ پہلی جلد کی اہمیت اور ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم یہ حقیقت ہے
کہ اس کتاب کی دوسری جلد اپنے مطالب و مضامین کے لحاظ سے ایسی ہے کہ
اس کا مطالعہ کرنا ہر تاریخ کے طالب علم کے لئے ضروری ہے۔ سسلی میں
اسلامی حکومت کے کارنامے اور ترقیاں نہایت تفصیل سے بتائی گئی ہیں۔
سسلی اور اندلس کے تمدن نے اہل یورپ کے دلوں میں وہ جگہ حاصل
کی کہ آج اس کا یقین نہیں آسکتا۔ فریڈرک ثانی فرمانروائے سسلی مسلم تمدن
سے بے حد متاثر تھا۔ اور اس کے دربار میں عرب علما و فضلا اور اطبا کی کثرت تھی
سائنس اور دوسرے فنون کی تحصیل و ترقی کا شوق اندلس اور سسلی ہی میں
پیدا ہوا اور وہاں سے سارے یورپ میں پھیلا۔
کتاب کی دوسری جلد میں علوم، فنون پر مفصل بحث ہے۔ علما و فضلا اور
دوسرے ماہرین کے حالات بھی نہایت توجہ اور کوشش سے جمع کر دیئے گئے ہیں۔
کتاب کے ماخذ میں مائیکل امری کا تذکرہ بھی ہے۔ جس نے اس موضوع پر
بہت کچھ لکھا ہے۔ لیکن بدقسمتی کی بات ہے کہ مولف نے اس مواد سے کما حقہٗ
فائدہ نہیں اٹھایا۔ ایک ایسے موضوع پر قلم اٹھانے سے پہلے شاید ضروری ہو جاتا
ہے۔ کہ مصنف علمی سفر کی تکلیف برداشت کرے۔ نیز اس موضوع کے متعلق جتنی
زبانوں میں لٹریچر موجود ہو۔ اُن سے ذاتی بلا واسطہ واقفیت حاصل کرے۔
لیکن ہندوستان کے علمی اداروں کی بے مایگی کے پیش نظر جو کچھ ہو رہا ہے غنیمت ہے۔
"صقلیہ کے اسلامی تمدن پر ایک نظر" اور "اس کے اثرات یورپ پر" دو ایسے
ابواب ہیں۔ جن پر فلسفۂ تمدن کی روشنی میں بہت کچھ لکھنے کی ضرورت ہے۔
لیکن افسوس ہے کہ یہ مباحث کسی حد تک تشنہ اور سرسری ہیں۔ مغربی مصنفین کے

اقوال سے استشہاد "الفضل بما شہدت بہ الاعداء" کے اصول کے مطابق بیشک ضروری ہے۔ لیکن مصنف کا استنتاج و استنباط اپنا ہونا چاہیئے۔ مسلمانوں کے زوال کے اسباب تقریباً ہر جگہ یکساں نظر آتے ہیں۔ اور تعجب کی بات ہے کہ ہر جگہ مسلمان کی شکست خود مسلمان کے ہاتھوں ہی عمل میں آتی ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب کہ زبردست یکجہتی، اور عام اسلامی اخوت کا خیال سب کے دلوں میں جاگزیں ہونا چاہیئے تھا، انفرادیت، لامرکزیت، تجزی و تفریق کی بلا مسلمانوں پر مسلط نظر آتی ہے۔ حضرت مؤلف کیلئے یہ پرالم بہت کچھ کشش اور توجہ کا موضوع بن سکتی تھی۔

اُردو کتابوں میں انڈکس کا رواج ابھی تک عام نہیں ہوا۔ جس کو شومئے قسمت سمجھنا چاہیئے۔ کارلائل نے ایک موقع پر بے انڈکس کتابوں کے متعلق لکھا تھا کہ "ایسے مصنفین اور ناشرین کو جو کتابوں کو بغیر انڈکس کے شایع کرتے ہیں کاپی رائٹ نہیں ملنا چاہیئے، بلکہ ایسی کتابوں کو ضایع کر دینا چاہیئے۔ ہم اگرچہ اس معاملے میں اس قدر سخت گیر نہیں ہیں۔ لیکن یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتے کہ انڈکس ایک ایسا ضروری جزو کتاب ہے۔ جس کے بغیر کتاب کو مکمل نہیں کہنا چاہیئے۔ ہمیں امید ہے۔ کہ یہ آواز اب بھی صدائے صحرا ثابت نہ ہوگی اور کتاب زیر تبصرہ کے مصنف اب بھی اس ضرورت کیطرف توجہ فرماتے ہوئے اس کمی کو ضرور پورا کرینگے۔

کتاب کی زبان کے متعلق دو لفظ کہنے باقی ہیں۔ یعنی یہ کہ بعض جگہ زبانی خامیاں بہت نمایاں ہیں اور فقروں میں بے ربطی ہے لیکن شاید کاتب کی کوشش اصلاح کا نتیجہ ہو۔

بعض موقعوں پر کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں لیکن صفحات رہ گئے ہیں۔

"تاریخ صقلیہ" اردو زبان میں اسلامی تاریخ کی اہم کتابوں میں سے ہے۔ سید ریاست علی صاحب ندوی کی یہ کوشش یقیناً نہایت قابل قدر ہے۔ اس کتاب نے اندلس اور افریقیہ کی تاریخ میں ایک گمشدہ باب کا اضافہ کیا ہے۔ کتابت، طباعت دیدہ زیب، کاغذ عمدہ "دار المصنفین اعظم گڈھ" سے مل سکتی ہے (س م ع)

۱۲۰

فہرست

مطبوعات پنجاب یونیورسٹی اورینٹل پبلیکیشنز فنڈ

بہرہ عربی و فارسی و اُردو

۱۔ **اقلید الخزانہ** یعنی ان کتابوں کی فہرست جو علاّمہ عبدالقادر بغدادی کی مشہور کتاب خزانۃ الادب میں مذکور ہیں مع حواشی مفیدہ و فہرست مصنفین مرتبہ مولوی عبدالعزیز میمن لکچرر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ طبع لاہور ۱۹۲۷؁ء تعداد صفحات ۱۹ + ۱۳۰، قیمت غیر مجلد عہ، مجلد عہ ۵؍

۲۔ **مجموعۂ نغز** یعنی تذکرۂ شعراء اردو (بزبان فارسی) مصنفہ میر قدرت اللّٰہ قاسم و مرتبہ حافظ محمود شیرانی اردو لکچرر پنجاب یونیورسٹی، جس نسخہ سے یہ کتاب مرتب ہوئی ہے۔ وہ غالباً مصنف کا خود نگاشتہ نسخہ ہے، دو جلد، طبع سنگی نفیس، قیمت مجلد ۱۲؍ ہے، غیر مجلد ۶؍ ہے،

۳۔ **تتمہ صوان الحکمۃ** یعنی تاریخ حکماء اسلام مصنفہ علی بن زید البیہقی (المتوفی ۵۶۵ھ؁) مرتبہ پرنسپل محمد شفیع ایم۔اے (کنٹب) اورینٹل کالج لاہور، اس موضوع پر عربی زبان میں یہ بہت قدیم اور مفید کتاب ہے۔ اس کا فارسی ترجمہ ایلخانیوں کے وزیر غیاث الدین محمد بن وزیر رشید الدین فضل اللہ کے نام پر درّۃ الاخبار کے نام سے کیا گیا اس ایڈیشن میں حصہ اوّل میں متن عربی ہے اور حصہ دوم میں درّۃ الاخبار متن عربی برلن و استنبول کے چار نسخوں پر مبنی ہے۔ اور متن فارسی ایک قدیم نسخہ سے لیا گیا ہے جو کتابخانہ پنجاب یونیورسٹی میں ہے اور منحصر بفرد ہے، یہ کتاب بہت سے حواشی اور مکمل فہارس کیساتھ کل ۳۶۹ + ۱۳۴ = ۵۰۳ صفحات پر عربی حروف میں لاہور میں طبع ہوئی۔ قیمت ہر دو حصہ (غیر مجلّد) گیارہ روپیہ۔

۴۔ **اخبار الدولۃ السلجوقیۃ**۔ مرتبہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔اے۔ پی۔ایچ۔ڈی (کنٹب) پروفیسر فارسی پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ متن برٹش میوزیم کے نسخہ وحیدہ پر مبنی ہے طبع لاہور بحروف عربی ۱۹۳۳؁ء تعداد صفحات ۸ + ۲۲۸ = ۲۳۶، مجلد چار روپیہ ۵؍ غیر مجلد تین روپے بارہ آنے۔

۵۔ **فہارس کتاب عقد الفرید** لاحمد بن محمد بن عبد ربہ الاندلسی (المتوفی ۹۴۰ھ؁) مرتبہ پرنسپل محمد شفیع ایم۔اے اورینٹل کالج لاہور۔ اس میں فہارس ذیل شامل ہیں جو عقد کے قیمتی مواد کی مراجعت کیلئے نہایت درجہ سہولت بہم پہنچاتی ہیں اور ان مواضع سے متعلق متن کی تصحیح بھی کرتی ہیں۔ (۱) اسماء الشعراء (۲) فہرست القوافی (۳) فہرست اسماء الرجال والنساء والقبائل وغیرہا (۴) فہرست اسماء الامکنۃ والجبال وغیرہ یہ فہرستیں العقد طبع قاہرہ ۱۳۲۱ھ؁ پر مبنی ہیں مگر اور ایڈیشنوں کے صفحات کی نظیر بھی دی گئی ہے۔ تاکہ ہر ایڈیشن کے ساتھ ان فہرستوں کو استعمال کیا جا سکے، تعداد صفحات ۳۰۲ + ۴۲ = ۱۰۴ طبع کلکتہ ۱۹۳۵؁ء قیمت مجلد ۲۶ روپیہ

۶۔ **امیر خسروؒ کی سوانح زندگی اور انکے مصنفات پر ایک نظر** (بزبان انگریزی) مصنفہ ڈاکٹر محمد وحید مرزا (ایم۔اے پنجاب) پی۔ایچ۔ڈی (لنڈن) پروفیسر عربی لکھنؤ یونیورسٹی قیمت چار روپے یا ۶ شلنگ

کتب بالا ملنے کا پتہ:۔ **موتی لال بنارسی داس، کتاب فروشان سید مٹھا لاہور**

اورینٹل کالج میگزین

جلد ۱۳۔ عدد ۱ | بابت ماہ نومبر ۱۹۳۶ء | عدد مسلسل ۴۷

فہرست مضامین

گیلانی الیکٹرک پریس لاہور میں باہتمام منشی نظام الدین پرنٹر طبع ہوا اور ایم این تراۓ نے اورینٹل کالج لاہور سے شائع کیا۔

اورینٹل کالج میگزین

عرض واجب

اغراض و مقاصد اس رسالہ کے اجرا سے غرض یہ ہے کہ احیاو ترویج علوم مشرقیہ کی تحریک کو تا حد امکان تقویت دیجائے اور خصوصیت کیساتھ ان طلبہ میں شوق تحقیق پیدا کیا جاے جو سنسکرت۔ عربی۔ فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں

کس قسم کے مضامین کا شائع کرنا مقصود ہے کوشش کی جائیگی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شائع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں غیر زبانوں سے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہو گا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی باقساط شائع کئے جائینگے

رسالے کے دو حصّے یہ رسالہ دو حصوں میں شایع ہوتا ہے حصّہ اول عربی فارسی اردو پنجابی (بحرف فارسی) حصّہ دوم سنسکرت ہندی اور پنجابی (بحرف گورمکھی) ہر ایک حصّہ الگ الگ بھی مل سکتا ہے

وقتِ اشاعت یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر۔ فروری۔ مئی اگست[۱] میں شایع ہوگا ✤

قیمت اشتراک سالانہ چندہ حصّہ اردو کے لئے ۱ر اورینٹل کالج کے طلبہ سے چندہ داخلہ کالج کے وقت وصول ہو گا ✤

خط و کتابت و ترسیل زر خرید رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج کے نام ہونی چاہیے مضامین کے متعلق جملہ مراسلات ایڈیٹر کے نام بھیجنا چاہیئں ✤

محل فروخت یہ رسالہ اورینٹل کالج لاہور کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے ✤

قلم تحریر حصّہ اردو کی ادارت کے فرائض پروفیسر محمد شفیع ایم۔ اے اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصّہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے پی۔ ایچ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے

۱؎ چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے اس لئے یہ نمبر مجبوراً جون یا ستمبر میں شائع ہوتا ہے ✤

تذکرۂ خاقانی

(بہ سلسلۂ اشاعت گذشتہ)

پیشتر اس کے کہ ہم سفرِ حج میں خاقانی کے ہمراہ چلیں۔ ہم اُس کے متعلق اس مسئلے کا طے کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ آیا وہ سُنّی تھا یا شیعہ‘ یہ مسئلہ اگرچہ اہلِ یورپ کے لئے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ تاہم مشرق میں وہ بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ہم اس بات کا اعلان کرنے پر مجبور ہیں کہ خاقانی کے سُنی اور نہایت پُرجوش سُنی ہونے میں ذرا بھی شبہ نہیں اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ ایران میں اس کے معتقدین کو اِس بات کے معلوم کرنے پر بڑی مایوسی ہوگی‘ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ اس کے چچا کے باپ (یعنی دادا) کا نام عثمان تھا جس کو شیعہ نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ ہمارے پاس اس کی اپنی شہادت بھی موجود ہے۔ جس سے اُس کے عقائد کے بارے میں ذرا بھی شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی‘ اپنے ایک مشہور قصیدے میں (خلیفہ المقتفی کی تعریف میں) وہ لکھتا ہے ؎

بوبکرؓ سیرتست و علیؓ علم تا ابد
من در دعا بلالش و در حکم قنبرش[1]

---

[1] کلیات صفحہ ۳۲۵ (رجم)

ایسا شعر کوئی شیعی نہیں لکھیگا خواہ وہ تقیّہ کے طور پر ہی کیوں نہ ہو،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت ہمارا شاعر اپنے وطن سے رخصت ہوا ہے اس وقت اس کی قدر و منزلت وہاں کچھ بہت بلند نہ تھی۔ اس لئے کہ ایک قطعہ میں جس کا عنوان "در ذکر سفر خویش بو قتیکہ از شروان عزیمت کردہ بود" ہے ذیل کے اشعار ہم کو ملتے ہیں ؎

کاوّل کہ مرا امیر دوران | برماند زشہر بند شروان
صحرای سفر گرفتم از پیش | بر لاشۂ عزم لاشۂ خویش
از شطّ وبال بحر شروان | جستم بہ عراق مقصد جان
این بحر سیہ بجای ماندم | زان سوی سپید رود راندم[1]

لیکن آزادی اور سفر کے پُر کیف مناظر سے اس کی طبیعت کو جلد سکون حاصل ہوا، اشعار ذیل اُس نے کوہ سَبلان سے متکیّف ہو کر لکھے ہیں۔ جس کا منظر اردبیل سے صاف نظر آتا ہے ؎

قبلۂ اقبال قلّۂ سَبلان دان | کی زشرف کعبہ واز قطب کمالست
کعبہ بود سبز پوش او ز چہ پوشد | جامۂ احرامیاں کہ کعبہ جمالست[2]
در خبری خواندہ ام فضیلت آن را | خواست مرا روز کی کہ قرب بسہ ساست[3]
رفتم تا بر سرش نثار کنم جان | کوست عروسی کہ امہات جبالست
چادر بر سر کشید تا بر دامن | یعنی بکرم من این چہ لاف محالست

---

[1] تحفۃ العراقین ص۲۴۲ (مترجم)، [2] اصل: جانست، [3] اصل: رودی، بجای "روز کی کہ"

مقعد چندیں ہزار سالہ عجوزی | بکر کجا ماند این چہ نادرہ حالست
موسیٰ و خضر آمدہ بصومعۂ او | صومعہ دارد مگر فقیر[1] مثالست
ہست ہمانا بزرگ بینی این زال | چادر ازان عیب پوش بینی زالست
گفتم چادر زرومی بازنگیری | بکر نۂ شرم داشتن چہ خصالست
گفت پس از چار مہ کہ چادر من یاؤ | خرقہ کند بہر عرس جامی وصالست
از سر بکران عیب چادر غیرت | بفگن خاقانیا کہ بر تو حلالست[2]

کوہ سَبلان کا یہ صحیح نقشہ ہم پر ثابت کرتا ہے کہ خاقانی اردبیل میں سردی کے موسم میں مقیم تھا۔ کیونکہ یہی وہ موسم ہے جبکہ یہ پہاڑ (جسکی بلندی پندرہ ہزار فٹ ہے) متواتر کوہر کی چادر میں ملفوف رہتا ہے' ہمارا خیال ہے کہ جب اس نے دوسری بار خراسان کی یاد میں نظم لکھی ہے[3] تو اس وقت وہ یہیں (آذربائجان میں) مقیم تھا۔ کیونکہ یہ شعر ؎

گر ز شروان بدر انداخت مرا دست وبال
خیروان بلکہ شرف وان بخراسان یابم

ثابت کرتا ہے کہ اس کو لکھتے وقت وہ اپنے وطن (شروان) سے نکل چکا تھا، اسی نظم میں آگے چل کر وہ اُس راستے کا جائزہ لیتا ہے جس سے سفر کر کے وہ خراسان پہنچنا چاہتا تھا کہتا ہے ؎

---

[1] اصل، فقر، [2] کلیات خاقانی کے مطبوعہ نسخے میں یہ نظم موجود نہیں ہے (مترجم)

[3] اس نظم کا مطلع یہ ہے ؎

رہ روم مقصد امکان بخراساں یابم | تشنہ ام مشرب احسان بخراساں یابم

کلیات صفحہ ۵۲۶) پہلی نظم جسکا آغاز یوں ہے: "چہ سبب سوی خراسان شدنم نگذارند" کلیات صفحہ ۱۴۴ پر ہے ۱۲ مترجم'

رخت عزلت بخراساں برم انشاء اللہ
که خلاص از پی دوران بخراساں یابم
از ره ری بخراساں نکنم رای دگر
که ره از ساحل حرزان بخراساں یابم
بسر پشه اگر برلب دریا گذرم
میل آن پشه پرّان بخراساں یابم
سوی دریا روم و بر طبرستان گذرم
کافتی بر طبرستان بخراساں یابم
چون ز آل رخ آمال بگرگان دارم
یوسف دل نه بگرگاں بخراساں یابم

ذرا اور آگے چلکر لکھتا ہے

چون زمن اہل خراسان همه عنقا بینند
من سلیمان جہاناں بخراساں یابم

یہ تعریف بظاہر سلطان سنجر سلجوقی کی معلوم ہوتی ہے اور چونکہ سنجر اپنے پایۂ تخت میں زیادہ طویل عرصہ تک کبھی مقیم نہیں رہتا تھا لہذا خاقانی نے یہ پیش بینی کرتے ہوئے کہ وہ غالبًا اس کو وہاں موجود نہیں پائے گا اس کے قائم مقام کی تعریف بھی ساتھ ہی کر دی ہے

در خراسان دلش سنجر همت کزنشست
بدل سنجر سلطاں بخراساں یابم

لیکن ہمیں یقین ہے کہ خاقانی کا یہ ارادہ پورا ہونے نہ پایا کم ازکم اس کے کلام میں کہیں اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ وہ خراسان پہنچا

تھا۔ اُس کی دینداری کا جوش اس کو بجائے مشرق کے مغرب کی طرف لے گیا۔ اس کی مثنوی تحفۃ العراقین یں ہیں اس کا مفصّل سفرنامہ ملتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قہستان کے راستے سے جہاں اُس زمانے میں راہزنوں کا خطرہ تھا۔ حرارت آفتاب کی شکایت کرتے ہوئے ہمدان پہنچا ہے۔ جو سلطان محمد بن محمود سلجوقی کی قیام گاہ تھا۔ وہ سلطان کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور یہیں اس کے منظوم سفرنامے (تحفۃ العراقین) میں اس کی اور اس کے اہل دربار کی مدح ملتی ہے، ہمدان نے خاقانی کے دل پر خوشگوار اثر پیدا کیا۔ اور وہ وہاں خاصا طویل عرصہ مقیم رہا۔ جیسا کہ وہ یہیں اس پایہ تخت عراق کی تعریف کرتے ہوئے خود بتاتا ہے منجملہ ان اشعار کے ایک یہ ہے سہ

چون در ہمدان مقر گرفتی خط ہمدان کہ برگرفتی[1]

وہ شہر ہمدان کی وسیع تجارت اور اُن بے شمار قافلوں کا ذکر کرتا ہے جو ملک کے ہر حصّے سے وہاں آتے تھے اور اس کے چھتے ہوئے کشادہ بازاروں کی بہت تعریف کرتا ہے۔ ہمدان کے دوران قیام ہی میں امام مجدالدین خلیل سے اور اُس کے دو بیٹوں فخرالدین اور عمادالدین سے اس کی شناسائی ہوئی[2]۔ وہ ملک القضاۃ کافی الدین احمد اور مجدالدین ابو القاسم بن جعفر قزوینی اور امام الدین رازی کا بھی مداحانہ ذکر کرتا ہے جن سے وہ ہمدان میں ملا، ہم ان غیر معروف اشخاص کے نام اس لئے لیتے ہیں کہ اگر کسی جگہ وہ مذکور

---

[1] تحفہ صفحہ ، [2] ایضاً صفحہ ۸۱-۸۳

پائے جائیں تو کم از کم ان کے متعلق اتنا معلوم ہو سکے کہ وہ کس عہد میں تھے،

خاقانی غالباً موسم بہار میں ہمدان سے روانہ ہوا اسلئے کہ ایک جگہ جہاں اُس نے بہ عنوان "باز آمدن بسر حدیث بآفتاب وستائش بغداد" چند شعر کہے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک شعر یہ ہے ؎

از سفر چہ حاصل است باری جز چہرہ کشادن بہاری[1]

دار الخلافۂ بغداد نے بھی ہمارے شاعر کے دل پر نہایت گہرا اثر کیا۔ چنانچہ اس شہر پر مدحیہ اشعار کی ابتدا وہ اس طرح کرتا ہے ؎

شہری بینی چو فکر دانا در وی ہمہ کائنات پیدا

اور وصف بغداد پر اس نے اپنے سفرنامے (تحفہ) کی کئی فصلیں وقف کی ہیں جن میں اس نے نواح کرخ، قصر خلفاء، دریای دجلہ اور اس کی لہروں پر چلتی ہوئی کشتیوں کا نقشہ کھینچا ہے۔ علاوہ اس کے اپنے اشعار میں اس نے خاندان عبّاسی اور خلیفۂ وقت المقتفی حتیٰ کہ بغداد کے صوفیاء اور علماء کی بھی مدح کی ہے، منجملہ ان لوگوں کے خلیفہ کا بیٹا شہاب الدین ابو نصر یوسف اور اس کا بھائی فخر الدین

---

[1] دیکھو تحفۃ العراقین (طبع نولکشور) صفحہ ۹۵ فاضل مصنّف نے بظاہر اس شعر کا صحیح مطلب نہیں سمجھا اسی لئے غلط نتیجہ نکالا ہے، خاقانی کے سفر سے اس شعر کو کوئی تعلق نہیں اصل متن میں لفظ "صفر" ہے جس کو مصنّف نے بدل کر "سفر" کر لیا ہے، صفر سے مراد برج حمل ہے۔ سیاق عبارت کو دیکھنے سے شعر کے معنی صاف سمجھ میں آجاتے ہیں ۱۲ مترجم

ہیں[1] اِن کے علاوہ امام ابوالحسن بن الخل، امام فخرالدین احمد، امام الائمتہ ضیاء الدین اور ابوالفضل محمد سعد اشعری ہیں۔

حضرت علیؓ کے روضۂ اقدس کی زیارت کر کے خاقانی نے مکّہ کا راستہ لیا۔ اور صحرا کا سفر شروع کیا، لیکن اسکی طبیعت پر اس بحرِ خشک کی پُر رعب کیفیت کا اثر اس کے اشعار میں ویسی بلیغ شکل میں رونما نہیں ہُوا۔ جیسا کہ اُن اشعار میں جو اس نے شام سے روانہ ہوتے وقت صحرا کو مخاطب کر کے لکھے ہیں۔ اور جن کو اس نے جمال الدین موصلی کے نام پر معنون کیا ہے[1]۔ یہ نظم جس میں حسن کلام بدرجۂ غایت پایا جاتا ہے۔ کسی قدر طویل ہے، جس کی وجہ سے اس کی روانی میں کسی قدر ناہمواری آگئی ہے، بعض جگہ شاعر کی طبیعت میں آمد بالکل رک گئی ہے، اور اس کمی کو وہ غیر مفید طور پر صنائع بدائع کی بھرتی سے پورا کر رہا ہے، بااین ہمہ اس کا مطلع قابل ملاحظہ ہے[۵]

سرحد بادیہ است رواں باش برسرش　　تریاکِ روح کن زسموم معطرش[۲]

---

[1] مصنف کا یہ بیان صحیح نہیں، معلوم نہیں انہوں نے یہ کیونکر نتیجہ نکالا کہ شہاب الدین اور فخرالدین خلیفہ کے بیٹے ہیں، شہاب الدین ابو نصر یوسف کے ساتھ عنوان میں صاف طور سے "الدمشقی" کی نسبت لکھی ہوئی موجود ہے۔ (دیکھو تحفہ ص ۹۹) یہ دونوں بھائی علماء بغداد میں سے تھے، ۱۲ مترجم،

[1] دیکھو کلیات ص ۳۱۸،

[۲] ایضاً ص ۳۱۹

برکہ، بطحا اور جبل عرفات کے راستے سے خاقانی مکہ پہنچا[1]، اثناءِ سفر میں اس نے چند قطعات غازیان اسلام کی شان میں تصنیف کئے، اور جبل الرحمۃ اور مزدلفہ کی توصیف کی جو کہ اہل اسلام کے نزدیک بیحد قابل احترام ہیں۔ منزل مقصود پر پہنچکر شاعر کا دل عقیدت کے جذبات سے لبریز نظر آتا ہے۔ اور وہ ہر اس چیز کی جسکو وہ دیکھتا ہے مدح سرائی کرتا ہے، حجر اسود، چاہ زمزم، کوہ صفا و مروہ اور بالآخر حرم کعبہ کی مدح و ثنا میں اسنے بہت کچھ لکھا ہے۔ اس کے عربی اور فارسی قصیدے جو اس نے کعبہ کی شان میں لکھے ہیں اسی موقع پر تصنیف ہوئے،

ان تمام نظموں کا تجزیہ کرنا ذرا مشکل کام ہے۔ اور اگرچہ ان میں ادبی خوبیاں بکثرت ہیں تاہم ان کو ترجمہ کرنے کی محنت وصول نہیں ہوسکتی کیونکہ ان میں سوائے عقیدتمند مسلمانوں کے کسی اور کو کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی۔ بظاہر شاعر کی آرزو یہ تھی کہ وہ سبعہ معلقہ کے مشابہ ایک چیز پیدا کرے اور ہم نے خاقانی کی کسی شرح میں یہ لکھا ہوا دیکھا بھی ہے کہ اس کی ان نظموں کو معلقات کی مانند کعبے میں لٹکائے جانے کی عزت نصیب ہوئی تھی، مدینہ منورہ پہنچکر اس نے اپنے اشعار میں وہاں کے نخلستانوں کی اور روضۂ مطہرۂ حضرت رسول ؐ کی توصیف کی اور چار قصیدے آنحضرت کی شان میں لکھے، اس کا یہ بیان ہے کہ ان قصیدوں کو اُسے حضور نبویؐ میں پڑھکر سنانے کی سعادت نصیب ہوئی،

---

[1] فاضل مصنف نے بظاہر ایسا سمجھا ہے کہ برکہ، بطحا اور جبل عرفات مکہ معظمہ کے راستے میں مقامات ہیں، ان کی غلط فہمی ظاہر ہے، دیکھو تحفہ صفحہ ۱۰۶ و ۱۰۷، ۱۲ مترجم،

حجاز سے خاقانی شام کے ایک قافلے کے ہمراہ روانہ ہُوا اور دمشق سے ہوتا ہُوا موصل پہنچا، والیٔ موصل صدر الوزراء جمال الدین نے بڑی توقیر کے ساتھ اسکا خیر مقدم کیا اور بیش قیمت عطیوں سے اسکو مالا مال کیا، منجملہ ان عطیات کے ایک طلسمی انگوٹھی بھی اسکو دی جس کے متعلق اس کا دعوی تھا کہ وہ اس کے لئے خوش بختی کا باعث ہو گی، لیکن اس کے برعکس شروان پہنچکر وہ اس کی بدنصیبی کا سامان بنی کہ اس کی وجہ سے شاہ اخستان کا عتاب اسپر نازل ہُوا۔ خاقانی کو اس فیاض شخص کی مدح سرائی سے کبھی سیری نہ ہوئی چنانچہ اس نے بے شمار قطعات اس کو خطاب کر کے لکھے ہیں۔ اور (جیسا کہ ہم اوپر کہہ آئے ہیں) توصیف صحرا میں اپنا قصیدہ اسکے نام پر معنون کیا ہے،

موصل سے خاقانی اصفہان آیا۔ اس مشہور شہر کے بہت سے شعراء و فضلاء نے ہمارے ممتاز شاعرِ شروانی کا بڑے احترام سے خیر مقدم کیا، اگرچہ عوام اصفہان نے اس کے ساتھ معاندانہ سلوک کرنے پر اپنے آپ کو حق بجانب سمجھا، ان کو یہ گمان ہُوا کہ اس کے شاگرد مجیر الدین بیلقانی نے یہ رباعی اس کے اشارے سے لکھی ہے ؎

گفتم زعراق قوت جان خیزد　　لعلیست مروّت کہ ازان کان خیزد
کی دانستم اہل صفاہان کورند　　با این ہمہ سرمہ کز صفاہان خیزد

اصفہان کے مشہور شاعر جمال الدین عبدالرزاق کو جب اس رباعی کا علم ہُوا تو اس نے ایک قطعے میں اس کا جواب لکھا جو سخت کلامی میں اس سے بہت بڑھا ہُوا اور بیحد فحش ہے ؎

ہجو میگوئی ای مجیرک ہان　　تا ترا زین ہجا بجان چہ رسد

... در ... گنجہ و تفلیس تا بشروان و بیلقان چہ رسد
تیز بر ریش میر خاقانی تا بتو خام قلتبان چہ رسد

خاقانی نے اپنی براءت ثابت کرنے پر فوراً اقدام کیا اور ایک طویل قصیدہ اصفہان کی مدح میں لکھا[1] جس میں اپنے شاگرد مجیر کے نام کی تحریف کرکے اسکو "رجیم" کہہ دیا ؎

دیو رجیم آنکہ بود دزد بیانم کردم طغیان زد از ہجای صفہاہان
او بقیامت سپید روی نخیزد زآنکہ سیہ لبست برقفای صفاہاں

ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ خاقانی اصفہان میں (جہاں وہ غالباً ۵۵۱ھ میں پہنچا ہے[2]) کتنا عرصہ مقیم رہا، بغداد، مکہ، موصل اور اصفہان میں اسکی جو آؤ بھگت اور تعظیم ہوئی وہ ایسی تھی کہ اس سے ایسے شخص کا سر بھی پھر جاتا جو ہمارے شاعر کی سی سریع التاثر طبیعت نہ رکھتا ہو لہذا ہمیں اس بات پر کوئی تعجب نہیں چاہئے کہ وہ شروانشاہ کے دربار میں اپنی واپسی پر بہت زیادہ مغرور اور حسّاس ہوگیا تھا۔ بہ نسبت اُس وقت کے جبکہ وہ وہاں سے روانہ ہوا، جس پیمانے پر وہ خود اپنی نظر میں اپنے آپ کو بلند سمجھتا تھا اس کا اندازہ اس نے خود اپنے اشعار میں دیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ اشعار (جو ہم کو تحفۃ العراقین میں ملتے ہیں اور جنکو ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں) ضرور راستے اس سفر سے واپسی پر لکھے ہونگے وہ یہ ہیں ؎

در روی زمین نظیر من نیست کس را بجہان چنین سخن نیست

---

[1] دیکھو کلیات صفحہ ۵۱۲ (مترجم) [2] اسلئے کہ اصفہان کے قصیدے میں وہ کہتا ہے کہ میں ۵۵۱ھ میں موصل پہنچا اور یہ یقینی امر ہے کہ موصل میں وہ خاصا عرصہ مقیم رہا۔

زین پس ہمہ از سخن سخن پرس — اسرار سخنوری زمن پرس
یک ذرہ بدم زمایۂ عقل — خورشید شدم لبمایۂ عقل
خورشید سخن منم جہاندار — وین شاعر کان ہمہ قمروار
ازمن سہ مرتبہ فرودند — سرمایۂ خود زمن فزودند
مہ بی خور اگرچہ نور باشد — در حضرت خور نہ عور باشد
بی من ہمہ گر قمر نمایند — ہیچ اند ہمہ چو نزدم آیند

خاقانی نے اپنی اہمیت اور زیادہ کرنے کی خاطر یہ بھی یقین دلایا ہے کہ دوران سفر میں اس کو حضرت خضرؑ کی زیارت ہوئی اور اس نے انہیں اپنا کلام سنایا جس کی انہوں نے بہت تعریف کی، شروانشاہ کو اس بات کی خبر لگ گئی۔ کہ خاقانی کے پاس طلسمی انگوٹھی ہے چنانچہ اس نے اسکو طلب کیا۔ لیکن خاقانی نے اسکو دینے سے انکار کیا، بادشاہ کی اس خواہش کی مخالفت اور ساتھ ہی غالباً اس کے بدخواہوں کا یہ چرچا کرنا کہ خاقانی کسی اور بادشاہ کے دربار میں چلے جانے کی خواہش رکھتا ہے، شروانشاہ کے عتاب کا موجب ہُوا اور وہ قلعۂ شابران کے قید خانے میں بے رحمی کے ساتھ بند کر دیا گیا خاقانی ہمیں خود بتلاتا ہے کہ کس بہلنے سے اسکو محبوس کیا گیا، اپنے مشہور قصیدۂ حبسیہ میں وہ کہتا ہے ؎

ور خورم می ہم مرا شاید کہ از دہکان خلد
می رسد از دست امروز اجرۂ فردای من

فان ہامر دولت شاہ سمرقندی کی سند پر اس بات کا معتقد ہے کہ خاقانی مکّہ جانے سے پہلے قید کیا گیا تھا۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ نظریہ

بالکل بے بنیاد ہے، شاعر کے کلام میں کہیں کوئی ایسا بیان موجود نہیں ہے جو اس دعوے کی تائید کرتا ہو، برعکس اس کے اُن اشعار میں جو اس نے بظاہر سفر حج کے دوران میں لکھے وہ اگرچہ اپنی بدنصیبی کی شکایت کرتا ہے۔ اور حاسدوں اور سازشیوں پر جو اس کے درپے آزار تھے لعنت بھیجتا ہے۔ لیکن کسی جگہ اپنے قید ہونے کا ذکر نہیں کرتا جہاں وہ اپنے مربّی امیر موصل کو اپنی گذشتہ زندگی کا حال سناتا ہے تو صرف اتنا کہتا ہے ؎

در بند نجوم جاہ ماندہ بذا ربّی خطاب راندہ[1]

اسی طرح اُن اشعار میں جنکو اس نے سفر پر روانہ ہوتے وقت لکھا تھا۔ "شہر بند شروان" کے الفاظ سے بعض لوگوں نے غلط طور پر "شروان کا قید خانہ" مراد لی ہے[2] حالانکہ ہمارا شاعر شروان میں نہیں بلکہ شابران میں قید کیا گیا تھا۔ "شہر بند شروان" سے فقط شروان کی فصیل مراد ہے اگرچہ بے شک خاقانی نے اس مقام پر فعل "رہانیدن" کا استعمال کیا ہے۔ جس کے معنے قید سے آزاد کرنے کے ہیں، اسکے قصیدۂ حبسیہ میں ایک شعر البتّہ ایسا ہے جو اس عقیدے کی تائید کرسکتا ہے کہ شاعر کے قید ہونے کا افسوسناک واقعہ اس کے عہد شباب کا واقعہ ہے۔ اُس شعر میں اپنے زمانے کے بڑے آدمیوں کو جو اسکے درپے آزار تھے مخاطب کرکے کہتا ہے ؎

اے عفا اللہ خواجگانی کز سر صفرای جاہ
خواندہ اند امروز ابادا اللہ بر خضرای من

---

[1] تحفہ صفحہ ۳۵، [2] دیکھو اوپر صفحہ ۱۲ س ۵

خضراء کے اصلی معنی "سرسبزی" کے ہیں اور "تازگی" اور "جوانی" کے معنوں میں بھی آسکتا ہے، لیکن ہمارا خیال ہے کہ یہاں خضراء سے شاعر اپنے جسم کی نہیں بلکہ طبیعت کی تازگی اور جوانی سے مراد لے رہا ہے، ہمارا یہ خیال اور بھی قوی ہو جاتا ہے اسبات کو دیکھتے ہوئے کہ خاقانی جیسے غیر معمولی شخص کے لئے تقریباً یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنا ذکر اسطرح پر مداحانہ کرے (جیسا کہ اس نے اس قصیدے میں کیا ہے) جب تک کہ اسکو اسبات کا یقین نہ ہولے کہ وہ اپنی قابلیت کا کافی ثبوت دے چکا ہے اور دنیا اسکے جوہر کو تسلیم کر چکی ہے' (چونکہ عہد شباب میں یہ بات نصیب ہونی مشکل ہے لہذا وہ قصیدہ اسکی جوانی کے زمانے کا لکھا ہوا نہیں ہو سکتا]

اسی قصیدہ میں ایک شعر ہے جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ خاقانی جب قید ہوا تو کچھ ایسا جواں عمر نہ تھا، چند شعروں میں اپنی گذشتہ زندگی کے واقعات بیان کرنے کے بعد وہ کہتا ہے ؎

بختی مستم نخوردہ پختہ و خام شما
کز شما خامان نہ اکنون است استغنای من

اس پرسوز نظم میں ہمیں بعض عجیب تفاصیل اس بارے میں ملتی ہیں کہ شروان کے قید خانوں میں سیاسی قیدیوں کے ساتھ کس قسم کا سلوک کیا جاتا تھا، ان کو کامل طور سے پوشیدہ رکھا جاتا تھا۔ اور نہ صرف ان کے ہاتھوں اور پاؤں میں زنجیر ڈالے جاتے تھے۔ بلکہ ان کی ٹانگیں لکڑی کے دو بھاری ٹکڑوں میں جکڑ دی جاتی تھیں جنکو "کندہ" کہتے تھے' علاوہ اس کے خفیہ جاسوس ہر وقت ان کے

آس پاس لگے رہتے تھے جن کا کام یہ تھا کہ شور و واویلا کی صدا زیا غم و غصہ کے الفاظ جو ان کے منہ سے نکلیں وہ بادشاہ کو پہنچاتے رہیں جیل خانوں کی یہ کیفیت وسط ایشیا میں ایران میں اور ٹرکی کے بہت بڑے حصے میں آج تک جاری ہے،

ہمیں معلوم نہیں کہ خاقانی کب اور کیونکر قید سے رہا ہوا۔ اس وقت سے لیکر تبریز میں اس کی سکونت پذیری کے وقت تک اسکی زندگی کے حالات عام طور پر غیر معلوم ہیں۔ بنا بریں ہمیں اسباب کا پتہ نہیں چل سکا کہ آیا اس کے بیٹے رشید کا انتقال (جسکا ماتم اس نے دو طویل مرثیوں میں کیا ہے) اس زمانے سے پہلے کا واقعہ ہے یا بعد کا۔ ان مرثیوں میں ہمیں کوئی نمایاں بات نہیں ملتی سوائے اس کے کہ شاعر نے اپنے بیٹے کی لیاقت کو بڑھا چڑھا کر دکھایا ہے، مثلاً پہلے مرثیہ میں لکھتا ہے ؎

گوہر دانش و گنجور ہنر بود رشید

قبلۂ مادر و دستور پدر بود رشید

دوسرے مرثیے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے فرزند مرحوم کے اور بھائی بھی تھے اور یہ کہ اسکا انتقال اپنی عمر کے نویں سال میں ہوا چنانچہ اسی مرثیہ میں ایک مقام پر کہتا ہے ؎

یوسفی از برادران گم شد   آفتاب از میان انجم شد[1]

آگے چلکر لکھتا ہے ؎

---

[1] کلیات صفحہ ۵۶۴

دورِ نُہ چرخ نازمودہ نبود
سال عمرش دو وہ نبودہ ہنوز[1]

اپنے وطن میں خاقانی نے جو آخری چند سال بسر کئے ان کے متعلق ہمیں صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ شاہ اخستان کی افسوسناک موت کے وقت تک وہاں موجود تھا۔ چنانچہ اس کا اس نے ایک طویل لیکن نہایت سرد مرثیہ لکھا ہے[2] غالباً اس کے جانشین کے عہد میں جبکہ وہ خاصا معمّر ہو چکا تھا۔ خاقانی تبریز چلا گیا تاکہ وہاں اپنی عمر کے بقیہ ایام اپنے مربیّوں اور بدگویوں سے دور رہ کر بسر کرے، یہاں پہنچکر اس کی خانگی زندگی میں ایک المناک واقعہ پیش آیا یعنی اس کی بیوی کا انتقال ہُوا جس سے متاثر ہو کر شاعر نے تین نظمیں لکھیں، ان میں سے پہلی بظاہر اس کی بیماری کے دوران میں تصنیف ہوئی جس کی مدت ۲۶ دن تھی، یہ نظم شاعر کے سچّے جذبات کا اظہار ہے اور اس لحاظ سے قابل ملاحظہ ہے، خاقانی کے سارے کلام میں شاید یہی ایک نظم ہے جس میں وہ ہمیں اس طرح پر نظر آ رہا ہے جیسا کہ ہم چاہتے ہیں۔ کہ اسکو تصوّر کریں یعنی بطور ایک بھلے اور معقول آدمی کے، اس کے رنج و الم نے اسکے سارے علم و فضل کو بھلا دیا ہے اور اس کی نظم میں وہ علمی اصطلاحات نظر نہیں آتیں جنکو سمجھنا مشکل ہو اور نہ نحوی پیچیدگیاں ہیں بلکہ اپنی پُر تاثیر سادگی سے پڑھنے والے کے دل پر براہِ راست اثر کرتی ہے اور ایک خانگی مصیبت کے ساتھ جسکو واقع ہوئے

---

[1] یعنی اس کی عمر ابھی بیس سال کی نہیں ہوئی تھی، معلوم نہیں مصنّف نے نو سال کی عمر کا نتیجہ کیونکر نکالا ۱۲ مترجم؛ [2] کلیات صـ ۵۲۴؛

سات سو سال گذر گئے، اس کے دل میں ہمدردی پیدا کرتی ہے۔ اسکا مطلع یہ ہے ؎

بی باغ رخت جہاں بیننام بی داغ غمت رواں بیننام[1]

دوسری نظم میں شاعر ہم کو بار الم سے دبا ہؤا نظر آتا ہے اور اپنی از دست رفتہ خوش بختی کو یاد کرکے آنسو بہاتا ہے ؎

بس وفا پرور دنیا یاری داشتم بس براحت روزگاری داشتم[2]

الخ، تیسری اور آخری نظم ہمارے نزدیک ان تینوں میں سب سے زیادہ سُست ہے، اس میں سے ہم دو تین شعر صرف اُس بیان کی تائید کی خاطر نقل کرتے ہیں جو ہم نے اس کی بیوی کی مدتِ مرض کے متعلق اوپر دیا ہے ؎

آن تازہ گُل مارا ہنگام وداع آمد
زاں پیش کہ بگذارد گلزار نگہ دارش
شب بیست وششم رفتست آں چاردہ ماہ ما
شبہای وداع است این زنہار نگہ دارش

اسکا مقطع یہ ہے ؎

---

[1] مصنف نے اپنے مضمون میں پوری نظم دی ہے جس میں ۲۱ شعر ہیں، لیکن چونکہ وہ مطبوعہ کلیات میں موجود ہے (صـ۶۳۸) لہذا ہم کو یہاں نقل کرنے کی ضرورت نہیں ۱۲ مترجم۔

[2] کلیات صـ۶۳۹ پوری نظم میں ۱۶ شعر ہیں جو مصنف نے اپنے مضمون میں دہرلے ہیں ۱۲ مترجم۔

شروانت کہ مار آمد بی گنج رہا کردی
تبریز کہ گنج آمد بی مار نگہ دارش

آخری شعر میں لفظ گنج اور گنج اور بی مار (بیمار) میں شاعر نے رعایات لفظی کا التزام کیا ہے [۱]

دولت شاہ کے بیان کے مطابق خاقانی نے ۵۸۲ھ میں تبریز میں وفات پائی، حاجی خلیفہ نے بھی یہی تاریخ دی ہے موسیو ڈورن نے سینٹ پیٹرز برگ کے کتب خانۂ ہمایونی کی فہرست مخطوطات (ص ۳۲۹) میں اس کی تاریخ وفات ۵۸۶ھ دی ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ یہ تاریخ انہوں نے کہاں سے معلوم کی' زین العابدین شیروانی نے اپنے سفرنامہ ریاض السیاحۃ میں بتایا ہے کہ خاقانی نے ۵۹۰ھ میں انتقال کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ نفحات الانس میں اس کے مرنے کی تاریخ ۵۹۵ھ دی ہے، میں نے کسی دوسری جگہ اس بات کو ثابت کیا ہے کہ یہ آخری تاریخ زیادہ محتمل ہے اس لئے کہ اخستان شروانشاہ ۵۹۳ھ میں ابھی زندہ تھا اور چونکہ (جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں) خاقانی نے اسکا مرثیہ لکھا ہے لہذا اس کی اپنی وفات اس تاریخ سے

---

[۱] دیکھو کلیات ص ۷۲۴، یہ نظم کل گیارہ شعر کی ہے لیکن اس کو پڑھنے سے کہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ خاقانی نے اپنی بیوی کا مرثیہ لکھا ہے فاضل مصنف نے غالباً محض قیاس سے کام لیا ہے کلیات میں اس نظم کا عنوان یوں دیا ہے: "در پی نگہبانی دل بودن شجرۂ امید را با برگ و بار نگہداشتن و در نگہداری ایں کار نیا سودن"

پہلے نہیں ہو سکتی [1]

خاقانی سرخاب میں دفن ہُوا جو شہر تبریز کے مشرقی نواح کا نام تھا، دولتشاہ نے لکھا ہے کہ اسکی قبر دو مشہور شاعر ظہیر فاریابی اور شاپور محمد اشہری کی قبروں کے درمیان بنائی گئی، لیکن اب اس کا کوئی نشان باقی نہیں ہے، تبریز کے دو نہایت معمّر آدمی جنہیں میں ۱۸۵۵ء میں ملا اور جنکو وہ ہولناک زلزلہ ابھی یاد تھا۔ جس نے اٹھارویں صدی کے آخری تیس سالوں میں تبریز کو برباد اور سرخاب کی زمین تہ و بالا کر دیا تھا۔ مجھے بتلاتے کہ انہوں نے زلزلے سے پہلے اپنی نوجوانی میں خاقانی کے مزار کو دیکھا تھا ۱۸۵۶ء میں مَیں نے تبریز کے مشرقی نواح کے متروک قبرستان میں بعض علامات کی بنا پر کئی جگہ کھدائی کروائی تھی لیکن قبروں کے بیشمار پتھروں میں سے جو وہاں سے برآمد ہوئے کسی پر خاقانی کا کوئی نام و نشان نہیں ملا اگرچہ ان میں سے دو ایسے تھے کہ ان پر خط کوفی میں نہایت اچھے ہوئے حروف میں کتبے لکھے ہوئے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ چھٹی صدی ہجری کے ہیں،

خاقانی کی طویل زندگی میں اس کے تعلقات دنیائے اسلام کے ممتاز ترین اشخاص کے ساتھ رہے جن میں سے بعض کے نام ہم اوپر لے چکے ہیں اور ان کی فہرست کو مکمّل کرنے کے لئے اب ہم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اسکے کلیّات میں بعض خطوط (قصائد) محمد شاہ اور غیاث الدین محمد سلجوقی (جو ملکشاہ کے بیٹے تھے) اور جلال الدین خوارزمشاہ

---

[1] دیکھو رسالہ اکادمی پطرزبورغ ج ۱۲ ۲۳-۲۴ بابت سال ۱۸۵۷ء

اور فریبرز شروانشاہ اور اس کی بیوی ایلچی چاق کے نام موجود ہیں[1] وزراء میں سے جن کی شان میں اس نے نظمیں لکھی ہیں وہ رضی الدین ابونصر، رکن الدین محمد، زین الدین اور مختار الدین ہیں، لیکن شعراء میں سے اس کے مراسم سوائے وطواط اور افضل ساوجی کے اور کسی کے ساتھ نہ تھے،

ہمیں یہ معلوم نہیں کہ آیا خاقانی نے اپنے مجموعۂ کلام کو خود جمع کیا یا کرنے کا ارادہ کیا تھا یا نہیں، لیکن ہمیں شک ہے کہ اسنے اپنے کلیات کو خود مرتب کیا ہو۔ کیونکہ اس کے بہت سے نسخے ہیں جن میں نظموں کی ترتیب ایک دوسرے سے بہت مختلف ہے، صرف تحفۃ العراقین ایسی نظم ہے جسکے نسخوں میں اختلافات نہیں ہیں اور ہمارے نزدیک خاقانی کی تصانیف میں یہی ایک چیز ہے، جو اسکی اپنی زندگی میں مرتب ہوئی اور کلیات کے کاتبوں نے اس مثنوی کے ساتھ اپنے اختیار سے اگر کچھ کیا ہے تو صرف اتنا کہ کبھی

---

[1] مطبوعہ نسخہ کلیات میں سلجوق بادشاہوں میں سے صرف ایک کی تعریف میں قصیدہ ملتا ہے اور وہ غیاث الدین [مسعود] بن محمد بن ملکشاہ ہے (۶۶ سنہ) جسکا عہدِ سلطنت ۵۲۷ھ سے ۵۴۷ھ تک ہے، ملکشاہ کے بیٹوں میں سلطان غیاث الدین محمد کا زمانہ ۴۹۸ھ سے ۵۱۱ھ تک ہے لیکن وہ خاقانی کا معاصر نہیں ہو سکتا، خوارزمشاہیوں میں سے صرف اتسز کی شان میں قصیدہ ہے۔ جلال الدین کا لقب خوارزمشاہیوں میں سے سلطان منکوبرنی کا ہے، جسکا عہد ۶۱۷ھ سے شروع ہوتا ہے۔ فریبرز اخستان کا بیٹا ہے ۱۲ مترجم

اسکو کلیات کے شروع میں لکھ دیا ہے اور کبھی آخر میں، لیکن باقی نظموں کے ساتھ تو انھوں نے جیسا چاہا سلوک کیا، نہ صرف انھوں نے اشعار کی ترتیب ہی کو بدلا ہے بلکہ شاعر کے الفاظ کو بھی جا بجا تغیر کر ڈالا ہے، بعض نسخوں میں ترتیب بلحاظ مضامین ہے اور بعض میں بلحاظ ردیف و قافیہ (بہ ترتیب ابجدی) بعض میں نظموں کے عنوان لکھے گئے ہیں۔ بعض میں عنوان کی جگہ سادی چھوڑ دی گئی ہے۔ اس بے تنظیمی سے چھٹکارا پانے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ اسکے کلیات کا سب سے قدیم نسخہ تلاش کرکے اسکے متن کی تصحیح کی جائے اور اسکو شائع کر دیا جائے، جہاں تک مجھے علم ہے اب تک یورپ یا ایشیا میں کلیات خاقانی کو طبع کرانے کا خیال نہیں کیا گیا اگرچہ وہ چھاپ سنگی ہی کیوں نہ ہو[1] ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے رسالے میں وقتاً فوقتاً خاقانی کی بعض نظمیں شائع ہوئی ہیں۔ مثلاً دیکھو رسالہ مذکور بابت ماہ جنوری و فروری ۱۸۴۵ء، لیکن یہ نظمیں بدون قراءاتِ متبادلہ اور بغیر ترجمے کے دی گئی ہیں ۱۸۵۵ء میں آگرہ کالج کے فاضل مدرّس فارسی منشی ابوالحسن نے تحفۃ العراقین کے متن کی تصحیح کرکے اسکو طبع کرایا[2] فاضل ایڈیٹر نے اپنے منظوم مقدمے کے صفحۂ اوّل میں کہا ہے کہ میں نے متعدد نسخوں سے مقابلہ کرکے اسکی تصحیح و تشریح کی ہے، لیکن افسوس ہے کہ انھوں نے

---

[1] لیکن اب معلوم ہے کہ کلیات خاقانی مطبع نولکشور میں طبع ہو چکا ہے اگرچہ اسکا متن اغلاط سے پُر ہے ۱۲ مترجم [2] بمقام آگرہ (مطبع مدرسۂ آگرہ) ۱۸۵۵ء، تعداد صفحات ۲۲۲

اسمات کو زیادہ واضح نہیں کیا کہ ان نسخوں کی تعداد کتنی تھی اور کون نسخہ کس تاریخ کا لکھا ہُوا تھا، اس اڈیشن کا متن بالکل مکمل ہے، اور اشعار کی ترتیب وہی ہے جو میں نے تحفہ کے بہترین قلمی نسخوں میں دیکھی سوائے اسکے کہ ابو العلاء کی ہجو کو اڈیٹر نے متن میں سے حذف کر دیا ہے چونکہ یہ ایڈیشن نصاب تعلیم کے لئے شائع گئی تھی لہذا اس ہجو کا حذف کرنا معقول بات ہے، متن کی شرح صفحوں کے حاشیوں پر دی گئی ہے اور فی الجملہ مفید اور حکمت آموز ہے، صرف اتنا عیب ہے کہ بعض جگہ وہ ضرورت سے زیادہ مختصر ہوگئی ہے جناب منشی ابو الحسن صاحب ادبیات فارسی اور اس کے شائقین کی بہت بڑی خدمت انجام دیتے اگر وہ اسی طرح خاقانی کا باقی کلام بھی شائع کر دیتے،

فان ہامر نے خاقانی کو یونانی شاعر پنڈار[1] کے ساتھ مشابہ قرار دیا ہے، اس تشبیہ میں صداقت کا شائبہ ضرور ہے تاہم اسکو حرف بحرف صحیح نہیں سمجھنا چاہیئے، دونوں شاعروں کا کلام اپنے اشکال اور تعقید کے باعث ناپسند کیا جاتا ہے لیکن دونوں کے ہاں اشکال کی نوعیت میں فرق ہے، پنڈار نے اولمپیا کے ورزشی کھیلوں میں جیتنے والوں کے جو گیت گائے ہیں اُن کا سمجھنا آج ہمارے لئے مشکل ہے، اس لئے کہ نہ ہمیں اُن جگہوں کا علم ہے جنکا نام اُن نظموں میں آتا ہے اور نہ قدیم یونانی سوسائٹی کے آداب و خیالات سے ہم

---

[1] تاریخ ولادت ۵۲۲ء قبل مسیح، تاریخ وفات ۴۴۳ء قبل مسیح ۱۲ مترجم،

واقف ہیں جو ہماری اپنی سوسائٹی سے بہت مختلف تھی، تاہم اس میں کیا شک ہے کہ اُس زمانے کے یونانی پنڈار کا کلام بخوبی سمجھتے تھے برخلاف اس کے خاقانی کا کلام خود اہل ایران بھی بغیر شرح سکے نہیں سمجھ سکتے حالانکہ ایران میں نہ جگہوں کے نام تبدیل ہوئے ہیں نہ قوم کے آداب و رسوم میں فرق آیا ہے اور نہ فارسی زبان میں کوئی تبدیلی پیدا ہوئی ہے، اس کے علاوہ سرے سے دونوں کی طبع شعر ہی میں بڑا فرق ہے۔ پنڈار اپنی طبیعت میں زیادہ یورپین اور لہٰذا زیادہ سُلجھا ہُوا ہے اس کے تخیّل میں را اور یہی حال خاقانی کا بھی ہے) مضامین نہایت سُرعت کے ساتھ ہجوم کرکے آتے ہیں، لیکن وہ اپنے مذاق سلیم کی مدد سے اُن میں سے کم از کم اتنا حصّہ محفوظ کر لیتا ہے، جو اس کی نظم کے مضمون کو واضح اور نمایاں کرنے کے لئے ضروری ہو، برخلاف اس کے خاقانی اپنے اشعار میں صنائع بدائع کی اسقدر بھرمار کرتا ہے کہ اس کے مضامین تاریک بلکہ بدنما ہو کر رہ جاتے ہیں، وضاحتِ معانی کا ایک اور بہت بڑا دشمن اس کی علمیّت ہے، پنڈار کی فضیلت علمی فقط علم الاساطیر تک ہی محدود تھی اور اسکے کلام میں جو اشکال ہے اس میں علوم متداول کو مطلق دخل نہیں، لیکن خاقانی کے ہاں حالت بالکل برعکس ہے، ہئیت، کیمیا، دنیات اور تمام دوسرے علوم جو اس کے وقت میں رائج تھے اس کے لئے تلمیحات، کنایات اور تشبیہات کا ذخیرہ مہیّا کرتے ہیں جو اس کی شاعری کو ادق بنا دیتے ہیں،

دونو شاعر فقط انداز شاعری ہی میں ایک دوسرے کے مشابہ

نہ تھے بلکہ اور باتوں میں بھی ملتے جلتے تھے، دونو نے بڑی عمر پائی اور دونو مذہب کی طرف مائل تھے، جس طرح پنڈار کا دعویٰ تھا کہ پَین (Pan) دیوتا[1] اس کی کہی ہوئی غزل گاتا ہوا اسکے سامنے رونما ہوا اسی طرح خاقانی کا بیان ہے کہ خواجہ خضرؑ اور حضرتِ رسولؐ نے بالمشافہہ اس کے کلام کی داد دی، دونوں شاعر مغرور تھے، ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ خاقانی کو اپنے کلام میں تعلّی نے بے اعتدالی کی کس حد تک پہنچایا تھا، پنڈار اگرچہ اُس سے کہیں زیادہ منکسر المزاج ہے تاہم وہ اپنے آپ کو عقاب سے تشبیہ دیتا ہے، ایک جگہ کہتا ہے کہ "مجھے اپنی اُس طاقت کا پورا احساس ہے جو دستِ قدرت کی مستبدّا نہ تقسیم نے مجھے عطا کی ہے اور جسکا نتیجہ زمانے کی خاموش رفتار ایک دن دنیا کو نکال کر دکھائیگی"۔ دوسری جگہ کہتا ہے کہ "میرے اشعار ہی میری جگر کاوی کا بہترین صلہ ہیں" وغیرہ،

ان تمام باہمی مشابہتوں کے باوجود دونو شاعروں کے کلام میں ایک حقیقی تفاوت ہے، پنڈار کا جو کلام ہم تک پہنچا ہے اس میں ہمیں افسردگی و یاس کا عنصر نظر نہیں آتا، شاعر کی طویل زندگی مذہب یونانی کے دیوتاؤں کی پرستش میں اور فنّ شعر کی کامیابی میں بسر ہوئی۔ جسکا سارے یونان نے چرچا کیا اور سر آنکھوں پر رکھا، برخلاف اسکے خاقانی کے ہاں حزن و ملال کا رنگ غالب ہے اور ہر قسم کے احساسات

---

[1] قدیم یونانی عقائد میں پَین گڈریوں اور مویشیوں کا دیوتا تھا۔ جس کی بانسری کرشن کی بانسری کی طرح معجز نما تھی ۱۲ مترجم،

کے ساتھ ہمیں اسکا شائبہ نظر آرہا ہے، مجھے اس کی کوئی نظم ایسی معلوم نہیں جس میں آہ وزاری کی متظلمانہ صدا اس کے دل سے نہ نکلی ہو جسکو ابناء زمانہ کی ناانصافیوں نے شدت سے گھائل کر رکھا تھا،

خاقانی کی طبع شعر یورپین شاعروں میں سے اگر کسی کے ساتھ قریب ترین مشابہت رکھتی ہے تو وہ میرے نزدیک وکٹر ہیوگو[۵] ہے اسمیں شک نہیں کہ صدیوں کے فاصلے اور اختلاف ماحول نے دونو میں بہت بڑا فرق قائم کر دیا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دستِ قدرت کی قوتِ آفرینش کے اختیار میں نمونوں کی ایک محدود تعداد ہے لہٰذا یہ دیکھ کر ہمیں تعجب نہیں ہے کہ سرزمین ایران نے بارھویں صدی میں ایک ایسا سخنور پیدا کیا جو ہمارے زمانے میں فرانس کے ایک نہایت ذی رتبہ شاعر کا پیشرو تھا +

---

۵ له فرانس کا مشہور شاعر اور ڈراما نویس، تاریخ ولادت ۱۸۰۲ء - تاریخ وفات ۱۸۸۵ء ۱۲ مترجم،

پرتھی راج راسا

تنقید

(سلسلہ کے لئے دیکھو ہی میگزین بابت ماہ اگست ۱۹۳۶ء)

(۲) شہاب الدین کے امرا کے نام

ذیل میں ہم وہ اسماء ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ جو راسا میں سلطان شہاب الدین کے امراء و دیگر عہدہ داروں کے نام کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ مصنّف نہ صرف اس عہد کے تاریخی اشخاص کے اسماء سے بے خبر ہے۔ بلکہ جس قدر نام وہ دے رہا ہے۔ سلطان معزالدین محمد بن سام کے عہد سے دور کا بھی تعلق نہیں رکھتے۔

تاریخ اسلام پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے یہ بات صاف معلوم ہو جاتی ہے۔ کہ ہر عہد میں ملوک و امراء کے نام و خطاب رکھنے کا دستور مختلف رہا ہے۔ جو نام و خطاب ایک عہد میں جاری ہیں۔ دوسرے عہد میں متروک ہوگئے ہیں۔ یہ تبدیلی اگرچہ تدریجی ہے۔ مگر صدیوں کا فرق اس کو نہایت واضح اور روشن کر دیتا ہے۔ اگر ہندوستان کے مغلوں اور غوریوں کے عہد کے نام و خطاب کا مقابلہ کیا جائے تو وہ اس قدر متفاوت ہیں۔ کہ ان

کی شناخت میں کسی غلط فہمی کی گنجایش نہیں رہتی۔ غوریوں کے زمانہ میں امرائے سلطنت ملوک کے نام سے یاد کیے جاتے تھے۔ اور ان کے ناموں سے پہلے 'ملک' (بفتح اول وکسر دوم) کا لفظ ضرور لایا جاتا تھا۔ مثلاً ملک حسام الدّین خرمیل۔ ملک ناصرالدین تمران۔ ملک تاج الدّین مکران وغیرہ۔ اس کے علاوہ غیر معروف وطنی نسبتیں یا عرف لانے کا بھی رواج تھا۔ چنانچہ تمران۔ مادین مکران۔ کرماخ۔ کیدان۔ خرمیل۔ وجیری۔ ایبک۔ یلدز۔ قباچہ وغیرہ۔ اسی طرح بعض عہدوں کے نام بھی شامل ہوتے تھے۔ مثلاً امیر داد۔ امیر حاجب خاص بک۔ یوز بک۔ مغلوں کے عہد میں جس سے میرا مقصد اکبر۔ جہانگیر اور شاہجہان کا زمانہ ہے۔ ایسے خطابات عام طور پر ملتے ہیں۔ جو خان پر ختم ہوتے ہیں۔ مثلاً رومی خاں۔ مخلص خاں۔ غازی خاں وغیرہ۔ بعض ایسے بھی ہیں۔ جو خان سے شروع ہوتے ہیں۔ مثلاً خانجہاں۔ خاندوراں خان اعظم۔ خان عالم اور خانخاناں۔

خان کے متعلق ہمیں یاد رہے کہ یہ دراصل ترکی لفظ (بمعنی پادشاہ) ہے۔ جو اولاً سلاطین ترک کے لئے مخصوص تھا۔ مثلاً خان خطا۔ خان قبچاق۔ سلاطین اسلام میں سب سے پیشتر ایلک خانی (فراسیابی) سلاطین یہ لفظ اپنے ناموں کے آخر میں لانے لگے ہیں۔ مثلاً ایلک خان۔ طمغاج خان۔ قدرخان وغیرہ۔ لیکن سلاطین غوریہ نے نہ اپنے لئے نہ اپنے امراء کیلئے "خان" کا استعمال کیا ہے۔ البتہ ان کے جانشین سلاطین شمسیہ (خاندان غلاماں) کے عہد سے یہ لفظ ہندوستان میں رواج میں آنے لگا۔ ان کے ہاں امراء کی دو قسمیں ہوگئی تھیں۔ یعنی ملوک اور خوانین طبقۂ ملوک میں معمولی امراء شامل تھے۔ اور خوانین میں شہزادگان سلطنت وامرائے کبار داخل تھے۔

مقدم الذکر کے نام سے پہلے وہی لفظ ملک آتا ہے۔ لیکن خوانین کو ایسے ترکی خطاب دیئے جاتے ہیں۔ جو خان پر ختم ہوتے ہیں۔ چنانچہ تاج الدین سنجر کا خطاب 'کزلک خان' ملک عزالدین طغرل کا 'طغان خان'۔ ایک مُنطع لکھنوتی ولکور کا 'اور خان' قمرالدین قیران کا 'تمر خان' ملک اختیارالدین یوزبک کا 'طغرل خان'۔ عزالدین بلبن کا 'کشلو خان' اور بہاءالدین بلبن کا 'الغخان' تھا۔ زمانۂ مابعد میں ترکی کی قید تو جاتی رہی اور ہر ایسے قسم کے خطابات دیئے جانے لگے۔ جن کے ساتھ لفظ 'خان' ترکیب پاسکتا تھا۔ مگر ایسے خطاب دیر تک شہزادوں اور خواص امراء تک ہی محدود رہے۔ مغلوں نے اپنے دور میں ادنیٰ ادنیٰ منصبدار یعنی دوصدی وصدی تک کو خانی کے خطاب سے سرفراز کیا ہے۔ اور اس کا رواج نہایت عام کر دیا ہے۔ یہی حالت پرتھی راج راسا کی ہے اس تالیف میں شہاب الدین کے افسروں و دیگر عہدہ داروں کے جس قدر نام دیئے ہیں۔ مغلوں کے دستور کے مطابق اکثر خان پر ختم ہوتے ہیں۔ یا خان کے ساتھ شروع ہوتے ہیں۔ بلکہ بہت سے نام بھی وہی ہیں۔ جو اکبر و شاہجہان کے عہد میں رائج تھے۔ میں اس مقصد کو واضح کرنے کی غرض سے سب سے پہلے راسا کے مذکورہ امرا کی ایک فہرست بترتیب ابجدی ذیل میں پیش کرتا ہوں۔ بعد میں ایک فہرست سلطان معزالدین محمد بن سام کے امراء کی طبقات ناصری سے درج کرتا ہوں۔ نیز ایک منتخب فہرست مؤرخ عہد شاہجہان عبدالحمید لاہوری کے بادشاہ نامہ جلد اول سے دیتا ہوں۔ جس سے واضح ہوگا۔ کہ شاہجہانی دور کے بہت سے نام ایسے ہیں۔ جو راسا کی فہرست کے ناموں سے بہت قریب ہیں۔ بلکہ دونوں میں مشترک ہیں۔ راسا کی فہرست میں ایک کثیر تعداد ایسے ناموں کی ہے جو بالکل مصنوعی ہیں۔ اور

اُن کی تخلیق کا ذمہ دار صرف مصنف کو مانا جا سکتا ہے۔

(۱) فہرست اسماء ازراسا

ازبک خاں۔ آلو خاں (عالم خاں)۔ آکوب (یعقوب) خاں۔ عالم خاں۔ الیسپ
(یوسف) میاں۔

اعظم۔ ابو خاں۔ احمد خاں۔ آراس (آرایش) خاں۔ آیوب خاں رومی۔

بابر۔ بازید۔ (بایزید)۔ بھارتھ خاں۔ بلوچ پہاڑی۔ بیرم۔ بنکٹ راؤ۔ بامن بید
باجنت خاں غوری۔ برہم خاں۔ بُہُول خاں۔ خان بھٹی۔

پچھمی خاں۔ پہاڑ خاں۔ پیرن میر۔ پہاڑ پیر۔ پیرن۔ پیرم۔

تتار خاں۔ تاج خاں۔ تنگی خاں۔ تاجن خاں۔ توگن۔ تزکام تام۔

جہانگیر خاں۔ جلال الدین۔ میرجن۔ میرجام۔ جسوز خاں۔ جیہان (جہان؟) خاں
جُلُو خاں۔ جلال۔ جوسن (جوشن) خاں۔ جلیل خاں۔ جدّو جُوان۔ چتر خاں۔

حبش خاں۔ حجّاب خاں۔ حبیب خاں حبشی۔ حبش خاں حجّاب۔ حبش خاں حبشی۔
حبشی حسین۔ حبشی سلیم۔ حسن خاں۔ حاجی خاں نیازی۔ حاجی خاں۔ حسین شاہ
حاسن (حسن) خاں۔

خلجی خاں۔ خلیل خاں۔ خانخان۔ خان سید احمود۔ خان منگول لالری۔ خان ہندیر
خان خورسان۔

خمّان خاں۔ خرلیس (قریش) خاں۔ خان ساٹھی۔ خورسان خاں۔ خان جُمَن (زمن)
خواجہ قاسم۔ خان جہاں۔ خوب خاں۔ خانخاناں۔

دریا خاں۔ دلیل خاں۔ داؤد خاں۔ دیگن۔ دوسن۔ دھرمائُ کالیتہ۔ خان رستم بجر نگی
رستم خاں۔ رومی خاں۔ راجی خاں۔ روشن علی۔ روچن (روشن؟) خاں۔ راجن۔

سجرت خاں۔ سیرن خاں۔ سیر حجّاب۔ سبحان خاں۔ ساریر (سریر؟) خاں۔

سلیم خاں۔
ساٹھی خاں۔ سالم۔ سارنگ دیو۔ سادیپ۔ سکّت (شوکت؟) خاں۔
شمس الدین خاں۔ شادی بیگ۔ شادی ملک۔
عثمان۔ عالم خاں۔ عرب خاں۔ عمر خاں۔ عالیل خاں۔ علی اسد خاں۔ عمّاد میر۔
عبدالمیر۔ عمّاد خاں۔
علی خاں۔ عالی اکوب (آل یعقوب؟)
غیاث خاں۔ غازی خاں۔ غزنین خاں۔ غازی مراد۔ غنی خاں نیازی۔ غالب خاں
فتح خاں۔ فیروز خاں۔ (میر) فتح جنگ۔ فتح نصیر۔ فتح فرید۔ فتن سوب۔
فرید خاں۔ فیروز خاں حبشی۔
قاسم قایم خانی۔ قاسم خاں۔ قریش خاں۔ قاضی کمال۔ قایم خاں۔ خواجہ قاسم کاج شدہ
کیلی خاں۔ کھوکھر خاں۔ کمّال خاں۔ کلیم خاں۔ کمام بیگ۔ کریم خاں۔
کالن (کلّن؟) خاں۔
کالی بلاسئے۔ کوجک (کوچک) خاں۔ خان کمال گکھڑ۔ میر کود۔
گکھڑ خاں۔ گرت (غیرت؟) خاں۔ گردع خاں۔ گکھڑ نکھڑ شاہ۔ کھنگار غوری
میر گردان۔
لال خاں۔ لورک رای۔
معروف خاں۔ مور خاں۔ محمد اساکلی (عیسیٰ قلی؟) منمار خاں۔ میر محمد خاں۔
میر ناصر۔ محبت خاں۔
میراں شاہ۔ ملتان خاں۔ ممریز خاں۔ محمود میر۔ منصور۔ مہند۔ میر خاں۔
محمود خاں۔
میراں مسند۔ ملتان ادب۔ ملک غالب۔ منڈہ راو مرہٹہ۔ مہدی۔ مصطفےٰ خاں

میرن -
منڈلیک - میر آتش - ماسوت میر (موصوف؟) موسم میر - مرزا مہدی - میر ایلچی خاں
میر محمود و ملیہ - مہند -
نور خاں حجاب - نور محمد - نوری خاں - نصرت خاں - نظام شاہ - نیازی خاں
نوروز خاں -

وزیر خاں - خان وہرم (بیرم)
ہجرت (حضرت؟) خاں - ہمام خاں - ہاجن - ہیرن - ہیجم حجاب - ہر چترسین
ہمیر - میر ہمام -

مصنف کا دستور ہے - کہ وہ صحت الفاظ کی مطلق پروا نہیں کرتا - اور ان کے ساتھ ہر قسم کی بے قاعدگی سے کام لیتا ہے - ان اسماء میں سلیم بتشدید لام اور کمال و عماد بتشدید میم لائے گئے ہیں - بہول خاں میں واو سے قبل الف چاہیئے - یعنی بہاول خاں - حاسن خاں اور ساریہ خاں میں الف اضافہ کر دیا ہے - عثمان اور نصرت بضم اول کو بکسر اول لکھا ہے -

بلوچ بہاڑی - باجنت خاں غوری - توگن - خان بیدا محمود - خان منگول لالری خان ہندوبر - خان خورسان - خمان خاں - سیر حجاب - عالیل - عبد المیر - فتح نصیر - فتح فرید - کیلی خاں - کالی بلائے - ملتان اوب - ہمام خاں - ہاجن - ہیرن - ہیجم حجاب وغیرہ ایسے نام ہیں - جن کو مصنف کے دماغ کی اختراع کہا جا سکتا ہے - کیونکہ بصورت موجودہ وہ مسلمانی اسماء کی ذیل میں نہیں آتے -

الیب - آکوب اور آلو - مارواڑی زبان میں یوسف - یعقوب اور عالم کی بگڑی شکل ہے - الّو ابراہیم کی بگڑی شکل ہے -

(ب) فہرست امراو ملوک سلطان معزالدین محمدؒ بن سام از طبقات ناصری

ملک ضیاء الدین درغور- بہاء الدین سام (بامیان) سلطان غیاث الدین محمود (فیروزکوہ)

ملک بدرالدین کیدانی- ملک قطب الدین تمرانی- ملک تاج الدین حرب (سجستان)
ملک تاج الدین مکران- ملک علاء الدین- ملک شاہ وخشی- ملک ناصرالدین الپ غازی
ملک تاج الدین زنگی (بامیان)- ملک ناصرالدین (مادین) ملک مسعود- ملک ناصرالدین (تمران)

ملک مویدالدین مسعود- ملک شہاب الدین مادینی- ملک شمس الدین کیدانی-
ملک علاء الدین- اتسز حسین-

ملک حسام الدین علی کرماخ- ملک مویدالملک کرماخ- ملک ظہیرالدین۔
محمد کرماخ- ملک ظہیرالدین فتح کرماخ- ملک حسام الدین خرمیل- ملک ناصرالدین
حسین امیر شکار- ملک اختیارالدین خروار- ملک اسدالدین شیر ملک وجیری-
ملک رکن الدین سور (کیدان) امیر سلیمان شیث امیر داد- امیر حاجب محمد علی غازی
امیر حاجب خاص ملک- امیر حاجب حسین محمد حسن- امیر حاجب حسین سرخ-
ملک شمس الدین سور کیدان-

(سلاطین) سلطان تاج الدین یلدز- سلطان قطب الدین ایبک-
سلطان ناصرالدین قباچہ- سلطان شمس الدین التتمش- سلطان علی الدین-
محمود- سلطان غیاث الدین عوض حسین خلج-

(وزراء) ضیاء الملک درمشی- مویدالملک محمد-
عبداللہ سجزی- شمس الملک عبدالجبار کیدانی-

(قضاۃ) صدر شہید قطب الدین ابوبکر- صدر سعید شرف الدین ابوبکر-

شمس الدین بلخی۔

ان فہرستوں کا تفصیلی جائزہ ہمارا مقصد نہیں۔ ناظرین پر سرسری مشاہدہ سے ظاہر ہو گیا ہوگا۔ کہ راسا اور طبقات کی فہرستوں میں کسی قسم کی نسبت اور اشتراک نہیں۔ جہاں طبقات ناصری سلطان معزالدین محمد بن سام کے امراء کی صحیح فہرست اسماء پیش کر رہی ہے۔ راسا ایک خیالی اور فرضی فہرست دے رہا ہے۔ جو یقیناً غلط اور بے بنیاد ہے۔ جس کا ایک نام تک بھی صحیح نہیں مانا جا سکتا۔ دور کیوں جائیں۔ راسا کے بیان کے مطابق سلطان کا نام شہاب الدین ہے۔ لیکن ہمیں تاریخ سے معلوم ہے۔ کہ یہ سلطان کا شہزادگی کا نام تھا۔ جب وہ تخت نشین ہوتا ہے۔ "شہاب الدین" نام ترک کر دیتا ہے۔ اور "معزالدین" کا لقب اس کی جگہ اختیار کر لیتا ہے۔ چنانچہ اسی نام و لقب (یعنی معزالدین محمد بن سام) سے بعد کے زمانہ میں وہ مشہور ہوا۔ طبقات کے الفاظ غیاث الدین محمد بن سام کے ذکر میں حسب ذیل ہیں۔

پیش ازیں لقب او ملک شمس الدین بود و لقب برادرش شہاب الدین۔ بعد از مدتے کہ بر تخت بود۔ لقب او سلطان غیاث الدین شد۔ و برادرش ملک شہاب الدین بعد از فتوح خراسان سلطان معزالدین شد (ص ۶۹) چنانچہ یہی نام اس کے عہد کے کتبوں اور سکوں میں نظر آتا ہے۔ کتب تاریخ مثلاً تاج المآثر و طبقات ناصری و فیروز شاہی و مبارک شاہی بھی اس کو اسی نام سے یاد کرتی ہیں۔ مگر راسا اس کو فقط شہاب الدین کے نام سے جانتا ہے۔ اور اس کے اصلی نام معزالدین سے بالکل ناآشنا ہے۔ کیا ایک معاصر دستاویز میں جیسا کہ راسا کے لئے دعوے کیا جاتا ہے۔ ایسی فاحش غلطی کا ارتکاب ہو سکتا ہے؟ راسا کی اس غلطی کی سراغ رسانی چنداں دشوار نہیں ہے۔ اصل

یہ ہے۔ کہ خود مغلیہ دور کے مورخین بابر و فرشتہ و ابوالفضل وغیرہم برخلاف قدیم مورخین کے سلطان کو معزالدین کے مقابلہ میں ترجیحاً "شہاب الدین" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ فرشتہ اسے "سلطان معزالدین محمد بن سام الملقب شہاب الدین غوری" کہتا ہے۔ ابوالفضل آئین اکبری میں شہاب الدین لکھتا ہے۔ خلاصۃ التواریخ میں سجان رائے شہاب الدین عرف معزالدین تحریر کرتا ہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ ایسے بیانات راسا کے لئے جو اکبری عہد سے بعد کی تالیف ہے۔ گمراہی کا سامان بن گئے۔

اسی طرح راسا میں سلطان کے وزیر کا نام تتار خاں بتایا گیا ہے۔ جو اپنے بادشاہ کا نہایت مطیع اور فرمانبردار ملازم ہے۔ متعدد داستانوں میں اس کا ذکر موجود ہے۔ جب کبھی سلطان پرتھی راج کے ہاتھوں میں گرفتار ہوتا ہے۔ تتار خاں اس کی رہائی کے لئے زر فدیہ کے مہیا کرنے میں ہر ممکن کوشش عمل میں لاتا ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں۔ سلطان معزالدین کے تین وزیر ہیں۔

(۱) ضیاء الملک دُرمشانی۔ (۲) موید الملک محمد عبداللہ سجزی (۳) شمس الملک عبدالجبار کیدانی۔ نظام الملک طوسی کے عہد سے ان ایام میں وزراء کے لئے ایسے مخصوص خطابات کا دستور جاری ہو گیا تھا۔ جو "الملک" پر ختم ہوتے ہیں تتار خاں اگرچہ خطاب معلوم ہوتا ہے۔ مگر سلطان معزالدین کے عہد سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔ بلکہ بہت بعد کے زمانہ سے تعلق رکھتا ہے۔ تاریخ ہند میں رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ فیروز شاہ تغلق ۷۵۲ھ و ۷۹۰ھ اور اس کے پیشرو محمد بن تغلق کے زمانہ میں ایک امیر اس خطاب سے سرفراز ہوا تھا۔ اور یہی پہلا موقعہ ہے۔ جب ہم اس نام سے دوچار ہوتے ہیں۔

دوم ازاناں کہ از درگاہ ہمایوں اعلٰے اختصاص بافراط بگرفتہ است اعظم تتار خاں بہادر بندہ امیرالمومنین ضوعف قدرہ است۔" (ص۵۲۹ تاریخ فیروز شاہی از ضیاء برنی)

اس عہد کے بعد تتار خاں بحیثیت خطاب تاریخ ہند میں وقتاً فوقتاً نظر سے گذرتا ہے۔ اور مغلوں کے ہاں بھی ملتا ہے۔ کیا یہ امر تعجب خیز نہیں۔ کہ راسا کے مصنف کو نہ سلطان اور نہ اس کے وزرا کے صحیح نام تک معلوم ہیں۔

راسا کی فہرست میں ہماری نظر سے جب ایسے نام گذرتے ہیں۔ مثلاً میر آتش۔ رومی خاں۔ اوزبک خاں۔ جہانگیر خاں۔ خانخاناں۔ خان جہاں فتح جنگ۔ شادی بیگ۔ کمام بیگ۔ اساکلی (علیٰ قلی) حبش خاں۔ حبیب خاں حبشی۔ بنکٹ راؤ۔ منڈہ راؤ۔ تو ہمارے تصور میں عہد مغلیہ کا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ اور بغیر کسی پس وپیش کے ہمیں کہنا پڑتا ہے۔ کہ یہ نام سب کے سب اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔

میر آتش مصنف کے نزدیک کسی سردار کا نام ہے۔ لیکن وہ ایک عہدہ کا نام ہے۔ یہ عہدہ ہندوستان میں مغلوں کی آمد کے بعد رواج میں آتا ہے میر آتش توپخانہ کا افسر ہوا کرتا تھا۔ یہی حالت رومی خاں کی ہے۔ سلطان بہادر شاہ والی گجرات کے افسر توپخانہ کا خطاب بھی رومی خاں تھا۔ جس کے لئے یہ فقرہ مشہور ہے۔ "بھٹ پاپی رومی خاں نمکحرام۔" اکبر اور شاہجہان کے زمانہ میں بھی رومی خاں خطاب دیا گیا ہے۔ بہر حال میر آتش اور رومی خاں دسویں صدی ہجری میں ہندوستان میں رواج پاتے ہیں۔

اوزبک خاں تو صاف وصریح مغلوں کی یادگار ہے مغلوں سے پیشتر ہندوستانی اس لفظ سے ناواقف تھے۔ لیکن اس کے متعلق آئندہ ذکر ہوگا

جہانگیر خاں۔ ظاہر ہے۔ کہ یہ نام جہانگیر بادشاہ کے عہد سے زیادہ رائج ہوتا ہے۔

خانِ جہاں اور خانخاناں۔ تغلقوں کے عہد سے یہ خطابات ہندوستان میں موجود ہیں۔ مگر زیادہ شہرت مغلوں کے عہد سے ملتی ہے۔ بیرم خاں اور اس کا فرزند عبدالرحیم خانخاناں کے خطاب کے مالک تھے۔ خاں جہاں لودھی جہانگیر کے عہد میں ایک نہایت مشہور امیر تھا۔

فتح جنگ اور اس طرز کے دیگر خطابات مغلوں کے عہد سے قبل بالکل نامعلوم تھے۔ مغلوں کے ہاں ہر زمانہ میں بلکہ ریاستوں میں اب تک ایسے خطابات موجود ہیں۔ جہانگیر ابراہیم خاں کو فتح جنگ کا خطاب[1] عنایت کرتا ہے۔

شادی بیگ۔ کمام بیگ (قوام بیگ؟) بیگ کی ترکیب کے نام مغلوں سے پیشتر اس ملک میں رائج نہیں تھے۔ یہی حالت عیسیٰ قلی کی ہے۔ ایران میں صفویوں کی آمد سے علی قلی۔ امام قلی۔ حسین قلی۔ اور شاہ قلی وغیرہ نام رواج پاتے ہیں۔ اور جب ایرانی مغلوں کی ملازمت میں آئے۔ اس فیشن کے نام بھی ان کے ساتھ آئے۔

حبش خاں اور حبیب خاں حبشی اس زمانہ کی یاد دلاتے ہیں۔ جب دکن پر مغلوں کے حملے شروع ہو گئے ہیں۔ مغل دکن میں حبشیوں سے جہاں وہ فوج میں اور دیگر خدمات پر متعین تھے۔ تعلق میں آتے ہیں۔ متعدد حبشی سرداران دکن نے مغلوں کی نوکری اختیار کر لی ہے۔ مثلاً سیام خاں حبشی۔ دلاور خاں حبشی۔ سرور خاں حبشی اور سیدی سالم حبشی شاہجہان کے عہد کے سردار

---

[1] توزک جہانگیری ص ۱۵۵ طبع سید احمد صاحب۔

ہیں۔ اسی بادشاہ نے ایک اور سردار کو حبشی خاں خطاب دیا ہے۔

بنکٹ راؤ۔ منڈہ راؤ مرہٹہ۔ دونوں مرہٹہ نام ہیں حبشیوں کی طرح دکنی لڑائیوں میں مغلوں کا مرہٹوں سے بھی واسطہ پڑتا ہے۔ اور کئی مرہٹے ان کی ملازمت میں آجاتے ہیں۔

قاسم قایم خانی۔ پرانی شکل قیام خانی ہے۔ نہ قایم خانی۔ چنانچہ شاہجہان کے عہد میں ایک امیر دولت خاں قیام خانی ہے۔ جس کا منصب ہزار و پانصدی ہزار سوار ہے۔ لیکن غلط العام قایم خانی ہوگیا۔ چنانچہ راجپوتانہ میں جہاں یہ لوگ آباد ہیں۔ اسی نام سے مشہور ہیں۔ قایم خانیوں کا دعوے ہے۔ کہ وہ فیروز شاہ تغلق کے عہد میں راجپوت سے مسلمان ہوئے۔ لیکن ظن غالب ہے

لہ تراب علی تراب احوال نواب قایم خاں خانجہاں بہادر میں رقم طراز ہے۔ کہ دریرا میں ایک چوہان راجہ موسوم بہ موٹے راو حکومت کرتا تھا۔ اس کا فرزند کرم چند شکار میں فیروز شاہ تغلق بادشاہ کے وزیر سید ناصر سے ملاقی ہوا۔ اور بادشاہ اور وزیر کی ترغیب سے مسلمان ہوگیا۔ بادشاہ نے اس کا نام قایم خاں رکھا۔ اور وزیر نے اُسے متبنیٰ بنالیا۔ جب فیروز شاہ بنگالہ کی مہم پر گیا۔ قایم خاں کو دلی کا صوبہ دار بنا گیا۔ جب واپس لوٹا۔ اس کی حسن خدمات اور خوش نظمی کے صلہ میں خانجہان خان بہادر کا خطاب عنایت کیا۔ سید ناصر کی وفات پر قایم خاں وزیر مقرر ہوا۔ جب فیروز تغلق نے جام اجل نوش کیا۔ اس کے جانشین محمد شاہ کا بدستور سابق وزیر رہا۔ اس کے بعد نصیر شاہ کا اور پھر معظم شاہ کا۔ (خاندان تغلقیہ میں الذکر ناموں کے بادشاہ نہیں گذرے) موخرالذکر ایک مغل سے سازش کرکے قایم خاں کو دریا میں دھکا دلاکر ہلاک کرادیتا ہے۔

قایم خاں خانجہاں کے کئی فرزند تھے۔ ان میں زیادہ مشہور محمد خاں اور تاج خاں ہیں۔ جو ناگور رہنے لگے۔ انہیں بھائیوں نے جھونجنوں اور فتح پور دو شہر واقع شیخاواٹی (راجپوتانہ) آباد کئے۔ جہاں ان کی اولاد میں سوساٹھ سال تک حکومت کرتی رہی۔ معظم شاہ وزیر کے خون ناحق سے پچھتا کر اور دونوں بھائیوں کی شجاعت کی داستانیں سن سنکر انہیں بلاکر انکے آبائی عہدے پر بحال کردیتا ہے۔ یہ عہدہ دیر تک ان کے قبضہ میں رہتا ہے۔ چنانچہ معظم شاہ کے بعد مبارک شاہ کے اور اس کے بعد علاءالدین شاہ کی بھی وزارت کرتے رہے۔ آخر درانداز وں نے سکھا بجھا کر علاءالدین کو ان کی مخالفت پر آمادہ کردیا۔ اس لئے دونوں بھائی دہلی چھوڑ کر اپنے وطن حصار میں چلے گئے۔ اور وہیں رہنے لگے۔

کہ وہ اس عہد سے بہت بعد حلقہ بگوش اسلام ہوتے ہیں۔

علاء الدین کے بعد بہلول شاہ مسند آرا ہوا۔ اس نے انہیں منصب قدیم پر بلایا۔ مگر انہوں نے قبول نہیں کیا۔ بلکہ ناگور چلے گئے۔ وہاں بمعیت فیروز خاں رانا موکل سے ان کی جنگ ہوتی ہے جس میں رانا شکست فاش کھاتا ہے۔ اس کے بعد فیروز خاں سے بھی ان کو لڑنا پڑتا ہے۔ اتنے میں تاج خاں وفات پا جاتا ہے۔ اور اس کے غم میں محمد خاں بھی اس دار فانی کو وداع کہتا ہے۔

یہ بیان تاریخ کی روشنی میں ناقابل قبول ٹھہرتا ہے۔ فیروز شاہ کا کوئی وزیر سید ناصر نامی نہیں تھا ہاں یہ سچ ہے کہ فیروز شاہ کا وزیر ایک نومسلم ہندو (تلنگی) تھا۔ ابتدا میں تلنگانہ کے راجہ کا ملازم تھا۔ اور اس کا نام کتو تھا۔ وہ محمد بن تغلق کے عہد میں اسلام لے آیا۔ اور مسلمانی نام مقبول رکھا گیا۔ اگرچہ جاہل مطلق تھا۔ لیکن ترقی کرتے کرتے محمد شاہ کے عہد میں ہی نائب وزیر بن گیا۔ اور قوام الملک خطاب ملا۔ جب فیروز شاہ تخت پر آیا۔ اس نے خواجہ جہاں کو معزول کر کے قلمدان وزارت قوام الملک کے حوالہ کیا۔ اور خانجہاں کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔ جب کبھی فیروز شاہ دہلی سے باہر جاتا اور یہ اکثر ہوتا تھا۔ تو خواجہ جہاں بحیثیت قائم مقام بادشاہ کام کرتا۔ خانجہاں کی وفات پر اس کا فرزند اپنے باپ کے عہدہ (وزارت) اور خطاب خانجہانی پر فائز ہوتا ہے۔ یہ بیان میں شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی کی سند پر لکھ رہا ہوں۔ تعجب ہے کہ قایم خانیوں نے خانجہاں (کبیر) کے بعض واقعات زندگی غصب کر کے اپنے مورث اعلیٰ کیلئے محفوظ کر لئے لیکن وہ کتو تلنگی ہے۔ نہ کرم چند چوہان پسر موٹے راؤ۔

تراب کا بیان ہے۔ کہ قیام خاں ۸۰۱ھ مطابق سمت ۱۴۴۳ بکرمی میں اسلام لایا چنانچہ ؎

ہوئے مسلماں جو دل سے نواب قایم خاں ملائکوں نے کہا آفریں بہت و ثنا
خرد طرفہ اسلام سے کہا تاریخ سن آٹھ سے و یک از ہجرت رسول اللہ
سمت تھا ہندی وہ چودہ سے اور تینتالیس مطابق اس کے جو ہجرت کا میں بیان لکھا

مگر شعر ذیل میں بحساب جمل یوں تاریخ دی ہے ؎

میں جستجو میں تھا تاریخ کی کہ ہاتف نے کہا کہ "دین پہ قایم ہوا ہے قایم خاں"

اگر ۸۰۱ھ میں قایم خاں مسلمان ہوا تو وہ فیروز شاہ کا زمانہ نہیں پا سکتا۔ کیونکہ شاہ موصوف ۷۹۰ھ میں فوت ہو جاتا ہے۔ اگر آخری شعر کو صحیح مانا جائے تو "دین پہ قایم ہوا ہے قایم خاں" کے اعداد بحساب ابجد ۱۰۵۱ھ ہوتے ہیں۔ جو شاہجہاں کا عہد ہے۔ البتہ قایم خاں کے عدد ۸۰۱ھ ہوتے ہیں۔ لیکن اس مادہ سے تو یہ ظاہر نہیں ہوتا۔ کہ صرف قائم خاں کے اعداد گننا مقصود ہیں۔

یہ خیال کہ پرتھی راج کے عہد میں مرہٹے حبشی اور قائم خانی غزنین میں سلطان معزالدین محمد بن سام کی فوج میں شامل تھے۔ نہایت مضحک معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ان جزئیات میں راسا کا مصنف بھی مجبور ہے۔ وہ اپنے عہد کے حالات و واقعات کے قیاس پر اپنا افسانہ تعمیر کر رہا ہے۔ درحقیقت اس کے زمانہ میں سلاطین مغل کی سرکار میں یہ سب اقوام موجود تھیں۔

(ج) فہرست از بادشاہ نامۂ عبدالحمید لاہوری (جلد اول ہر دو حصہ)

(۱) احمد خاں نیازی ص ۲۹۶ ص ۵۰۹ (۲) امیر خاں ص ۱۲۵ ص ۱۸۳ ص ۲۸۷

(۳) اعظم خاں ص ۲۵/۲ ص ۳۳ (۴) اعظم (میر کاشغری) ص ۲۴۹ (۵) اوزبک خاں ص ۱۳۶/۲ ص ۱۳۸/۲ ص ۳۰۷/۲ (۶) آرائش خاں ص ۵۳

(۷) بابر ص ۴۲ (۸) سید بایزید ص ۱۸۳ (۹) بیرم بیگ ترکمان ص ۱۲۴ ص ۱۶۹

(۱۰) بہرام ص ۱۸۵ ص ۴۴۲/ج۲ (۱۱) بھارت بندیلہ ص ۸۲ ص ۱۲۰۔

(۱۲) تاج سروانی ص ۳۱۴/۲ (۱۳) عارف ولد تاتار خاں سفرچی ص ۴۴۷/ج۲

(۱۴) جہان خاں (کاکڑ) ص ۱۱۹ (۱۵) جلال ولد دلاور خاں ص ۱۸۴ ص ۳۰۶/۲

(۱۶) میر جلال الدین حسین ص ۲۵۸

(۱۷) سید جہانگیر ص ۴۲۰/ج۲ (۱۸) بہرام خاں (ولد جہانگیر قلی خاں) ص ۴۳۳/ج۲

(۱۹) حسن خاں (میواتی) ص ۵۱ ص ۵۷ (۲۰) حسن خاں (برادر خدمتگار خاں) ص ۲۱۷/۲

(۲۱) حبیب کررانی ص ۱۳۶/۲ (۲۲) حبش خاں ص ۲۹۹/۲ ص ۴۲۴/ج۲ (۲۳) حبیب سور ص ۱۱۹

(۲۴) خان جہاں ص ۵۷ ص ۱۲۵ (۲۵) خواص خاں ص ۷۳ ص ۱۸۱ ص ۲۹۸/۲

(۲۶) خواجہ قاسم حصاری ص ۲۴۶/ج۲ (۲۷) خواجہ قاسم (سید تاتائی) ص ۱۱۸

(۲۸) دریائے (روہیلہ) ص ۲۰۲ ص ۳۲۶ (۲۹) دریا خاں روہیلہ ص ۲۹۶/۲

(۳۰) دولت خاں ولد الف خاں قیام خانی ص ۱۸۴ (۳۱) دولتخاں قیام خانی ص ۴۳۷/ج۲ ص ۳۰۷/۲

(۳۲) رستم خاں (برکی) ص ۱۲۵ (۳۳) رومی خاں ص ۴۱۱ (۳۴) سیدی سالم حبشی ص ۳۲۱
(۳۵) سید راجی ص ۳۲۳/۲ (۳۵ الف) رستم خاں دکنی ص ۲۹۴/۲
(۳۶) شادی خاں (شادی بیگ) ص ۱۳/۲ ص ۶۰/۲ (۳۷) شمس الدین ولد نظر بہادر ص ۳۱۹/۲
(۳۸) عرب خاں ص ۱۶۶ ص ۱۹۸ (۳۹) عثمان (روہیلہ) ص ۱۱۹ (۴۰) علی خاں (شیخزادہ فرملی) ص ۵۵ (۴۱) علی خاں (ترین) ص ۱۲۴ (۴۲) سید عالم بارھہ ص ۴۳ ص ۱۲۱
(۴۳) عمر خاں ص ۳۱۷ (۴۳ الف) عثمان خاں (عموی بہادر خاں روہلہ) ص ۳۳۲
(۴۴) عزت خاں ص ۳۹۵ (۴۵) غالب ص ۳۷/۲ (۴۶) غازی بیگ ص ۳۱۹ ص ۶۳/۲
(۴۷ الف) غزنین خاں (جالوری) ص ۱۶۷
(۴۷) فتح خاں ص ۳۶۸ (۴۸) فیروز خاں ص ۴۷ ص ۱۸۳ ص ۳۰۳/۲ (۴۸ الف) فیروز (برادر غزنین خاں) ص ۳۱۹/۲
(۴۹) قاسم خاں ص ۲۲۲ ص ۲۹۴/۲ (۵۰) قوام بیگ ص ۵۴
(۵۱) کمال خاں ص ۵۵ (۵۲) خواجہ کوچک (ولد میر ہاشم) ص ۱۴۳
(۵۳) لعل خاں ص ۱۸۴
(۵۴) محمود خاں ص ۵۱ (۵۵) منصور ص ۳۸۳ ص ۳۳۳ (۵۶) محمد خاں (نیازی) ص ۱۶۷
(۵۷) مصطفیٰ خاں (داماد ملا محمد لاہوری) ص ۱۱۴ ص ۴۱۵ (۵۸) میر خاں ص ۱۲۳ ص ۱۰۱/۲ ص ۲۱۱/۲
(۵۹) حاجی منصور ص ۲۶۷/۲۵
(۶۰) نصرت خاں ص ۳۲۰ (۶۱) نور محمد عرب (عرب خاں) ص ۳۹۷ (۶۲) نظام ولد غزنین خاں جالوری ص ۳۱۳/۲ (۶۳) نیاز خاں (پسر شہباز خاں کنبوہ) ص ۳۱۴
(۶۴) وزیر خاں ص ۱۱۷ ص ۱۲۲ ص ۱۲۴
(۶۵) یعقوب خاں ص ۱۶۷ (۶۶) یوسف خاں ص ۴۱۵ (۶۷) میر یوسف ص ۳۲۰/۲
(۶۸) یوسف نیازی ص ۳۲۲/۲ +

بادشاہ نامہ کی فہرست کے پچیس تیس اسم ایسے ہیں۔ جو راسا کی فہرست میں شامل ہیں۔ باقی اس سے مماثلت قریبہ رکھتے ہیں۔ ناموں میں یہ مطابقت بغیر اشتراک زمانی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ دونوں تصانیف آپس میں معاصرت قریبہ رکھتی ہیں۔

بادشاہ نامہ سے قطع نظر اگر اس عہد کی تاریخوں کا جائزہ لیا جائے۔ تو راسا کے باقیماندہ ایسے نام جو مسلمانوں میں رائج ہیں۔ مثلاً اعظم خاں۔ احمد خاں۔ بہادر خاں تاج خاں۔ جلیل خاں۔ جوشن خاں۔ حسین شاہ۔ خلجی خاں۔ خلیل خاں۔ خواجہ قاسم دلیل خاں۔ داؤد خاں۔ رستم خاں۔ روشن علی۔ سبحان خاں۔ سر یر خاں۔ شوکت خاں شمس الدین خاں۔ شادی ملک۔ عالم خاں۔ عمر خاں۔ علی اسد۔ علی خاں۔ غیاث خاں۔ غازی مراد۔ غالب خاں۔ کریم خاں۔ معروف خاں۔ میر ناصر میر محمد خاں۔ محبت خاں۔ میراں شاہ۔ ملتان خاں۔ مریز خاں۔ مصطفےٰ خاں مرزا مہدی۔ نور خاں۔ نصرت خاں۔ نظام شاہ۔ نیازی خاں۔ نوروز خاں۔ وزیر خاں۔ وغیرہ دسویں اور گیارہویں صدی ہجری کی تاریخوں اور انشاؤں سے بآسانی تلاش کیئے جا سکتے ہیں۔

راسا کا مصنف پٹھانوں کے قبائل روہیلہ۔ ہند اور نیازی سے واقف ہے۔ ہند کو وہ شخصی نام کی حیثیت سے دے رہا ہے۔ نہ قبیلہ کی حیثیت سے بعض ناموں کے ساتھ وہ نیازی لا رہا ہے۔ مثلاً حاجی خاں نیازی غنی خاں نیازی لیکن نیازی ہندوستان میں دسویں صدی بلکہ شیر شاہ سوری کے عہد سے شہرت حاصل کرتے ہیں۔

بابر۔ بیرم۔ سلیم اور جہانگیر جیسے ناموں کو دسویں صدی ہجری سے قبل تاریخ ہند میں تلاش کرنا بے سود ہے۔

فرخی سیستانی

سلسلہ کیلئے دیکھو یہی میگزین بابت ماہ اگست ۳۶ء

صرف اس پر اکتفا نہ تھی کہ شعراء قصائد مدحیہ میں خوشامدانہ ایاز و محمود کی عشق و عاشقی کا ذکر کرتے تھے اور محمود خوش ہوتا تھا۔ بلکہ خود محمود شعراء سے ایاز کی تعریف کی فرمائش کرتا تھا۔ چنانچہ محمود نے غضائری سے تعریف ایاز کی فرمائش کی تو غضائری نے دو شعر لکھ کر پیش کئے۔ محمود نے دو ہزار اشرفیاں انعام میں عطا کیں۔ چنانچہ غضائری اپنے ایک قصیدہ میں کہتا ہے۔ ؎

مرادو بیت بفرمود شہریار جہاں ——— بر آں صنوبر عنبر عذار مشکیں خال

دو بدرہ زر بفرستاد و دو ہزار درم ——— برغم حاسد تیمار بدسگال نکال

(کنایہ از ایاز ۱۲)

یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ جب کوئی عیب یا عادت بدعام ہو جاتی ہے۔ تو وہ عیب عیب نہیں رہتا۔ کیونکہ "ایک حمام میں سب ننگے" جب کوئی خود ایک عیب میں مبتلا ہو تو کسی دوسرے شخص کو جو اوسی عیب میں گرفتار ہو ملامت کرنے یا بُرا کہنے کا کیا منہ رکھتا ہے۔ امرد پرستی ایران و توران میں عام البلوئی تھی۔ پھر نظر عیب سے کیسے دیکھی جاتی۔ خصوصًا عیب شاہاں۔ ؎

ہر عیب کہ سلطاں بہ پسندد ہنر است۔

سیر سمرقند | فرخی نے ایک وقت میں سیر و تماشائے سمرقند کا ارادہ کیا۔

جب قریب سمرقند پہونچا تو لٹیروں کی ایک جماعت اوس پر ٹوٹ پڑی اور جو کچھ اوسکے ساتھ تھا لوٹ لیا۔ جب بے سروسامان سمرقند میں پہونچا تو اپنے آپ کو بوجہ تنگدستی ظاہر نہ کیا۔ چند دن حالت نکبت میں بسر کرکے غزنین پلٹ آیا۔ اس حال کی شکایت ایک قطعہ میں نظم کرتا ہے وہ قطعہ یہ ہے۔

ہمہ نعیم سمرقند سر بسر دیدم　　نظارہ کردم در باغ و راغ و وادی و دشت
چو بود کیسہ و جیب من از درم خالی　　دلم ز صحن امل فرش خرمی ننوشت
بسے ز اہل ہنر بارہا بہر شہرے　　شنیدہ بودم کوثر یکے و جنت ہشت
ہزار جنت دیدم ہزار کوثر بیش　　ولے چہ سود کہ لب تشنہ باز خواہم گشت
چو دیدہ نعمت بیند بکف درم نبود　　سر بریدہ بود در میان زرین طشت

زندگی تمام عمر لذات جسمانی و مشتہیات نفسانی میں صرف کی۔ ہمیشہ طلب عیش و طرب و لہو ولعب میں بسر کرتا تھا۔ مادیات کی طرف مائل اور انجام آخرت سے ذاہل تھا۔ جس وقت سے دربار محمود میں آیا آخر عمر تک غزنویوں کی حکومت اور ان کے سایۂ حمایت و عنایت میں کامرانی اور حصول آمال و امانی کے ساتھ عمر گذاری۔ بعض اسفار ہندوستان میں ملازم رکاب محمود رہا۔ جیسا کہ خود کہتا ہے۔

سہ بار با تو بدریائے بیکرانہ شدم　　نہ موج دیدم و نے ہیبت و نہ شور و نہ شر

پھر کہتا ہے۔

ز انکہ مرا رنج و خستگی رہ قنوج　　کو فتہ کرد است و خیرہ مغز و سبکسار

امیر ابویعقوب عضد الدولہ یوسف بن ناصرالدین اور امیر ابو احمد جلال الدولہ محمد بن محمود کی مداحی سے دلبستگی کامل رکھتا تھا۔ اور علی الخصوص

موالیان و ہواخواہان امیر محمدؒ سے تھا۔ اور مسعود سے ناخوش رہتا تھا بلکہ اوس کی مخالفت کیا کرتا تھا۔ مدح محمدؒ میں خوب خوب قصائد کہے ہیں اور اوس کی تعریفیں کی ہیں اور اوس کے انعام و افضال کا شکر گذار رہے۔

اخلاق | جب محمود کی وفات پر محمدؒ سے قسمت پھر گئی اور زمانۂ حکومت محمدؒ ہی میں لوگوں کے دل مسعود کی طرف مائل ہو گئے تو قبل اس کے کہ اونٹ کسی کل بیٹھے فرخی نے پہلے سے تمام احسانات و انعام و اکرام محمدؒ کو بھلا دیا۔ اور مخدوم و ممدوح قدیم سے دست بردار ہو گیا۔ ابھی محمدؒ بادشاہ تھا اور مسعود اصفہان میں کہ ایک قصیدۂ غرا در تحریص و ترغیب مسعود میں لکھ کر اُسے بھیجا کہ بہت جلد ادھر آ جائے اور تخت سلطنت غزنین کو زینت دے۔ اُس قصیدہ کے چند اشعار یہ ہیں۔ ؎

اے برید شاہ ایران از کجا رفتی چنیں ۔۔۔ نامہ ہا نزد کہ داری باز کن بگذار ہین

آگے چل کے تحریص میں یوں کہتا ہے۔

رائے کے دارد کہ بر صدر پدر گردد مکین ۔۔۔ عزم کے دارد کہ غزنین را بیارا ید بروے

مرسپاہان را چرا کردا ست بر غزنین گزین ۔۔۔ دار ملک خویش را ضائع چرا باید گذاشت

ہر کہ تازہ میدہ بیند چوں خورد نان جوین ۔۔۔ ہر کہ غزنین دیدہ باشد در سپاہان کے بود

کلام فرخی | وہ فصیح البیان مدح گو شاعر ہے۔ اور تغزل میں ملیح و شیریں زبان۔ طبیعت سادہ اور سرشار رکھتا ہے۔ اور کلام میں تعقید اور تکلف اور تخیلات عزیب کو دخل نہیں دیتا۔ اُسکا کلام منسجم و منظم اور اُسکا بیان مطبوع و دلنشین ہے۔ رقت و سلاست و فصاحت و جزالت اُس کے کلام سے پیدا ہے۔ فکر روشن اور قریحہ مستحسن اور روح نشاط و طرب اُس کے اشعار سے ہویدا ہے۔ مضامین فلسفی اور دقائق حکمی اور نکات اخلاقی اُس کے کلام میں کمتر

پائے جاتے ہیں۔ حُسنِ تغزّل میں سرآمدِ معاصرین ہے۔ اور حلاوت بیان اور تعبیر معانی لطیف۔ اور حسن صیاغت کو الفاظ کے سانچوں میں ڈھالنے سے مانوس ہے۔ ایراد کلمات غریب و وحشی سے احتراز کرتا ہے۔ اُسکے اشعار حشو و تصنعات ناپسندیدہ سے خالی ہیں۔ متانت و پختگی و سہولت و روانی کو جمع کر دیا ہے۔ اور افکار دقیق کو الفاظ رقیق کا جامہ پہنایا ہے۔ چونکہ شعر اور موسیقی ایک ہی چیز ہیں۔ اسلئے اُس کی موسیقی دانی اُس کی لطافت طبعی اور استقامت ذوقی کی معین و مددگار ہے۔ اور اُس کی شیوائی و زیبائی بیان کی۔ وسیلہ اظہار ہے۔ سب اُس کو اُستاد کامل جانتے ہیں۔ اور بعض اُسے حکیم مانتے ہیں۔ بہر تقدیر میدان فضائل و عُلا میں صاحبِ قدح معلّٰے ہے۔ اور کبھی کسی نے اُس کی قدح نہیں کی اور اُس کے کلام میں کوئی عیب نہیں نکالا۔ رشید الدین وطواط اپنی کتاب حدائق السحر میں کہتا ہے۔ کہ سخن سہل و ممتنع عرب میں ابو فراس سے مخصوص ہے۔ اور عجم میں خاصہ فرخی کا ہے۔ وہ عجم میں ایسا ہی ہے جیسا کہ عرب میں ابو فراس۔ ملک الشعراء پایۂ تخت محمودی عنصری اُسے اپنے برابر سمجھتا ہے جبھی تو کہتا ہے۔

خارج شود زلعت لبت طبع عنصری　　عاجز شود ز وصف خطت وہم فرخی

اُس کے بعد اکثر شعراء قصیدہ گو اُسی کی طرز کلام کے پیرو ہیں۔ مگر اُس کی برابری نہ کر سکے۔ طریقہ تغزل و مدح میں اس صناعت کے طبقہ اول کے لوگوں میں ہے۔ اور زمانہ محمود سبکتگین کے شعراء میں صف اول میں اُس کی جگہ ہے۔

کلام پر رائے علامہ شبلی اپنی قابل قدر کتاب شعر العجم جلد اول میں تحریر فرماتے ہیں کہ فرخی کے کلام کا جوہر زبان کی صفائی اور سلاست و

روانی ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ اس ابتدائی زمانہ میں اس نے زبان کو اسقدر صاف کر لیا کہ ہزار برس گذر چکنے پر بھی آج کی زبان معلوم ہوتی ہے۔ یہ حیرت اس طرح دفع ہو سکتی ہے کہ ہر شاعر زبان رائج الوقت میں کلام کیا کرتا ہے۔ اور اُسی کو نظم کرتا ہے۔ لیکن عربی دان لوگ عربی کی عظمت اور اُس کے دینی زبان ہونے کی وجہ سے عربی الفاظ کی بھرمار کو جزالت ومتانت کلام سمجھ کر استعمال کرتے ہیں۔ لہذا سادہ اور روزمرّہ کی زبان نہیں رہتی۔ چوتھی صدی ہجری تک کے شعراء ومصنفین کا کلام اکثر صاف وسادہ پایا جاتا ہے۔ فردوسی کا شاہنامہ اور نظامی عروضی سمرقندی کا چہار مقالہ اس امر پر شاہد عدل ہے۔ میر تقی میر متقدم ہیں مگر جتنا صاف اور سادہ ان کا کلام ہے۔ ناسخ اور غالب کا نہیں۔ یہ امر رجحان طبع پر موقوف ہے۔ ابتدائی شاعری صاف اور سادہ ہی ہوا کرتی ہے۔ تکلفات بعد والوں کا حصہ ہے

قاآنی کا بڑا اعجاز یہی خیال کیا جاتا ہے۔ کہ وہ قصائد میں ہر قسم کے واقعات اس طرح بے تکلف ادا کر جاتا ہے گویا دو آدمی پاس بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ فرخی سے اس کا موازنہ کرو تو صاف نظر آئے گا۔ کہ جو بات قاآنی کو ہزار برس بعد حاصل ہوئی۔ فرخی کو اُس وقت حاصل تھی۔ رمضان اور عید کے ذکر میں قاآنی کا ایک مشہور قصیدہ ہے۔ وھی هذا (در مدح والدۂ ناصرالدین شاہ)

دلکا ہیچ خبرداری کان ترک پسر	بامن از ناز دگر بار چہ آورد بسر
بلب نوشیں آمد شب دوشیں بسرائے	حلقہ بر در زد و برجستم و بکشودم در
گفت قاآنیکا تاکے خسپی بسرائے	خیز کز روزہ شد اوضاع جہاں زیر و زبر
غالباً مست چناں خفتہ اندر رمضان	کز مہ روزہ و از روزہ ترا نیست خبر

گفتم اے ترک دلارام مگر باز آمد
رمضان آں مہ شاہد کش و زاہد پرور

گفت آرے رمضان آمد و گوید کہ بخلق
رقم از بار خدا دارم و از پیغمبر

وقت آں آمد کاں واعظک از بعد نماز
ہمچو بوزینہ بیک بار جہد بر منبر

مکتوبا وفرض ۱۲

تہنیت عید فطر اور مدح امیر محمد بن محمود میں اسی بحر و قافیہ میں فرخی نے لکھا ہے۔

رمضان رفت و رہے دور گرفت اندر بر
خنک آنکس رمضان را بسر ابرو بسر

بس گرامی بود ایں ماہ ولیکن چکنم
رفتنی رفتہ بہ ورد ے نہادہ بسفر

رمضان گر بشد از راہ فراز آمد عید
عید فرخندہ زماہ رمضان نیکو تر

گاہ آں آمد کز شادی پر گردد دل
وقت آں آمد کز بادہ گران گردد سر

بادۂ روشن و آسودہ و صافی چو گلاب
ساقی دلبر و شائستہ و شیریں چو شکر

مطربا آں غزل نغز و دلاویز بیار
ورندانی بشنو تا غزلے گویم تر

مطلع ثانی

اے دریغا دل من کاں صنم سیمیں بر
دل من برد و مرا از دل او نیست خبر

او دلے داشت گرامی و دل دیگر یافت
کاشکے من دلکے یافتمے نیز دگر دش

اسی بحر اور انہیں قوافی میں اس کا ایک اور قصیدہ ہے جو سراسر بول چال کے موافق ہے۔

ترک بت روئے من از خواب گران دارد سر
دوش مے دادہ است از اول شب تا بسحر

نیند کے مارے مرے یار کا بھاری ہے سر
اول شب سے پلاتا رہا مے تا بسحر

من بچشم اورا دو بار نمودم کہ بخسپ
او ہمی گفت بستر تا برم ایں دور بسر

وہ یہ کہتا تھا کہ یہ دور تو ہو جائے ختم
میں اشاروں سے کہے جاتا تھا جا بستر پہ۔

شب بسر کرد بہ مے دادن و نشست و نخفت | دل من جست کہ ننشست و نخفت آن دلبر
مے پلانے میں نہ بیٹھا ہی نہ سویا وہ شوخ | میری خاطر سے یونہی رات ہوئی اُسکی بسر
حیلہ سازد کہ مے افزون خورد از نوبت خویش | ور تواند بخورد نوبت یاران دگر
اوسکو یہ فکر تھی باری پہ زیادہ پی لوں | اوروں کے حصہ کا ممکن ہو او ڑائے ساغر
کیست آن کو ندہد دل بچنین خدمت دوست | کیست آن کو نکشد بار چنین خدمت گر
کیوں نہ دل اُس سے لگاؤں کہ وہ ہے خدمت دوست | بار اُٹھائیگا ہر اک اُسکا جو ہو خدمت گر

فرخی جب کسی چیز کی تعریف یا کسی واقعہ کی حالت اور کیفیت بیان کرتا ہے تو اُس کا اصلی سماں آنکھوں کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ ایک قصیدہ میں مجلس عیش کی خیالی تصویر یوں کھینچتا ہے۔

سرو ساقی[1] و ماہ رود نواز | پردہ بستہ در رہ شہناز
زخمہ رود زن نہ پست و نہ تیز | زلف ساقی نہ کوتہ و نہ دراز
مجلسے خوب خسروانی وار | از سخن چین تہی و از غماز
بوستانے ز لالہ و سوسن | ہمچو روئے نذرود سینۂ باز
دوستانے مساعد و یک دل | کہ تواں گفت پیش ایشاں راز
ماہروئے نشاندہ اندر پیش | خوش زبان و موافق و دمساز
جعد او بر برند گشتی گیر | زلف او بر حریر چوگان باز
بادہ چوں گلاب روشن و تلخ | ماندہ در خم ز گاہ آدم باز
از چنیں مجلس و چنیں بادہ | ہیچ زاہد مرا ندارد باز

---

[1] سرو کا لفظ اس محل پر ناموزون ہے۔ اور عطف بھی بھلا نہیں معلوم ہوتا۔ لہذا یوں ہونا چاہیئے ساقی ماہ و رود نواز ٭ یا اس طرح ہو سے زہرہ آثار ماہ رود نواز ٭ یا اس طرح سے دست ساقی ماست رود نواز ٭ پردہ بستہ ایست در رہ شہناز ٭

سلطان محمود نے ایک باغ بڑے سروسامان سے تیار کرایا تھا۔ گلہائے رنگارنگ کے تختے کھِلے ہوئے تھے۔ جابجا نہریں جاری تھیں۔ دو طرفہ سرو شمشاد کے درخت مستانہ وار کھڑے جھوم رہے تھے۔ ایک طرف مصنوعی جھیل جس میں رنگ برنگ کی مچھلیاں ناک میں موتی پڑی کڑیاں پہنے پیرتی پھرتی تھیں۔ تصویر خانہ میں محمود کی مجسّم تصویریں۔ کہیں برچھا ہاتھ میں لئے ہوئے شکار کھیل رہا ہے۔ اور کہیں بزم عیش میں بیٹھا ہے اور شراب کا دَور چل رہا ہے۔ فرخی اس باغ کا نقشہ یوں کھینچتا ہے۔

بفرخندہ فال و بفرخندہ اختر   زنو باغ میخواست شاہ مظفر
درو مسکن ماہرویان مجلس   درو خانۂ شیر گیران لشکر
کجا جائے بزم است گلہائے بیجد   کجا جائے صید است مرغان بیمر
برکجا ۱۲
روان گرد برگرد رعنا درختان   تدروان آموختہ مادۂ و نر
یکے کاخ شاہانہ اندر میانش   سر کنگرہ برکنار دو پیکر
جوزا ۱۲
بکاخ اندرون صفّہائے مصفّا   درصفّہا ساختہ سوئے منظر
یکے ہمچو دیبائے چینی منقّش   یکے ہمچو ارژنگ مانی مصوّر
نگاریدہ درچند جا مر مصوّر   شہ شرق را اندران کاخ پیکر
بیکجائے درصید در دست ژوبین   بیکجائے در بزم بر دست ساغر
ازان کاخ فرخ چو اندر گذشتی   یکے رود آب اندرو ہمچو شکر
بنجرخست و اجزائے او چون ستارہ   نہ ابراست و آوائے او ہمچو تندر
اگر بگذرد بر سرش مرغ موجش   بیالاید اندر ہوا مرغ را پر
بدیشان بباغ اندران تندرودے   یکے ژرف دیبا مر آنرا برابر
بدو اندرون ماہیان چون عروسان   بگوش اندرون پر گہر حلقۂ زر

مکانے برآوردہ پہلوے دریا　　بداں تادران مے خورد شاہ صفدر

یمین دول شاہ محمود غازی　　امین ملل خسرو بندہ پرور

ابوالمظفر چغانی کے دربار میں جب یہ جا رہا تھا تو راہ میں اسے بہت تکلیفیں پیش آئیں۔ اس قصیدہ میں تمام حالات تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ اور مدح کی طرف گریز کا پہلو کس خوبصورتی سے پیدا کرتا ہے۔

رہے صعب و شبے تاریک و تیرہ　　ہوا چون قیروزہ ہامون مقیر

ہوا اندودہ رخسارہ بدودہ (تاریکی ۱۲)　　سپہر آراستہ چہرہ بہ گوہر (انجم ۱۲)

گمان بردی کہ باد اندر پر اگند　　بروے سبز دریا برگ عبہر

مجرہ چون بدریا راہ موسےٰ (کہکشاں ۱۲)　　کہ اندر قعر او بگذشت لشکر

رزمانے رفت و سر برزد مہ از کوہ (کچھ وقت گذرا ۱۲)　　برنگ روے مہجوران مزعفر

بریگ اندر ہمی شد بارہ تازان (اسپ ۱۲)　　چو در غرقاب مرد آشناور (پیراک ۱۲)

شکم مالان بہامون در ہمی رفت (پیٹ رگڑتا ہوا ۱۲)　　شدہ ہامون بزیر آن مقعر (شکم اسپ ۱۲ گڑھے والا ۱۲)

دمندہ اژدہائے پیشم آمد　　خروشان و بے آرام[1] وزمین در

گرفتہ دامن خاور بدنبال　　نہادہ برکران باختر سر

بہ باران بہاران گشتہ فربہ　　بگرمائے حزیران گشتہ لاغر

مدیح شاہ برجیحوں بخواندم　　برآمد بانگ از آب اللہ اکبر

کہ من شاگرد کف را دادیم　　کہ تو مدحش ہمی برخوانی از بر

---

[1] علامہ شبلی فرماتے ہیں کہ بے کی ی ظاہر نہیں ہوتی اور یہ قدما کی زبان ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ آرام کا الف ممدودہ برابر دو الف کے ہے۔ ی نہیں گری بلکہ آرام کا ایک الف گرا ہے اسکو قواعد تقطیع میں الف وصل کہتے ہیں۔ اور اسکا گرانا جائز ہے۔ اس قاعدہ پر عمل کرنیوالے متقدمین و متاخرین دونوں ہیں۔ انہیں اشعار کے اس مصرع سے برآمد بانگ از آب اللہ اکبر۔ میں لفظ آب کا ایک الف تقطیع سے خارج ہے۔ ز۔ ساقط نہیں۔

بفرشاہ از جیحون گذشتم | یکے موے از تن من نا شدہ تر
وزان جا تا بدین درگاہ گفتی | کشادستند مر فردوس را در
ہمہ بالا پر از دیبائے رومی | ہمہ پستی پر از کالائے ششتر (شہرے مشہور برائے قالین ۱۲)
تو گفتی ہیکل زردشت گشتہ است | زبس لالہ ہمہ صحرا اسراسر

فرخی تشبیب سے مدح کی طرف گریز نہایت خوش اسلوبی سے اور نہایت مربوط کرتا ہے۔ قصیدہ کے چار جزو مانے گئے ہیں۔(۱) تشبیب۔ (۲) گریز (۳) مدح ممدوح (۴) دعاے تابیدی جس پر قصیدہ کا اختتام ہوتا ہے۔ اگرچہ اس تحریر میں چند جگہ خوبی گریز کی طرف اشارہ ہوگا۔ یہاں بھی چند مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

ابر کی تعریف میں کہتے کہتے مدح کی طرف یوں گریز کرتا ہے۔

ہوا ے روشن از رنگش معنبر گشت و شد تیرہ | چو جان کافران گشتہ ز تیغ خسرو والا

امیر اسعد وزیر کی مدح میں ایک قصیدہ کہا ہے جس کی تشبیب بیان حال خزاں سے ہے۔ چنانچہ کہتا ہے۔

نیلگون پردہ برکشید ہوا | باغ بنوشت مندرش (مفرش ۱۲) دیبا

کچھ اشعار کے بعد کہتا ہے۔

گر نہ عاشق شد است برگ درخت | از چہ رخ زرد گشت و پشت دوتا
بادرا کیمیاے سودہ کہ داد | کہ از و زر سا و (خالص ۱۲) گشت گیا
گر گیا زرد گشت باک مدار | بس بود سرخروے خواجۂ ما

ایک قصیدہ کی تشبیب عشقیہ مضامین سے کرتا ہے۔

دوست دارم کودک سیمیں بر و بیجادہ لب | ہر کجا زیشان یکے بینی مرا آنجا طلب

اُس کودک کی تعریف میں کہتا ہے۔

ازدلارامی ونغزی چون غزلہائے شہید　　وزدلاویزی وخوبی چون ترانہ بوطلب

پھر گریز مدح کی طرف اس طرح کرتا ہے ۔

گرنہی شد زین بتان اکنون سرایم باک نیست　　دل پراست از آفرین خسرو خسرو نسب

دعائے تابیدی میں بھی خوب خوب تنوع پیدا کرتا ہے ۔

تاچو بنویسی بصورت ہر یکے چون ہم بوند　　شیر و شیر و ۔ دیر و دیر و ۔ زیر و زیر و حب و حب

تانسازد کامل اندر دائرہ با منسرح　　تانباشد وافر اندر دائرہ با مقتضب

شادمان باش اے کریم و در کریمی بے ریا　　بادشہ باش اے جواد و در جوادی بے ریب

بحور وافر و کامل دائرہ موتلفہ سے نکلتی ہیں ۔ اور منسرح و مقتضب دائرہ مشتبہ سے ایک اور قصیدہ میں دعائے تابیدی یوں لکھتا ہے ۔

تاچو شہریور در آید باز گردد عندلیب　　تاچو فروردین در آید پشت بنماید غراب

شادمان باوا زایزد بر گناہ اورا عفو　　دشمنش را بر نکوتر طاعت از ایزد عذاب

عفو اگرچہ بسکون ثانی ہے مگر شعرا تصرف کرکے بضم ثانی نظم کرتے ہیں ۔ چنانچہ شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎ عفو کردم از وے عملہاے زشت ٭ نکوتر طاعت کے معنے نماز کے ہیں ۔

ایک جگہ دعائے تابیدی میں یوں دعا دیتا ہے ۔

ہمیشہ تا بتوان یافتن ز علم نجوم　　مکان سیر کواکب بحکم اسطرلاب

جہان بحکم تو دارا و رہنمون تو باد　　محول الاحوال و مسبب الاسباب

دیگر

تابود سیستان برابر بست　　تابود کش برابر نخشب

تابحر اندر است وال و نہنگ　　تابگردون براست راس و ذنب

شادمانہ زی و تن آسان باش　　بعدو باز دار رنج و تعب

(باقی دارد)　　سید اولاد حسین شادان بلگرامی

بقر الوحش

(The Arabian Oryx)

قدیم عرب شعراء کے کلام میں بَقَرُ الوَحْش کا ذکر آتا ہے۔ زمانۂ حال کے مغربی سیّاحوں مثلاً ڈاوٹی۔ فلبی۔ کارُوتھرس وغیرہم نے اس جانور کے متعلق جو معلومات حاصل کی ہیں وہ ذیل میں ترتیب کے ساتھ درج کی جاتی ہیں شاید کہ ناظرین کی دلچسپی کا موجب ہوں۔

نام

اس جانور کا عربی اسم جنس بَقَرُ الوَحْش ہے۔ نر کو ثور یا ثور الوحش کہتے ہیں۔ اس کے نام سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی قسم کی گائے ہوگی مگر درحقیقت یہ گائے نہیں بلکہ ایک قسم کا ہرن ہے۔ جس کو بعض مشابہتوں کی بناء پر گائے کہہ دیتے ہیں۔ انگریز سیّاح ڈاوٹی نے عرب کے جن شمالی اور وسطی علاقوں میں سفر کیا، وہاں اُسے وضیحہ کہتے ہیں۔ چنانچہ اُس نے اپنے سفرنامے میں جہاں کہیں اس جانور کا ذکر کیا ہے۔ اس کو اسی نام سے یاد کیا ہے۔ یہ نام غالباً وَضَحٌ سے مشتق ہے۔ جس کا معنی سفیدی ہے۔ (اس جانور کا رنگ سفید ہوتا ہے)۔ عرب کے دیگر حصوں میں اس کے اور بھی نام ہیں۔ مثلاً دیار عرب کے شمال مغرب میں اُسے بالعموم مہا کہتے ہیں چنانچہ قبیلہ شرارات کے ہاں یہی نام مروّج ہے۔

جب علمی دُنیا کو پہلے پہل اس جانور کا علم ہُوا تو اس کا نام Antelope Lencoryx قرار پایا۔ بعض علماء نے بعد ازاں اس کو Beatrix بھی کہا، چنانچہ آج کل یہ جانور Beatrix یا Oryx Lencoryx یا Arabian Oryx کے نام سے موسوم ہے۔

جسامت اور شکل وصورت

عربی بقرالوحش کا قدو قامت اسی جانور کی افریقی قسم سے چھوٹا ہوتا ہے۔ کھُر سے لیکر کندھے تک اس کی اونچائی چالیس انچ کے قریب ہوتی ہے یعنی متوسط قد کے گدھے کے قریب۔ اور اس کی لمبائی ناک سے لیکر دُم تک ساٹھ انچ کے قریب ہوتی ہے۔ اس کی ہیئت جسمانی کے متعلق یہ عجیب بات ہے کہ افریقی نسل کے برعکس اس کی پیٹھ پر ایک چھوٹا سا مگر نمایاں کوہان ہوتا ہے۔ ٹانگوں کے مقابلہ میں کھُر بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ اور گائے کی طرح پھٹے ہوتے ہیں۔ یہ کھُر تقریباً ۳½ انچ لمبے اور ۳½ انچ چوڑے ہوتے ہیں۔

رنگت

جن چمکدار ریتلے میدانوں میں اس جانور کی بُود و باش ہے وہاں کی فضا کی موافقت سے اس کی رنگت بھی سفید ہوتی ہے۔ اس سبب سے سفید ریت میں اسے تمیز کرنا مشکل ہوتا ہے مگر سُرخ یا زرد رنگ کے ریتلے میدانوں میں چاندی کی طرح چمکتے ہیں اور بہت فاصلہ سے دکھائی

دیتے ہیں۔ پوری عمر کا جانور سفید محض ہوتا ہے۔ صرف ٹانگیں گہری نسواری بلکہ قریب قریب سیاہ ہوتی ہیں۔ جسم پر دونو طرف بھورے رنگ کی ایک ایک دھاری ہوتی ہے۔ جو کبھی تو گہرے یا دامی رنگ کی ہوتی ہے اور کبھی بالکل معدوم ہوتی ہے۔ بچے کا رنگ پیدایش کے وقت بھورا ہوتا ہے مگر ایک سال کے بعد سفید ہو جاتا ہے۔

سینگ

جوان جانور کے دو لمبے لمبے سیدھے سینگ ہوتے ہیں۔ جن کی لمبائی ۲۰ سے ۳۰ انچ تک ہوتی ہے۔ اوپر جا کر اُن کا درمیانی فاصلہ تقریباً ایک فٹ ہو جاتا ہے۔ مادہ کے سینگ نر کی نسبت زیادہ لمبے ہوتے ہیں۔

خصلت

یہ جانور بہت وحشی ہے اور ایسے لق و دق ریتلے میدانوں میں رہتا ہے۔ جہاں انسان کا گذر بمشکل ہوتا ہے۔ اگر کہیں انسان کی بُو بھی سونگھ لے یا قدموں کے نشان دیکھ پائے تو اُس علاقہ کو چھوڑ دیتا ہے۔ غرض کہ بہت سمجھدار جانور ہے۔ ہاں اگر چھوٹی عمر میں پکڑ لیا جائے تو پالنے سے انسان کے ساتھ مانوس بھی ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات بدوی لوگ اس کے بچوں کو صحرا سے پکڑ لاتے ہیں جنہیں امراء شہروں میں بڑے شوق سے اپنے محلات میں پالتے ہیں۔ اور بڑے ہو کر یہ جانور اُن کے مکانوں کو زینت دیتے ہیں۔ بعض اوقات امراء ان کو اپنے معزز دوستوں کو بطور تحفہ بھی دیتے ہیں۔

مادہ سرما میں بچے دیتی ہے۔ جو پیدائش کے چند گھنٹے بعد گلّے کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ ان کے گلّے چارہ کی تلاش میں صحرا کے دیگر حیوانوں کی طرح ہمیشہ ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل مکان کرتے رہتے ہیں۔

خوراک

یہ جانور پانی سے بے نیاز ہے۔ مل جائے تو پی لیتا ہے مگر اسکے بغیر بھی مدت تک زندہ رہ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ ایسے پودے اور جڑیں کھاتا ہے جو پانی سے خوب شاداب ہوتی ہیں۔ طرثوث وغیرہ قسم کی زیر زمین پیداوار کی تلاش میں رہتا ہے۔ جو پانی سے خوب سیراب ہوتی ہے۔ اُسے اپنے بڑے بڑے کھُروں سے کھود کر نکال لیتا ہے۔ اور اسی سے ضروری رطوبت حاصل کر لیتا ہے۔ ربیع میں جب جھاؤ وغیرہ درختوں کی نرم شاخیں شاداب ہوتی ہیں تو انکو بھی نہیں چھوڑتا۔

اسی طرح اونٹ بھی ربیع یعنی بہار کے دو مہینوں میں پانی کو منہ نہیں لگاتا۔ بلکہ ضروری رطوبت گھاس اور پودوں سے حاصل کر لیتا ہے۔ ایسی حالت میں جب حیوان پانی مطلق نہ پیئے۔ اور ضروری رطوبت تر و تازہ گھاس اور شاداب پودوں سے حاصل کرے تو اُسے جزء کہتے ہیں۔

عادات

اس جانور کی یہ ایک خاص عادت ہے کہ زمین پر بیٹھنے اور آرام کرنیسے پہلے مثل خرگوش کے زمین کو اپنے کھُروں کیساتھ کھودتا ہے اور اپنے بیٹھنے کیلئے ایک گڑھا سا بنا لیتا ہے۔ اسکے دو فائدے ہیں اول تو سطح کی گرم ریت کو ہٹانے سے نیچے ٹھنڈی زمین نکل آتی ہے۔ دوسرے اس طرح کے گڑھے میں دشمنوں سے نسبتاً محفوظ ہو

جاتا ہے۔ گڑھا اتنا گہرا ہوتا ہے کہ جب اس میں بیٹھ جاتا ہے تو دور سے صرف سر ہی دکھائی دیتا ہے۔ اس طرح سے وہ نہ صرف اپنے دشمنوں کی نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ بلکہ خود بھی اُنکی آمد و رفت کی دیکھ بھال کر سکتا ہے۔

یہ عادت صحرا کے دوسرے جانوروں میں بھی پائی جاتی ہے۔ غزال، خرگوش حتیٰ کہ سلوقی کتے بھی بیٹھنے سے پہلے زمین کو کم و بیش کھود لیتے ہیں۔

اس جانور کی آواز مثل گائے کے ہوتی ہے۔ غالباً اسی لئے اسکا نام بقرالوحش پڑ گیا ہے۔ نیز پالنے سے گائے کی طرح انسان کیساتھ مانوس ہو جاتا ہے اور بے ضرر بن جاتا ہے۔ اگرچہ عام طور پر مشہور ہے کہ یہ جانور بہت تندخو اور خطرناک ہے مگر یہ اُسی صورت میں خطرناک ثابت ہوتا ہے جب زخمی ہو جائے یا اُسے جائے فرار نہ رہے یا انسان یا حیوان اسکے بچوں پر حملہ کریں ایسی حالت میں وہ اپنے دشمن پر اپنے دونو سینگوں سے ایسی تیزی اور شدت کے ساتھ حملہ کرتا ہے کہ جان ہی لے کر چھوڑتا ہے۔

اس کا گوشت کھانے میں بہت مزیدار ہوتا ہے اور دیگر قسم کے ہرنوں سے زیادہ لذیذ سمجھا جاتا ہے۔ اسکی کھال بہت سخت ہوتی ہے اور بڑی قیمتی خیال کیجاتی ہے۔ اس سے جوتیاں اور مشکیزے بناتے ہیں جو بہت پائدار ثابت ہوتے ہیں بعض بدوی اسکے سینگ جو نکیلے اور ڈنڈے کی طرح لمبے ہوتے ہیں اپنے پاس رکھتے ہیں اور بوقت ضرورت اسکے ذریعے جنگلی جانوروں سے اپنی حفاظت کرتے ہیں۔ بدوی لوگ سینگ کو جلا کر سفوف بناتے ہیں اور اُسے بطور دوا استعمال کرتے ہیں اُنکا خیال ہے کہ یہ سفوف دافع بخار اور مقوی ہے۔

بقرالوحش ملک عرب کے ہر حصہ میں نہیں پایا جاتا بلکہ آجکل صرف شمالی نفود اور جنوب میں ربع الخالی میں ملتا ہے۔ یہ دونو علاقے باریک ریت کے ویران اور وسیع میدانوں اور ٹیلوں پر مشتمل ہیں جہاں اس جانور کا شکار کرنا آسان کام نہیں۔ گویا یہ علاقے اسکا ملجا و ماویٰ ہیں۔ دیگر علاقوں سے اسکی نسل منقطع ہو چکی ہے۔

(عنایت اللہ از جھنگ)

محرم بودش ارچه در صفر[۱] می ولی خالی بنود از نعمت نی
گہی سوی ندیمان ہوش میداشت سخن را چون گہر در گوش میداشت
گہ از مطرب نوای چنگ می جست نوا زشہا ز نگار نگ می جست
ازین سو بندہ خسرو باندیمان سخن می گفت زاوصاف کریمان
[وزان[۲] جانب محمد شاہ[۳] تر دست ہمی کرد از نوازش عقل را مست]
(۱۳۹ (۱) دوران مجلس کہ دل از دست می رفت گر آمد ہوشاری مست می رفت
ہمہ ماہ صفر زین سان بسر شد بماہ دیگر آئین دگر شد
بکاری گشت شہ مشغول تدبیر کہ گر دو بعد ازین در نامہ تحریر

گفتار در عطیۂ سلطان سہ شاہ را
از دور باش والا و ز چتر ہای زر

چو طالع پنجشنبہ را قوی گشت ربیع اولین را ہشردہ بگذشت
ببار عام شہ بر تخت بنشست بہر جانب[۴] * کلہداری کمر بست
سہ فرزند گرامی را بصد ناز[*] ز راہ تربیت شد کار پرداز[۵]
دو شہ را خاص کرد از مہر جویی دو چتر لعل با صد سرخ رویی
دو جانب دورباش زرفشان ولو علمہائی خلیفت وارشان داد
دو[*] خلعت داد غرق گوہر ناب مکلل کرد انجم را بمہتاب

---

[۱] د: سفر
[۲] و ب این بیت ندارد [۳] محمد شاہ: چنگیزی نامور کہ در عہد جلال الدین بودہ۔ در تاریخ برنی نامش محمد سنہ نوشتہ کہ سہو است ص۱۹۹ [۴] او ب در (ا) و پ * * ندارد [۵] ر (ا): بر دست [۶] و ب و پ * * ندارد

بغرق هر دو سرور قُندُز زر   دو سر از فرق مه بگذشت یکسر
هزاران جامه دیگر چرخ[1] وزربفت   ز بهر خاصگان هر دو شه رفت
چنان رنگین شد از خلعت جهانی   که در فصل ربیاحین گلستانی
نکاور توسانی داد خوش گام   براه از کاسهٔ سم گیتی آشام
دو خان دُرّ[2] و دو ده یک شمع بودند   چراغ آسا سرافرازی نمودند
چو ترتیب دو گوهر شد مهیا   نظر در دُرّ سیوم کرد دریا
مکلّل[3] خلعتی از دُرّ و یاقوت   که هر دُرّی دیاری را بود قوت[4]
بسی خلعت ز بهر کارداران   سفید و زرد چون گل در بهاران
علم فیروزه گون سر برده برماه   نمودار لوای خاصهٔ شاه
شد آن جمله ز گنج شاه تسلیم   بخان خُرد رکن الدین براهیم
(۱۴۹ ب) چو شد یکرنگ آن هر سر یگانه   ز رنگین خلعت و زرین نشانه
ملوک مملکت هر کس کم و بیش   نثاری کرد در اندازهٔ خویش
پس آنگه شه بدولت کوچ فرمود   غبارش سرمه در چشم فلک سود
ز بهر قطع ره شد تیز لیش[5] تیز   بر نتهور کرد آهنگ خونریز
نخستین[6] کوچ کز سیری روان کرد   بکهراوت[7] ندایت زرفشان کرد
وزان جا شد بچند اول عنان تاب   مقامی چند کرد اندر لب آب
بدان[8] تا مستعد گردد سپاهش   که روا ندر رهی داشت راهش

---

[1] ر (۱): خز [2] د ترتیب مصرعتین دگرگون نمود [3] ۹: چون دو دیده، د و پ: چون، در نسخهٔ ۹ دیده در معنی چشم چراغ آمده چون یکی از زوائد است [4] ر ک به تغلقنامه، ص ۱۳۱: یکی بکشاد بازوبند یاقوت - یکی سلکی که شهری را بود قوت [5] ر (۱) ندارد
اینجی بیت ندارد [6] د، بلهرافت، ر (۱) بلهرایت، ایلیت [7]: سهرایت [8] ۹ و ب در (۱) و پ این بیت

چو لشکر مستعد پیوست باشاه   علمها را سریع السیر شد ماه
مجرد شد بعزم ره رکابش   جریده رانده قلب بی‌حسابش
ز بس جنبش زمین را سرنگون[۲] کرد   دو منزل سر بر آوازی برون کرد
شباشب باز ببریدند ره را   که دور افتاد آن منزل سپه را
سحرگه رایت خرشید پایه   بخاک نار نول[۳] افگند سایه
وزانجا منزل اندر بیوهان[۴] بود   که خلق از تشنگی بسته دهان بود
زمینی خشک و در وی هیچ گاهے[۵]   نرسته در گل از خشکی گیاهے
سپاهی را که دریا ناورد تاب   دو سه چه کی تواند دادنش آب
ولی بخت شه دریا شمایل   محیطی راز هر چه کرد سایل
ز آب خویش که در هرچه بیفزود   همه خلق آب خورد[۶] و خوش بیاسود
دل تشنه ز بی‌آبی امان یافت   که آب زندگی در جوی جان یافت
وزان پس صد شتر بار آب در ره   ز بهر تشنگان می رفت باشه
کسی کو تشنه شد زان آب صافش   همی دادند بر قدر کفافش
(۱۴۰) پریشان مرکب دولت شتابان   بره می رفت چون باد بیابان
همه ره شه شکاری شیر می کرد   ز مغز شیر شاهین سیر می کرد
ز شیران در زمین افتاد چندان   که پنهان شد زمین در چنگ و دندان
رهی در هر دو سو کوه سرافراز   فراز کوه طاوسان[۷] بپرواز

---

۱ د: شد چست ۲ ا و ب: کرد نگون، د: بی سکون ۳ د: نار نور ۴ بنوهان
۵ چند چاهی ۶ خوش خورد و بیاسود -
۷ در (ا): طاوسی

دو هفته در کمستان قطع[1] آن راه — که تا در حد رنتهنبور شد شاه
برآمد خنجر رخشان زهر روی — درآمد غارت ترکان بهر سوی
دهی[2] کاندر به پیش افتاده یکسر — بتاراج علفداران لشکر
چنان بنیاد کارش در بهارفت[3] — که ذره ذره گشت و در هوا رفت
سوار بارگی می شد در اطراف — گرفته دامن که قاف تا قاف
زهندو کشته و آزرده می شد — یکی آواره[4] دیگر برده می شد
چنین تا در رسید اقبال شه تنگ[5] — زجهاین ماند تا[6] تا چار فرسنگ
روانه کرد سلطان جهانگیر — سواری چند را بهر زبان گیر[7]
کرهی نامی بهادر شهسواری — برون زد نوبتی با چند یاری
روان کردند ترکشها پر از تیر — چو شیر نیستان بر عزم نخچیر
درون[8] کوه می رفتند پویان — چو باز کوهساری صید جویان
زبس تندی که می راندند رهوار — زسودن سرمه می شد سنگ کهسار
چگویم[9] تیر آن تیزی سواران — که بر هر کوه جهاین ریخت باران
چو شصت ترک در گشتن درآمد — سواری پانصد از هندو برآمد
هر آن راوت که می آمد به پیکار — بتیر اولین می گشت بیکار

---

[1] د: شد [2] اصل: رهی، ر (ا)، این بیت ندارد [3] ر (ا): گشت [4] آوازه در معنی آویزه، د: آواره [5] تنگ: نزدیک و قریب (اند) [6] و تا با جهار ر (ا): تا با جهار [7] زبان گیر: یکی را از لشکر غنیم بگیر آوردن تا کیفیت و کمیت غنیم از و دریابند و آن شخص بگیر آمده را زبان گیر گویند [8] و ترتیب مرمین را تبدیل نموده ـ [9] و در (ا): چگونه

(۱۴۰ب) ز ترکان تیر زهر آلود می خورد | بهندی مار ! مار ! آواز[1] میکرد
به بیلک[2] رخنه از تن برگشادند | وزان رخنه اجل را درگشادند
بیک شست آن چهل چابک برآشفت | تنی هفتاد هندو بر زمین خفت
نمودند آن خسان را دست بردی | که آن گه رای شان دیدی بمردی
گریزان شد دگر هندو بانبوه | برفتن کرد رو در پشتهٔ کوه
سوار شاه چون فتحی چنان یافت | بزودی جانب لشکر عنان تافت
نشد دنبال آن جمعی پریشان | که اندک بود بسیاری از یشان
رسیدند و خبر بر شاه بردند | حساب رفته از[3] سر می شمردند
شه آن فال نخستین را قوی داشت[4] | نمودار فتوحی تازه پنداشت
وزان جا نامزد فرمود در روز | هزار از دل شگافان جگردوز
ملک خرم و کیلدریل رزم | دران تدبیر شد لشکرکش عزم
دگر از رزم سازان گزیده | سپهکش داشمند کار دیده
دگر عارض ملک[5] گر صد کند کار | ز خاموشی یکی نارد بگفتار
دگر اعظم قریبک خصم فرسای | ملک قتلغتگین لشکرآرای
دگر غازی پیکان (رو) پلارک . | امیر نارنول اعظم مبارک
دگر احمد که سر جاندار والاست | بدست راست شه را بازوی راست
دگر محمود سر جاندار کز تیر | بپور زال گوید کای زن پیر !!

---

[1] و وب و پ د ر (ا) و ج : آغاز [2] و : نه ، ر (ا) : ز

[3] ر (ا) و ب : جاهل [4] د : را از سر شمردند [5] و وب د ج و پ د

ر (ا) : کز صد گنه گار . ز خاموشی یکی نارد ناید بگفتار

دگر میر شکار احمد که آذر　　بر انگیزد ز پیکان چون برادر
دگر آن کو بپشت زین صف آراست　　اباجی[1] صف شکن اخربک راست
(۱۴۱) دگر لشکر همه مرد گزیده　　بتیر از پشت دشمن مهره چیده
بر آیین یزک راندند در پیش　　جنیبت[2] تند کرده بر بد اندیش
ز لشکر بود تا جهاین دو فرسنگ　　ولی کوهش گران بود و دره تنگ
بیک جنبش رسیدند اندر آن کوه　　شدند اندر دره یکسر بانبوه
بکوه آن زلزله کز لشکر افتاد　　از انجا هوی در جهاین در افتاد
خبر شد رای را زان جنبش نیز　　خلاص خویشتن را حیلت انگیز
همی زد دست و پای پیش از آن کار　　دران دم دست و پا گم کرد یکبار
طلب فرمود گردن ساهنین[3] را　　نه هند و بلکه کوه آهنین[4] را
اگرچه بود راوت چل هزارش　　از ایشان[5] ساهنی بد مرد کارش
دلیر و سخت کوش و کار دیده　　نبرد هندوان بسیار دیده
گهی در مالوه گشته[6] زبان گیر　　گهی در گوجرات افگنده نخچیر
بخواندش رای و در دم داد فرمان　　که درد آمد بکن تدبیر درمان
سواری کان بود در خورد پیکار　　گزین کن بیش بر تا چون شود[7] کار
برون زد ساهنی لشکر طلب کرد　　بلغو غار روز روشن را چو شب کرد
سواری ده هزار از راوت جنگ　　بکوشش راست شد با آن کشن آهنگ
روان کردند از جهاین تعجیل　　چو صف مور در جولانگه پیل

---

[1] ر (۱): اياجی [2] د: به [3] د: گرم [4] ر (۱) ساهنی و آهنی
[5] د: صد [6] د: ازین ها
[7] د و ر (۱) کرده [8] د: بود

گوزنی کو بود[1] از خون خود سیر بپای خود رود در بیشهٔ شیر
بزنر سر زند در جنگ[2] چندان که گرگش از کمین نمود[3] دندان
چو آید چنگ گرگ اندر قفایش نه از سر یاد ماندنی ز پایش
(۱۴ ب) دران حالت که آن شمشیربازان بترکان باز پیوستند تازان
نیزک داران لشکر تیر در شست بجستند از کمین چون شیر سرمست
برون زد کرگس خونین بپرواز هزار انداز شد تیر یک انداز
نگویم تیر کز دل شد گذارا که در سختی گذشت از سنگ خارا
نه برگستان[4] سپر می شد نه جوشن که از هر دیده می بگذشت روشن
یکی تیر از نی[5] اندر دل گره داد دگر تیر آن گره در رفت (و) بکشاد
چو در تن تیر جان فرسای می رفت همی زد سهم و دل از جای می رفت
چنان بگذشت آن[6] از کودک و پیر که از خون شاخ مرجان شد نی تیر
تو گوی نیزه شد کلک[7] خطائی که میکرد از گره حلقه ربایی
بسا سینه ز پیکان خطرناک که شد غربیل و خون می بیخت در خاک
گزه[8] در خون ز بس اطلس که بنمود ز اطلس دامن کوه معدنی بود
گلمر[9] لاله می رست از چپ و راست ز سوری[10] سرخ گل عدرویه می خاست

---

[1] د: شود [2] ر (۱) رزم [3] دندان نمودن۔ ترسانیدن

[4] د: برگسوان [5] ر (۱) پی [6] ر (۱): در [7] د: تیر [8] گزه: نوعی از تیر

[9] گلمر: نوعی از پیکان تیر: ازان گلمر که دل بر دور روان هم + ز هر تن لاله رست و ارغوان هم
تغلق نامه ص ۱۲۵ [10] سوری نوعی از پیکان،
ز سوری کان نه کم بد از کناره + جگر می شد چو سوری پاره پاره ۔ تغلق نامه ص ۱۲۵

زیاسج[1] هندوان را پاس جان بود — زبرگ[2] بید لرزه درجهان[3] بود
شکست از تیر سخت ان قول[4] غزدل — که باران سخت بود و خانه از گل
چو میدان تنگ شد باهم بناورد — در آمد ساهنی را سینه در گرد
گریزان شد سوارِ هندو از پیش — برون جستند شیران از کمین بیش
در آمد از قفاگه روی شمشیر — چنان کز پشت آهو پنجهٔ شیر
کشیده تیغ هر ترکی که بشتافت — بگاه سرشگافی موی بشگافت
بهر زخمی که زد تیغ سرانداز — سر هندو بزخم تیغ شد باز
(۱۴۲ الف) سر دشمن همی زد تیغِ سرزن — بدوزخ سرزده می رفت دشمن
بیک حمله که کار فتح رو داد — هزاران راوت کاری بیفتاد
دگر بعضی ببستن تن نهادند — کمند حکم را گردن نهادند
نگشت آزرده از ترکان سواری — نگر مجروح شد یک خاصه[5] داری
چرک زد[6] چشم زخمی را ز[7] یک خس — زبهر چشم او را زخم شد بس
زهندو رفت بعضی مرد خسته — بسان آهوئی از یوز جسته
خروشی در همه جهاین در افتاد — زهیبت خلق در[8] یکدیگر افتاد
شباشب رای بد بیرون[9] شد از جای — بدنبالش همه هندوی بدرای
زجهاین بر فراز کوه بر رفت — بکوهستان رنتهور در رفت

---

[1] یاسج: تیز [2] برگ بید: نوعی از پیکان [3] ب و پ: چنان
[4] پ: غول و د: قوم. قُول: انبوهِ سپاه (ترکی)
[5] د. جامه [6] د: ر. [7] و: شد [8] د: بر
[9] د: راهی برون جست

وزین جانب یزک داران منصور ید بیضا نموده اندران طور
مظفر بازگشتند از غزا گاه بفیروزی روان کردند بر شاه
رسیدند و بحضرت رخ[1] نهادند زمین در پیش مسند بوسه دادند
دران بُرد[2] آنچ بود آورده خویش همه آورده را بردند در پیش
برشته بسته[3] سرهای بریده زجوشنهای از پیکان دریده
ز تیزی جنس تیغ هندوی ساز زجنس تیزی اسپان سرافراز
قطار راوتان دست بسته تن از شمشیر و دل از سهم خسته
غنایم چون محل عرض شه یافت نشاطی در ضمیر پاک ره یافت
بدان آرندگان بسیار زر داد بران آورده ضم کرد و دگر داد
ازیشان هریکی از خلعت خاص میان موج[4] گوهر گشت غواص
(۴۴ اب) وزانجا مرکب[5] اقبال شادان روان شد سوی جهاین بامدادان
ز تُرّی[6] سپاه بیقیاسش دو منزل بود برآب بناسش

گفتار در گرفتن جهاین بعون فتح
وز تیغ کین دو نیمه زدن کوه را کمر

سیوم روز آفتاب عالم افروز درون جهاین آمد نیمهٔ روز
فرود آمد بخلوت خانهٔ رای که بود از سربلندی آسمان سای

---

[1] د: سر [2] بُرد: قسم بازی شطرنج که مهرهٔ حریف همه کشته شود و فقط شاه بماند
[3] د: برده [4] و د ب د پ و ر (ا) ، درج
[5] د: مرکب
[6] رک اجمیر گزیٹر ص۳ درین ایام را تونی می گویند

چه بیند بوستانی رسته از سنگ — درو حیران ز نقش خویش آژنگ[1]
منقش خانه از سنگ خارا — بهشتی هندوا نرا آشکارا
به[2] صورت کاری از نقش چینی — تصور گم شده در نقش بینی
نه صورت گر[3] قلم جانی کشیده — قلم بر صورت مانی کشیده
ز سنگ آراسته صد[4] پیکر روم — بران گونه که نتوان ساخت از موم
گچ دیوار او آئینه کردار — درو از عکس مردم نقش دیوار
گران فرهاد را در دل گذشتی — دلش را قصر شیرین تلخ گشتی
بگردون خشت سبزش باز خورده — ز سودن آسمان را سبز کرده
همه کهگل ز صندل های سوده — همه چوبش ز عود نا بسوده
خوش آمد شاه را آن قصر دلکش — زمانی داشت آنجا وقت را خوش
وز آنجا ره بگل گشت چمن کرد — گذر در قبله گاه بهر[5] من کرد
بسی بتخانه دید از سنگ سازش — ز طرز سیم و زر بسته طرازش
ز تیشه روی سنگ آن نقش دیده — گزان مانده قلم را سر بریده
۱۴۳ او نظر در هر بتی بیکار می[6] ماند — ز حیرت[7] روی در دیوار می ماند
ازان بتها شه ان روز اندر آن گشت — بیک نظارهٔ بس کرد و بگذشت
چو روز دیگر از بتخانه زنگ — بتان زر فرو رفتند در سنگ
شه مشرق برآمد تیغ در دست — شب هندو نسب را خرد[8] بشکست

---

[1] د، در (۱) و پ: ارزنگ [2] د: ز [3] د: در
[4] د: هر [5] د: برهمن [6] د: بیکار ماند
[7] د: حسرت [8] د: پشت

نگه تر داد فرمان شاه آفاق — که محراب بتان از بت شود طاق[۱]
بکاویدن فتند در حلقهٔ حصر — حصار جهائن و بتخانه و قصر
حشم در کاوش از هر سو بر آمد — که بنیاد متین یتین در آمد
کلنگ[۲] از هر کف دستی چنان جست — که پای قلعه شد زو چون کف دست
بقصر اندر فگندند آتشین سوز — بهشت دینه[۳] دوزخ گشت امروز
هر آن چوبی که جنت را ستون بود — بیکدم کندهٔ دوزخ شد از دود
ستون عود کز آتش برافروخت — دماغ غازیان را عود می سوخت
چنان قصری کشیده سر بافلاک — ز آسیب فلک غلطید در خاک
چنان کاویده شد بنیاد جهاین — که پر شد لشکر شاه از دفاین
همی آمد برون از هیل بالا — که داند خود شمار رخت و کالا؟
دران یغما که از اندازه شد بیش — تونگر شد بزر بسیار درویش
همه کس گنج بی رنجی همی یافت — ببر بیرانهٔ گنجی همی یافت
همه کس بهر غارت حیله می توخت — شه غازی بت و بتخانه می سوخت
گهی از بت جدا می کرد پیوند — گهی بتخانه را بنیاد می کند
[۴]ابا بستگین چنان بشکست بر جای — که سنگش سرمه شد بر کوری رای
ز هر بتخانه می آمد آواز — که آن محمود غازی زنده شد باز
همه بت بانگ می زد از نهانی — که احسنت[۵] ای خلیل الله ثانی

---

۱ طاق شدن = جدا شدن - چشم دارم که مرا ز دو جهان طاق کند
۲ د: کلنگ (Crane) طاق مردانهٔ ابروی دلاراتی کسی - صائب
۳ دینه: دیروز ۴ ل: حسب ر(ا) جنت

بتان بشکست تو[1] در حضرت روان کرد	روان تر زین غزای چون توان کرد
دو زشین بت که روئی بهرمن[2] بود	وزان هر یک هزار و چند من بود
بر آن شد کوشش سلطان غازی	که سازد نقل آنرا چاره سازی
شکست آن هر یکی را دست و پا خرد	بزرگانرا بقسمت جمله بسپرد
که چون در دار دولت باز رانند	بتانرا بر در مسجد رسانند
وزان پس چون ز کار بت بپرداخت	سپه بر بت پرستان گرم تر تاخت
دو لشکر یاد و لشکرکش برون راند	که آب تیغ از ایشان[3] جوی خون راند
یکی خورزم ملک فیروز[4] آثار	که لشکرکش همو بود اولین بار
دگر[5] فرزانه سر جاندار محمود	که در کوشش ز دریا بر کند دود
ز جهاتن[6] جمعی از کفار انبوه	نهان بودند زیر دامن کوه
چو سوزن سر درون کرده بهنجار	بدرز[7] غار و دامنهاء کهسار
کسی پیوند آن سررشته دریافت	بشه دامن بدندان کرد و بشتافت
ملک خورم رکاب آن سوی خوش کرد	زمین از نعل اسپان بارکش کرد
درون[8] کوه در شد گرم چون برق	که تیغ کوه را در خون کند غرق
سپه بر بشته بر می شد بهر سوی	برون می آمد از هر[9] پشته صد روی
غنیمت شد ستور و برده چندان	که ناید در شمار هوشمندان
ملک چون تنگ دید از بردگان راه	ببرد ابرد پیش آمد بدرگاه
(۱۴۲ او) وزان سوراند سر جاندار سرکش	بپشت بادپا چون کوه آتش

[1] و 'د' ندارد [2] د: برهمن [3] و وپ ر (ا) نقد [4] د: شان چون
[6] د: فیروزی [5] ر (ا) این بیت ندارد [6] د: دو فرنگی ز جهاتن جمعی انبوه
[7] د: بدرز [8] د: دران کوه و دره [9] د: سررشته

تبصرہ و تنقید

غالب یعنی نجم الدولہ، دبیر الملک، مرزا اسد خاں غالبؔ کی ایک مستند سوانحعمری خود مرزا ممدوح کے کلام نظم و نثر سے ماخوذ ہے۔ مصنف مولوی غلام رسول صاحب مہرؔ بی۔ اے مدیر روز نامہ انقلاب لاہور۔ مسلم پرنٹنگ پریس لاہور تعداد صفحات ۱۶ + ۴۷۹ = ۳۹۵ مع چار تصاویر کے قیمت ہے ر علاوہ محصول ڈاک ملنے کا پتہ۔ دفتر روز نامہ انقلاب لاہور

[مرقع چغتائی کے بعد "غالبیات" کے سلسلہ میں جو افسردگی اور خاموشی پیدا ہو گئی تھی۔ اسکو مولانا مہرؔ کی ہنگامہ خیز تصنیف "غالبؔ" نے بہت کچھ دُور کر دیا ہے۔ یہ کتاب خود مرزا غالبؔ کے کلام نظم و نثر سے مرتب کی گئی ہے مولانا مہرؔ نے التزام کیا ہے کہ صاحب سوانح کے کلام نظم و نثر سے اور اس کی نجی تحریروں سے ہی اس کے حالاتِ زندگی فراہم کئے جائیں۔ جن کی صداقت سے کوئی دوسرا شخص انکار نہیں کر سکتا

مہرؔ صاحب کی یہ کتاب جہاں تک غالبؔ کی سوشل زندگی کا تعلق ہے۔ ایک بے نظیر تصنیف ہے۔ اگر اسے شاعرانہ انداز میں "غالبؔ کی تصویر اس کے اپنے مُوقلم سے" کہا جائے تو مبالغہ نہ ہو گا۔ خطوط کے ذریعے مرتب کردہ سیرت کو اگرچہ مکمل نہیں کہا جا سکتا۔ تاہم اس کے حد درجہ دلکش اور مستند ہونے میں شبہ نہیں ہو سکتا۔ ذیل کے مقالہ میں صرف بعض ان مباحث کا ذکر ہے جو تکمیل کے محتاج ہیں اور غالبؔ کے خطوط اور دیگر تحریرات سے ان پر روشنی نہیں پڑتی۔

غالب کی عظمت مسلّم ہے۔ لیکن تنقید سے وراء الورا نہیں۔
اس لئے گذارش ہے کہ ان افکار کو اسی نقطۂ نظر سے پڑھا
جائے

کتابت وطباعت مناسب اور عمدہ ہے لیکن پروفوں کی غلطیاں موجود ہیں انڈکس کی ضرورت ہے۔ ۱

"زندانِ دہلی" کا اسیر اسد اللہ خاں غالب ۷۲ برس تک "نظم و نثر کی مشقت" اٹھا کر راہیٔ ملکِ بقا ہو گیا۔ لیکن معاصرین کی کور ذوقی پر افسوس ہوتا ہے کہ اس نادرِ روزگار شخصیت کی عظمت کا صحیح اعتراف عینِ حیات نہ ہوا۔ زمانہ تقلیدِ اسلاف کا دلدادہ اور غالب مسلکِ عوام کی پیروی سے متنفر، نتیجہ یہ ہوا کہ اس عظیم الشان شخص کی عظمت، اس کی جدّت اور تازہ خیالی کے پردوں میں چھپکر رہ گئی۔ مرزا غالب اہلِ عصر کی اس بے اعتنائی اور بدمذاقی کو دل ہی دل میں محسوس فرماتے تھے لیکن کیا کر سکتے تھے۔ البتہ آنے والی نسلوں کے متعلق ضرور حسنِ ظن رکھتے تھے چنانچہ فرماتے ہیں۔

شہرت شعرم بگیتی بعد من خواہد شدن

حسنِ اتفاق یہ کہ بہت تھوڑے دنوں کے بعد، غالب کی شہرت کا چاند افقِ ہند سے نکلا اور دیکھتے ہی دیکھتے ماہ دوہفتہ بن گیا۔

---

(۱) غالب نواب علاؤالدین احمد خاں کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

"۸ رجب ۱۲۱۲ھ کو مجھ کو روبکاری کے واسطے یہاں بھیجا۔ تیرہ برس حوالات میں رہا رجب ۱۲۲۵ھ کو میرے واسطے حکم دوامِ حبس صادر ہوا۔ ایک بیڑی میرے پاؤں میں ڈالدی دلی شہر کو زنداں مقرر کیا اور مجھے اس زنداں میں ڈالدیا۔ نظم و نثر کو مشقت ٹھہرایا۔"

آج قلمرو ہند میں غالب کو وہ مقام حاصل ہے جو شکسپیر کو انگلستان میں اور گوئٹے کو جرمنی میں۔

غالب کی مقبولیت یہاں غالب کی مقبولیت کے اسباب پر مفصل بحث کی ضرورت نہیں۔ صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ غالب نے جس قسم کی "یاسیت" اور "قنوطیت" کے احساسات قلمبند کئے ہیں وہ بہت حد تک گذشتہ پچاس سال کی نفسیات اور سپرٹ کے مطابق تھے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد ملک پر جو حوادث آئے اور خاندان مغلیہ کے زوال سے مسلمان جس بے بسی اور مجبوری کا شکار ہوئے اس نے دنیا کی بے ثباتی اور بے مہری کے احساس کو شدید ترین شکل میں نمایاں کر دیا تھا۔ غالب نے یاس اور فنا کو جس موثر انداز میں پیش کیا اس عہد کو اس کی ضرورت تھی۔ اور دل اس کو قبول کرنے کے لئے یکسر تیار تھے۔

(۲) پھر یہ بھی ہے کہ مغربی اثرات نے ملک میں جو آزاد خیالی پیدا کر دی تھی۔ اس کے پیش نظر صرف وہی شاعر مقبول ہو سکتا تھا۔ جو تقلید کے پامال راستے سے ہٹ کر آزاد راستوں میں چلنا پسند کرتا ہو۔ غالب نے اگرچہ تقلیدی اسلوب سے کامل بے تعلقی کا ثبوت نہیں دیا۔ تاہم اس کے اُردو کلام میں وہ عام بے معنی تذکرہ ہائے گل و بلبل کم ہیں۔ ملک کو ایک ایسے ادبی ہیرو کی ضرورت تھی جسے مغرب کے فحول شعرا کے مقابلے میں ہندوستان اور ہندوستانی کی طرف سے پیش کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس عزت کے لئے سوائے غالب کے کسی اور شخص کو منتخب نہیں کیا جا سکتا تھا۔

۳۔ زبانِ اُردو کے ساتھ بڑھتی ہوئی دلچسپیاں بھی کچھ نہ کچھ اس مقبولیت کی ذمہ دار ہیں۔ جو غالبؔ کو حاصل ہوئی۔ مانا کہ غالبؔ خود فارسی کے نقشہائے رنگ رنگ" کے مقابلے میں اپنے اُردو کے مجموعہ کو "بے رنگ" خیال فرماتے تھے۔ لیکن آج ان کی نگاہیں تہ خاک دیکھ رہی ہونگی۔ کہ ان کی شہرت کا سارا آب و رنگ اسی بے رنگی کے طفیل ہے۔

غرض غالبؔ کو ہندوستان میں وہ رفعت و عزت نصیب ہوئی کہ آج "غالب پسندی" بھی۔ ایک فیشن ہے گذشتہ تیس چالیس سال کے عرصے میں دیوان غالب کے بہت سے نسخے اور کلام غالبؔ کی بہت سی شروح شائع ہو چکی ہیں۔ مرزا کے سوانح میں یادگار غالبؔ کو اولیت و امتیاز حاصل ہے۔ حال ہی میں لاہور سے دیوان غالبؔ کا مصور ایڈیشن شائع ہوا۔ جس کا نام "مرقع چغتائی" ہے۔ چونکہ" غالب پسندی" کی تحریک زوروں پر ہے اس لئے توقع ہے کہ ملک " غالبیات" کے سلسلے میں اور بھی بہت سے کام کریگا۔ علی الخصوص کلام غالبؔ کو مغربی دنیا میں پہنچانے کے لئے کوئی عملی قدم اٹھایا جائیگا۔

مولانا غلام رسول مہر نے اپنی تصنیف" غالب" کے ذریعے اس تحریک کی خاموشیوں میں پھر ایک ہنگامہ پیدا کر دیا۔ یہ ایک سوانح عمری ہے۔ جو غالب کے خطوط اور دیگر تحریرات سے اخذ واقتباس سے مرتب کی گئی ہے۔ اگرچہ معاصرت تلمذ اور معیت کے اعتبار سے مولانا حالی کی کتاب کو مکمل ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ اس

ہیں بعض ایسے نقائص ہیں جنکے ازالہ و تکمیل کے لئے موجودہ تصنیف کی ضرورت تھی۔ یادگار کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اس میں واقعات کو تاریخ وار مرتب نہیں کیا گیا۔ جو ارتقائے شخصیت کو دکھانے کے لئے ازبس ضروری تھا۔ اس کے علاوہ بنظر غائر دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا حالی نے غالب کی ساری تحریرات کا مطالعہ نہیں فرمایا۔ اگر زیادہ سائنٹفک نقطہ نگاہ سے بحث کی جائے۔ تو حالی کی کتاب پر یہ اعتراض بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اس میں سنین کا التزام نہیں کیا گیا۔ یعنی ایک جگہ سن ہجری ہے اور دوسری جگہ عیسوی۔ اس طریقے سے پڑھنے والے کو وقت کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اور تصور کی وحدت میں فرق آتا ہے۔

ڈاکٹر بجنوری کے محاسن کلام غالب پر بحث کرنے کی یہاں ضرورت محسوس نہیں ہوتی کیونکہ تقلید آشنا دلوں، دماغوں اور کانوں کو بزرگوں کے متعلق معترضانہ باتیں قبول کرنے کی عادت نہیں۔ بجنوری مرحوم کا وہ عظیم الشان خطبہ جو ان پرشوکت الفاظ سے شروع ہوتا ہے:۔

"ہندوستان میں دو الہامی کتابیں ہیں۔ وید مقدس اور دیوان غالب"

بہت حد تک حوصلہ شکن ہے۔ اس لئے نہیں کہ خطبہ بطور خطبہ کے ناقص یا غیر مکمل ہے بلکہ اس لئے کہ اس میں تنقید ادبی کا صحیح حق ادا نہیں کیا گیا۔ مشرق ہمیشہ مشرق رہے گا اور مغرب مغرب، دونوں کا یوں مل جانا کہ ہر دو اپنی اپنی انفرادی خصوصیات

کو ایک دوسرے میں جذب کر دیں ناممکن ہے۔ لیکن بجنوری مرحوم کے خطبہ کے حرف حرف سے اس بلند حقیقت کی تغلیط ہو رہی ہے۔ غالب کے جسدِ شعر پر شلر، شکسپیئر اور گوئٹے کی قبائے تنگ کو چست کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ میں بجنوری مرحوم کی خوش عقیدتی پر ہزار آفریں کا اظہار کروں گا۔ لیکن یہ ضرور کہوں گا۔ کہ انہوں نے ایشیائی غالب کی تصویر نہیں کھینچی۔ بلکہ وہ محاسن کے بیان کرنے میں حدود تنقید سے اتنا تجاوز کر گئے ہیں کہ انہوں نے غالب کو مغرب کا شاعر بنا دیا ہے۔

لہٰذا ان سب تصانیف کے باوجود مولانا مہر کے شاہکار کے لئے جگہ خالی تھی خوش قسمتی کا مقام ہے کہ انہوں نے ایک ضرورت کو پورا کیا مولانا مہر نے غالب کے سوانح کو مرتب کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ زیادہ سائنٹفک ہے۔ تحقیق و تدقیق کی نظر میں اس قسم کی داخلی شہادتیں بشرطیکہ وہ مسلمات کے خلاف نہ ہوں بے حد قابل استناد مانی جاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ غالب کی سیرت لکھنے والا مکاتیب و رقعات کے اس بے بہا ذخیرے کو کسی حالت میں نظر انداز نہیں کر سکتا۔ کیونکہ غالب خط و کتابت میں بہت مستعد ہونے کے علاوہ کثیر الاحباب بھی تھے۔ اور حسن اخلاق کی بدولت ان کے تعلقات اکثر دوستوں سے مخلصانہ ہوتے تھے چنانچہ اپنے دوستوں سے اکثر واقعاتِ زندگی کی باتیں خطوں میں بیان کر ڈالتے تھے۔

مولانا مہر نے تحقیق و تجسس کے معاملے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی انہوں نے ہر گوشہ کو ٹٹولا۔ بہت سے اشخاص سے ملے۔ بہت سی

تحریریں پڑھیں ۔ اور خود غالب کے جو بیانات ناقابل تسلیم پائے ۔
انہیں جرح و تعدیل کے اصول پر کھا ۔

بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ مولانا مہر کی کتاب اس فن کے متعلق بہترین کتابوں میں ممتاز حیثیت حاصل کرے گی ۔ اور اہل ذوق جہاں یادگار کا مطالعہ فرمائیں گے ۔ وہاں انہیں اس کتاب کی مراجعت کی ضرورت بھی ضرور محسوس ہو گی ۔ کیونکہ "غالب" فی الحقیقت مولانا مہر کی تحریر کردہ نہیں بلکہ مرزا غالب کی خود نوشت ہے ۔

اس ضمن میں یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بعض بحثیں جو دوسری کتابوں میں تشنہ ہیں ۔ "غالب" بھی ان کے معاملے میں تسلی اور تسکین کا باعث نہیں بنتی ۔ کیونکہ ذاتی تحریرات کے ذریعے مرتب کردہ سوانح عمری جہاں مضبوط طریق پر قابل سند ہے ۔ وہاں ضروری نہیں ۔ کہ وہ مکمل بھی ہو ۔ ہوسکتا ہے کہ بعض ایسے مباحث بھی ہوں ۔ جن پر خط و کتابت میں سیر حاصل بحث نہ کی گئی ہو یا سرے سے اُن معاملات پر خطوں پر بحث کرنا مناسب ہی نہ خیال کیا گیا ہو ۔ اس خیال سے اگر غالب کے اوراق کو دیکھا جائے تو باوجود اپنی دلکشیوں اور دلچسپیوں کے بعض واقعات میں بدستور اُلجھنیں نظر آتی ہیں ۔

غالب کی منزلی زندگی غالب کی تحریروں سے عام طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ منزلی زندگی سے کوئی زیادہ خوش نہ تھے اور گھر کے کاروبار سے گھبراتے تھے لیکن مولانا مہر فرماتے ہیں ۱۔

"واقعہ یہ ہے کہ غالب کو اپنی بیگم صاحبہ سے بڑی محبت تھی ۔

بیگم صاحبہ بھی اپنے شوہر کی راحت و آسائش پر اپنی جان قربان کرتی تھیں" (غالب ص ۲۷)

منزلی زندگی کے ناخوشگوار ہونے کے متعلق جو تحریرات ملتی ہیں وہ مہر صاحب کے استنتاج سے مختلف ہیں۔ لیکن مولانا مہر کے نزدیک "یہ نظم و نثر کے تمام مندرجہ کرشمے غالب کی طبعی شوخی، فطری بے باکی اور پیدائشی ظرافت کا نتیجہ ہیں" (غالب ص ۲۷)

خطوط سے جو اقتباسات پیش کئے گئے ہیں۔ ان سے صرف اسقدر مستفاد ہوتا ہے کہ غالب تأہل کی کڑی اور ناخوشگوار ذمہ داریوں کا احساس رکھتے تھے۔ اور ان سے عہدہ برآ ہونے کو بطور ادائے فرض ضروری سمجھتے تھے۔ یہ کہ "غالب کو اپنی بیگم صاحبہ سے بڑی محبت تھی"۔ محض ایک رعایت ہے جو بوجہ خوش عقیدتی کے روا رکھی گئی ہے۔

غالب کا مذہب

"غالب کی تحریرات میں شیعیت کی جھلک نمایاں ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شیعیت محض تفضیل تک محدود تھی۔ ان کا خاندان جس حد تک میں معلوم کر سکا ہوں۔ سنّی تھا۔ ان کے سسرال کا سارا خاندان بھی سنّی تھا"۔ (غالب ص ۱۸۹)

جہاں تک غالب کی تحریرات سے پتہ چلتا ہے۔ غالب سنّی نہ تھے۔ ان کے سنّی ہونے کے حق میں ایک رباعی پیش کی جاسکتی ہے ؎

جن لوگوں کو ہے مجھ سے عداوت گہری کہتے ہیں مجھے وہ رافضی اور دہری
دہری کیونکر ہو جو کہ ہووے صوفی شیعی کیونکر ہو ماوراء النہری

لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ رباعی بادشاہ کو خوش رکھنے کے لئے کہی گئی ہے۔ یہ غالب کے سنّی ہونے پر اس لئے دلیل نہیں بن

سکتی۔ کہ بے شمار تحریرات اس کے خلاف موجود ہیں۔ ایک خط میں لکھتے ہیں

"چونکہ بھائی نے وجہ موقوفی وبحالی پوچھی تھی ان کو یہ عبارت پڑھا دینا اور بعد سلام و دعا کہنا:۔

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم اے بیخبر ز لذّت شرب مدام ما

دیکھا ہم کو یوں پلاتے ہیں، دریبے کے بنیوں کے لونڈوں کو پڑھانا اور مولوی مشہور ہو جانا اور رسایل ابوحنیفہ کو دیکھنا اور مسائل حیض و نفاس میں غوطے مارنا اور ہے اور عرفا کے کلام سے حقیقت حقہ وحدتِ وجود کو اپنے دلنشیں کرنا اور ہے، مشرک وہ ہیں جو وجود کو واجب وممکن میں مشترک جانتے ہیں، وہ مشرک ہیں جو مسیلمہ کو نبوت میں خاتم المرسلین کا شریک گردانتے ہیں، مشرک وہ ہیں جو نومسلموں کو بوالائمہ کا ہمسر مانتے ہیں۔ دوزخ انہی لوگوں کے واسطے ہے۔ میں موحد خالص اور مومن کامل ہوں زبان سے لا الہ الا اللہ کہتا ہوں اور دل میں لاموجود الا اللہ، لا موثر فی الوجود الا اللہ سمجھا ہوا ہوں۔ انبیا سب واجب التعظیم اور اپنے اپنے وقت میں سب مفترض الطاعۃ محمد علیہ السلام پر نبوت ختم ہوئی۔ ختم المرسلین اور رحمۃ للعالمین ہیں مقطع نبوت کا مطلع امامت اور امامت نہ اجماعی بلکہ من اللہ ہے۔ اور امام من اللہ علی علیہ السلام ثم حسن ثم حسین اسی طرح تا مہدی علیہ السلام ع

بریں زیستم ہم بریں بگذرم

اس اقتباس میں "نومسلموں" کا لفظ خلفائے راشدین ثلاثہ کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ بوالائمہ سے مراد حضرت علیؓ ہیں۔ امامت اجماعی کے مقابلے میں امامتِ من اللہ یا امامت وہبی' کا عقیدہ بھی شیعوں کا عقیدہ

ہے۔ ایک اور خط میں "مشرکین امامت مرتضوی" کی ترکیب استعمال کی ہے، جس سے غالب کے خیالات مذہبی کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے۔

منصور فرقہ علی اللّٰہیان منم
آوازۂ انا اسد اللّٰہ می زنم

غالب اور ہندی ایرانی نزع

غالب کے ہنگامہ کلکتہ کے وجوہ و بواعث سے ہمیں بحث نہیں۔ کیونکہ وہ ایک مقامی اور ہنگامی حیثیت رکھتا ہے اصلی بحث ہندی ایرانی نزاعِ ادبی کے متعلق غالب کے خیالات سے ہے۔ غالباً یہ ذکر کرنا غیر ضروری نہ سمجھا جائے گا کہ ہندوستان میں نووارد ایرانیوں کی ایک جماعت ہندوستانی علما و فضلا کے استخفاف و استہزا سے دریغ نہیں کیا کرتی تھی، اور اپنی فارسی کے مقابلے میں اہلِ ہند کی فارسی دانی کا مضحکہ اڑایا کرتی تھی۔ اس بات سے کسے انکار ہو سکتا ہے کہ ایک ایرانی کو فارسی زبان کے متعلق جو فہم و بصیرت حاصل ہو سکتی ہے وہ ہندوستانی کو کسی طرح نصیب نہیں ہو سکتی۔ تاہم اہلِ ہند میں بھی ایسے بے شمار اکابر ہو گذرے ہیں جن کی "فارسیت" ایک دنیا میں مسلم ہے اور جن کا لوہا خود اہلِ زبان مانتے تھے۔ مزید برآں یہ کہ اہلِ ہند فارسی زبان کی جو خدمات انجام دیتے تھے اس کا عشرِ عشیر بھی خود اہلِ ایران سے معرضِ وجود میں نہ آسکا۔

اس ایرانی عصبیت کی تحریک کا آغاز غالباً عہد اکبری سے ہوتا ہے۔ مغلیہ دَور میں ایران سے لوگ بکثرت ہندوستان میں وارد ہوتے تھے۔ اور یہیں توطن اختیار کر لیتے تھے، ایرانی مہاجرت کے ساتھ ہندوستان میں ایک اچھی خاصی جماعت ان لوگوں کی بود و باش رکھنے لگی۔ چنانچہ نتیجہ

تمدن کے طور پر آپس میں نوک جھونک پیدا ہو گئی۔ جہانگیر کے زمانے میں ملا شیدا ہندی اہل ہند کی طرف سے نمایندگی کیا کرتے تھے۔ جب علی حزین ہندوستان میں آئے تو انھوں نے بھی فخر و غرور کے انداز میں اہل ہند کی پھبتیاں کہنی شروع کیں اس زمانے میں خانِ آرزو نے اہلِ ہندوستان کی فارسی دانی کی حمایت کا فرض انجام دیا۔

غالب نے کلکتہ میں قتیل و واقف کے متعلق جو کچھ کہا وہ دراصل اسی قدیم نزاع کی جدید پیدائش تھی جس کے خلاف "ہندوستانی" جماعت نے آواز بلند کی۔ غالب کا تورانی و ایرانی ہونا مسلم لیکن پشتہا پشت سے وہ ہندوستان ہی کے باشندے تھے۔ محض ملا عبدالصمد کی چندروزہ صحبت سے (اور وہ بھی خیالی معلوم ہوتی ہے) وہ پایۂ استناد انہیں کیسے حاصل ہوسکتا تھا۔ کہ وہ اپنے سوا ساری دنیا کو ناقابل استناد سمجھیں۔ دراصل ہنگامۂ کلکتہ غالب کے اسی جذبۂ ایرانیت کے خلاف تھا۔ برہانِ قاطع کے سلسلے میں جو کچھ ہُوا۔ اس پر بھی تحریرات کوئی زیادہ روشنی نہیں ڈالتیں۔ اور نہ مولانا مہر کی کتاب، معلومات میں اضافہ کرتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ غالب نے برہانِ قاطع پر جو اعتراضات کئے ہیں۔ وہ کہاں تک درست ہیں، دنیا میں کسی فرد بشر کے متعلق نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا کوئی کام غلطی و سہو سے پاک ہے، محمد حسین بتریزی یا دکنی (بقول غالب) بھی ایک انسان تھا۔ اور کہا جاسکتا ہے۔ کہ اس کی کتاب بھی غلطیوں سے پاک نہ ہوگی۔ لیکن غالب کے استدراکات کا مطالعہ بتلاتا ہے۔ کہ انھوں نے غصہ کے عالم میں بہت کچھ کھینچا تانی کی ہے اور اعتراض محض اعتراض کی غرض سے کئے ہیں اور بنائے اعتراض صرف یہ ہے کہ مصنف قاطع برہان ہندوستانی

تھا۔

غالب اور تصحیح آئین اکبری آج آئین اکبری کی تصحیح، ہندوستان کی تاریخ کو استوار بنیادوں پر کھڑا کرنے کے لئے کتنی اہم اور ضروری چیز سمجھی جاتی ہے۔ لیکن جب سرسید آئین پر تقریظ لکھنے کی درخواست کرتے ہیں تو مرزا غالب کی طرف سے ایک ایسا جواب ملتا ہے۔ جس سے بہت سے لوگوں کو مایوسی ہوگی۔ مولانا مہر مرزا غالب کی اس بات کے متعلق مبہم طریق پر اظہار رائے فرماتے ہیں حالانکہ غالب کی رائے اس بارے میں یقیناً غلط تھی۔ مرزا صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اسلاف کے ان کارناموں سے قطع نظر کرلو۔ اور انگریزوں کے آئین ملاحظہ کرو۔ کیونکہ اس آئین کے مقابلے میں پرانے آئین "تقویم پارینہ" کا درجہ رکھتے ہیں:-

پیش این آئین کہ دارد روزگار — گشتہ آئین دگر تقویم پار

مردہ پروردن مبارک کار نیست — خود بگو کاں نیز جز گفتار نیست

مرزا جن لوگوں کے "آئین" سے مرعوب ہو کر "آئین اکبری" کو تقویم پارینہ خیال فرماتے ہیں۔ سید نے انھی لوگوں کے نقش قدم پر چل کر ایان ہی کی مثال سے متاثر ہو کر آئین کی تصحیح کا کام اپنے ذمے لیا تھا۔ گمانِ غالب ہے کہ مرزا آئین فرنگ سے مرعوب ہونے کے علاوہ اپنی "تورانی اور ایرانی رحم" کے زیر اثر بھی ابوالفضل ہندی کی کتاب سے سروکار رکھنا باعث ننگ سمجھتے ہوں گے۔

غالب اور واقعات غدر مولانا مہر فرماتے ہیں:- "انگریزی فوج کے ظلم اور زیادتیاں بیان کرنے میں غالب

نے تامّل نہیں کیا۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ غالب کی یاس و قنوط سے بھری ہوئی شاعری کو زمانے کی آواز سمجھنا چاہیئے یعنی اگر غدر اور اس کے گرد وپیش کا مطالعہ کرنا ہو تو غالب کی شاعری کا مطالعہ کر لیا جائے یہ حسن اتفاق ہے کہ غالب کی شاعری زمانے کی عام مایوسانہ ذہنیت سے منطبق ہو گئی لیکن سوال یہ ہے کہ کیا غالب اپنی ذاتی پریشانیوں سے متاثر ہو کر مایوس راگ نکال رہے ہیں جنہیں بہرحال خود بیتی کہنا چاہیئے۔ یا اہل ہندوستان کے عمومی مصائب سے ان کا دل خون ہوا جاتا ہے۔ ڈاکٹر بجنوری مرحوم نے اس معاملے میں حسبِ معمول بہت انتہاپسندانہ رائے قائم کی ہے۔ آپ کے نزدیک غالب ایک یونیورسل شاعر تھا جس پر یہ مصرعہ صادق آتا ہے

سارے جہاں کا درد ہمارے ہی دل میں ہے

لیکن واقعات غدر کے سلسلے میں غالب کا دیوان اور دوسرے مسودات جس درجہ تشنہ ہیں ان کے پیش نظر یہ دعوے کرنا شاید مشکل ہوگا ایک دو قطعے کسی دعوے کے اثبات کے لئے کافی نہیں بہت سے حضرات ع اے تازہ واردانِ بساط ہوائے دل، سے ہی غدر کی ساری داستان نکالتے ہیں اور بعض غالب کے ایک دو زیادہ صاف وصریح اشارات سے یہ دعوے قائم کر لیتے ہیں کہ غالب کی ساری شاعری اس عہد یاس و قنوط کا پرتو ہے، حالانکہ یہ نتیجہ نکالنا شاید درست نہ ہوگا۔ میرا اعتراض یہ ہے کہ اس خونی زمانے کی جو تصویر کھینچی جا سکتی تھی۔ غالب نے خارجی اثرات کے ماتحت اس کے کھینچنے میں تامل کیا ہے۔ واقعات غدر بھی مرتب کرائے تو ایسے کہ ان سے صرف ذات کی برأت مدنظر تھی اور بس، انہوں نے کچھ لکھا تو صرف اتنا لکھا کہ:-

"انصاف کرو لکھوں تو کیا لکھوں کچھ لکھ سکتا ہوں یا لکھنے کے قابل ہوں
تم نے جو مجھ کو لکھا تو کیا لکھا اور اب میں جو لکھتا ہوں تو کیا لکھتا ہوں بس اتنا ہی
ہے کہ اب تک تم ہم جیتے ہیں زیادہ اس سے نہ تم لکھوگے نہ میں لکھوں گا"
(مکتوب ۲۶ دسمبر ۱۸۵۵ء)

دنیا میں سوائے نبیوں کے جتنی بڑی شخصیتیں ہوتی ہیں۔ان کی خامیاں بھی ان کی عظمت کے مطابق بڑی ہوتی ہیں ایک سوانح نگار کا فرض ہے کہ وہ "تمنائے معیت" میں گم ہو کر ان خامیوں کو نظر انداز نہ کرے۔غالب کی عظمت اور بلند مرتبہ سے کوئی صاحبِ ذوق انکار نہیں کر سکتا۔وہ ہمارے نزدیک شیکسپیر اور ملٹن اور شلر سے بدرجہا بلند اور ارفع درجہ رکھتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ "مدارج انسانیت" کے ارتقا کے اعتبار سے ان کی ہر بات مکمل اور بےعیب سمجھی جائے۔غالب کے کیریکٹر کے بعض ایسے پہلو بھی ہیں جن کو نمایاں کرنے میں بعض اوقات خوش عقیدتی اور فرطِ محبت مانع آتی ہے۔مولانا مہر نے غالب کی جو "تزک" تیار کی ہے اس میں بعض جگہ محبت کے زیر اثر صاف صاف باتیں نہیں کیں۔جو ان کا اولین فرض تھا۔

یہ چند امور ایسے ہیں جن پر غالب کی تحریرات زیادہ صاف نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا مہر نے بھی شاید ان کے متعلق کوئی زیادہ بحث نہیں کی۔تاہم صدہا مسائل ایسے ہیں جو پہلی دفعہ اس کتاب کے ذریعے اپنی اصلی شکل میں ہمارے سامنے آئے ہیں یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ غالب کی اس سے بہتر سیرت تا حال نہیں لکھی گئی اور مستقبل کا سیرت نگار بھی اس کے حوالہ و مطالعہ سے بے نیاز نہیں ہو گا۔

سید محمد عبداللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

علم کلام اور نظریہ "استطاعۃ"

اس دور پر فتن میں جہاں عقائد و اخلاق و اعمال کا شیرازہ یکسر درہم برہم ہو چکا ہے - اور الحاد و بیدینی، زندقہ و خلیع العذاری نے اس کی جگہ لے لی ہے- علم عقائد، یا اُس کے کسی دقیق مسئلہ پر بحث کرنا- کسی دشوار اور پر پیچ نظریہ کو حل کرنا- "کوہ کندن کاہ بر آوردن" کا مصداق ہے- بھلا جس فضا میں اصول فطری کا انکار و تکذیب آزادیٔ خیال سے ملقب ہو- دستور الٰہی کے استہزا کو سب سے بڑا کارنامہ سمجھا جاتا ہو وہاں عقائد، اور پھر وہ بھی جلیلہ نہیں بلکہ دقیقہ کی تلقین یا حل کیا معنے رکھتا ہے - پھر جب سمعیات قطعیہ "بجوے نیر زند" کے درجہ پر آ چکے ہوں- تو دقائق کلام پر خامہ فرسائی کرنا قطعاً غیر موزوں اور صدائے بے ہنگام ہے -

مگر یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ سلف کے تمام کارناموں کو بالکل فراموش کر دیا جائے - اور صرصر الحاد کے اندیشہ سے اُن کی بہترین یادگاروں کو طاق نسیاں پر رکھدیا جائے - باد نکبا کے خوف سے توتیا کو خیرباد کہدینا کوئی اصول نہیں ہو سکتا-

بنابریں آج کی صحبت میں ہم علم عقائد - اس کی ابتداء اس کے مدوّن اول پھر اس کی تدریجی ترقی، بعدہٗ اس کے حسن و قبح پر کسی قدر تفصیل سے بحث کرنا چاہتے ہیں- اس کے بعد اگر وقت بلا

تو دوسری فصل میں علم کلام کے ایک دقیق، غور طلب، اختلافی مسئلہ پر خامہ فرسائی کریں گے۔ تاکہ عہد سلف سے انتساب قائم رہے۔ اور تشنہ کامان علم، مذاق سلف اور اس کی دقت و لطافت کی داد دیں وباللہ الثقۃ

فصل اوّل

(علم کلام کی تاریخ)

ابتدا میں اس فن کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ صحیح الفطرت، صحیح المذاق، سادہ طبع اعراب کے لئے قرآن و حدیث کے ارشادات کافی وافی سمجھے جاتے تھے۔ نہ کچھی کنج وکاو تھا۔ اور نہ غیر ضروری موشگافیاں، پھر قانون جس زبان میں ہے وہ ان کی مادری زبان ہے اس لئے قانون کی تہ تک پہنچنا۔ اور قانون ساز کی مرضی کو جان لینا ان کے لئے دشوار نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک غیر مسلم بدوی پر قرآن کریم کی ایک آیت کا اتنا زبردست اثر ہوتا تھا۔ جو آج ایک باکمال عجمی عالم پر نہیں ہوتا۔ وہ فطرتاً قرآن کی تہ تک پہنچتا ہے۔ اور عجمی کو اصطلاحات حادثہ کے چکر میں لاکر قانون سے روشناس کرایا جاتا ہے۔ فشتان ما بینہما

اسلامی قانون کسی عہد اور کسی مخصوص خطہ، خاص طبقہ کے لئے نازل نہیں ہوا تھا۔ اس کا نظام تمام تر تبلیغی تھا۔ اس لئے اسلام جب عرب سے نکل کر عجم میں آیا۔ تو اس کی تبلیغی شان نے کئی ایک نئے باب پیدا کئے۔ عجمی غیر مسلموں کو قائل کرنے کے لئے بہت سے

مسائل پیش آئے۔ مثلاً تاویل متشابہات، کلام الٰہی کا قدم یا حدوث، پھر نومسلموں میں اسلام نے گو اپنا گھر بنایا۔ مگر ساتھ ہی اُن کے پیدائشی خیالات، اور ماحول کے تاثرات یکسر نہ مٹنے تھے نہ مٹے۔ بنابریں مختلف فرقوں کی داغ بیل پڑی۔

الفرق المختلفة فرقہ ہائے شیعہ و خوارج گو اسلام کے قدیم اختلافی گروہ ہیں۔ مگر ان کا موضوع خیال درحقیقت سیاسی اور محض سیاسی تھا۔ البتہ معتزلہ ایسا فرقہ تھا جس کا مذاق سراسر علمی اور ان کی موشگافیاں تمام تر عقلی تھیں۔ جیسے شیخ عبدالعزیز بخاری نے شرح اصول بزدوی میں خود امام ابو حنیفہ سے نقل کیا ہے "ولم یکن فی طبقات اہل الاہواء احذ جد من المعتزلہ ان ظاہر کلامھم مموہ یقبلہ القلوب و کتت ازیل نو یھم بمبدء الکلام و منیمہ ابانتہ ص۱۱۸ (طبع حیدرآباد) پھر سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ معتزلہ (دیگر فرقوں کی طرح) اپنے تمام تر اصولوں کو قرآن کریم سے استنباط کرتے تھے۔ اور احادیث کے دفاتر کو اپنے مقصد کے خلاف پاکر ردّی کی ٹوکری میں پھینک دینے کے عادی تھے۔ بالفاظ دیگر قرآن کریم کو اپنے اصولوں پر ڈھال کر وحی الٰہی سے وہ کہلوانا چاہتے تھے جو خود ان کی زبان پر ہو یا دل میں مخفی ہو۔ اسی کو تحریف معنوی کہا جاتا ہے۔ جس کی بدولت مذاہب سابقہ برباد ہوئے ناممکن تھا کہ ہمارے اسلاف اس صورت حالات کو خاموشی سے برداشت کرتے۔

تفاسیر معتزلہ امام ابوالحسن اشعری متوفی ۳۲۴ھ امام اشاعرہ اپنی

تفسیر مسمی بہ "المختزن[۵۱]" کے خطبہ میں لکھتے ہیں :-

انما اخذوا تفسیرہم عن ابی الہذیل بیاع العلف و متبعیہ، وعن ابراہیم النظام و مقلدیہ۔ وعن الفوطی و ناصریہ وعن المنسوب الی قریۃ جُبّا و منتحلیہ وعن الاشج جعفر بن حرب و مجتبیہ وعن جعفر بن مبشر القصبی و متعصبیہ وعن الاسکافی الجاہل و معظمیہ وعن الفروی المنسوب الی مدینۃ بلخ و ذویہ فانہم قادۃ الضلال من المعتزلہ الجہال .... ورایت الجبائی الف فی تفسیر القرآن کتاباً اوّلہ علی خلاف ما انزل اللہ عزّ وجل و علی

(ترجمہ) تفاسیر معتزلہ کے ماخذ حسب ذیل ہیں۔ محمد بن علاف ابوالہذیل اور اس کے متبع۔ ابراہیم بن سیار نظام اور اس کے مقلد۔ فوطی اور اس کے امدادی۔ جبائی اور اس کے ہم مشرب۔ اشج جعفر بن حرب اور اس کے نقش پا پر چلنے والے۔ جعفر بن مبشر قصبی اور اس کی ہاں میں ہاں ملانے والے۔ اسکافی جاہل اور اس کے حمایتی۔ فروی بلخی اور اس کے حمایتی۔ یہ تمام کیا امام اور کیا مقلد، جاہل معتزلی

---

[۵۱] اشعری کی کتاب التفسیر کتاب المختزن کے نام سے مشہور ہے۔ مگر اس کا اصل نام خود مصنف نے یہ رکھا۔ "تفسیر القرآن والرد علی من خالف البیان من اہل الافک والبہتان" مقریزی نے اس کی ستر جلدیں بیان کی ہیں۔ اور قاضی ابوبکر بن عربی نے پانچ سو جلدیں لکھی ہیں۔ اس اختلاف کا باعث اختلاف خط ہی ہو سکتا ہے۔ قاضی عبدالجبار ہمدانی معتزلی نے اس تفسیر کا اختصار کر کے اس کا نام "محیط" رکھا۔ جس کی ایک سو جلدیں ہیں۔ قاضی ابن عربی فرماتے ہیں کہ ہم نے مدرسہ نظامیہ بغداد میں اس کا مطالعہ کیا ہے۔ حواشی تبیین صلا ۲۹ صلا ۱۳۸

اہل جبا قریتہ المعروفۃ ولیس من اہل اللسان الذی نزل بہ القرآن وما روی فی کتابہ حرفا واحداً عن احد من المفسرین، انما اعتمد علی ما وسوس بہ صدرہ و شیطانہ ولولا انہ استغوی بکتابہ کثیراً من العوام، واستنزل بہ عن الحق کثیرا من الفعام لم یکن لتشاغلی بہ وجہ ھ تبیین لابن عساکرہ صہ ۱۳۸ و مرآۃ الجنان للیافعی صہ ۳/۲

اور داعیان ضلال ہیں۔ میں نے محمد بن عبدالوہاب جبائی کی تفسیر قرآن دیکھی جو ابتدا سے انتہا تک خلاف مراد الٰہی ہے۔ وہ اس کی اپنی بستی جبا کی زبان اور اس کے مطابق ہو۔ تو ہو۔ ورنہ لغت عرب جس میں قرآن نازل ہوا، کے سراسر خلاف ہے۔ خدا کے بندے نے ساری کتاب میں سلف سے ایک حرف بھی نقل نہیں کیا۔ اپنے وساوس و اوہام سے کتاب کو بھر دیا۔ جو شیطان نے اس کو القا کئے تھے۔ اگر اس کی اس کتاب سے بہت سے عوام گمراہ نہ ہو گئے ہوتے اور اس کے ہاتھوں کئی لوگ عقیدۂ بد کا شکار نہ ہوئے ہوتے، تو مجھے اس کی تردید کی ضرورت ہی نہ تھی۔

پنج بنائے اعتزال اس کے علاوہ جن اصولوں کی طرف معتزلہ دعوت دیتے رہے۔ وہ پانچ اصول حسب ذیل ہیں۔ (الف) اصول لطف (ب) وجوب ثواب بر طاعۃ (ج) وجوب عذاب بر معصیت (د) وجوب رعایت اصلح برائے عباد (ھ) وجوب عوض از آلام۔ مسامرہ صہ ۲۴/۱۔

امام اعظم اور علم عقائد بنابریں سب سے پہلے حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اس فن کی تدوین کی ضرورت محسوس فرمائی۔ اور اس موضوع پر اپنی

تصنیف کا نام "الفقہ الاکبر" رکھا۔ کیونکہ عقائد کا صحیح کرنا، اور ان کو دستبرد معتزلہ سے بچانا سب سے بڑی فقاہت ہے۔ فقہ اکبر کے علاوہ اور بھی چند کتابیں اسی موضوع پر حضرت امام کی یادگار ہیں۔

موضوع کی اہمیت ملاحظہ ہو، کہ حضرت امام اعظمؒ دنیائے اسلام کے لئے پیشوائے فقہ مانے گئے ہیں۔ "کما قال الامام الشافعی الناس عیال فی الفقہ علی ابی حنیفۃ" مگر موضوع فقہ پر آپ سے کوئی کتاب یادگار نہیں۔ آپ کا قلم جب کبھی اُٹھتا ہے تو فقط علم عقائد کی گرہ کشائی کے لئے۔

اس سے اس علم کی عظمت و اہمیت، اور فرقہ معتزلہ کی جاں گسل کوششوں کا خوفناک خاکہ سامنے آجاتا ہے۔

تصانیف حضرت امام اعظمؒ ذیل میں ہم چند حوالوں سے حضرت امام کی تصنیفات کے نام ذکر کرتے ہیں

(۱) قال ابن الندیم فی کتاب الفہرست للامام الاعظم من الکتب کتاب الفقہ الاکبر وکتاب رسالتہ الی البستی و کتاب العالم والمتعلم وکتاب الرد علی القدریہ ھ	(ترجمہ) ابن ندیم متوفی ۳۸۵ھ نے کتاب الفہرست طبع مصر ۲۸۵ میں لکھا ہے کہ امام اعظمؒ کی حسب ذیل تصنیفات ہیں (۱) فقہ اکبر (۲) رسالہ بنام بستی (۳) کتاب عالم و متعلم (۴) کتاب رد بر قدریہ۔

(۲) عبدالقاہر بغدادی تیمی شافعی متوفی ۴۲۹ھ اپنی تصنیف "اصول الدین" صہ ۳۰۸ میں لکھتے ہیں۔

اول متکلیہم من الفقہاء وارباب المذاہب ابوحنیفۃؒ والشافعیؒ فان ابا حنیفۃ	(ترجمہ) ائمہ مذاہب اور فقہاء کرام میں سے سب سے پہلے جس شخص نے

له کتاب الرد علی القدریة سماه کتاب
الفقه الاکبر، وله رسالة املأها فی
قول اهل السنة ان الاستطاعة مع
الفعل، ولکنه قال انها تصلح للضدین
وعلی هذا قوم من اصحابنا وسیاتی
لذلک تفصیل من الامام ابی منصور
الماتریدی فانتظره فی الفصل الثانی

علم عقائد پر بحث کی وہ امام ابوحنیفہ
اور امام شافعی ہیں۔ کیونکہ امام
اعظم نے معتزلہ کے رد میں کتاب
"فقہ اکبر" تصنیف کی۔ ۲۔ اس کے
علاوہ ایک رسالہ لکھا جس میں
اہل سنت کے اس مسلک کو واضح
کیا۔ کہ "استطاعة مع یفعل ہے"

البتہ امام اعظمؒ کے نزدیک استطاعة مذکورہ خیر و شر ہر دو کے لئے استعمال میں لائی جا سکتی ہے۔ ہمارے بعض علماء شوافع بھی اسی کے قائل ہیں کہ استطاعة ضدین کے لئے صلاحیت رکھتی ہے۔ آئندہ فصل میں ہم امام ابومنصور ماتریدی کا ارشاد نقل کرنے والے ہیں جس سے اس نظریہ کی اور وضاحت ہو جائیگی کہ " استطاعة صالح للضدین ہے۔ وعلی اللہ قصد السبیل۔

(۳) امام فخر الاسلام بزدوی متوفی ۴۸۲ھ " اصول فقہ " میں فرماتے ہیں۔

قد صنف ابوحنیفة فی ذلک [ای
التمسک بالکتاب والسنة ومجانبة
الهوی والبدعة] الفقه الاکبر۔ ذکر
فیه اثبات الصفات واثبات
تقدیر الخیر والشر من الله وان ذلک
کله بمشیئة الله تعالے۔ شرح

(ترجمہ) امام ابوحنیفہ نے علم عقائد میں کتاب فقہ اکبر لکھی جس میں
(معتزلہ کی تردید کرتے ہوئے)
صفات الٰہی کا اثبات کیا (معتزلہ
صفات الٰہی کے یک قلم منکر ہیں)
نیز ثابت کیا کہ خیر و شر سب کچھ
مقدر من جانب اللہ ہے اور یہ

ابوالمنتہی للفقہ الاکبر تمام مشیت الٰہی سے سرانجام پاتے ہیں (معتزلہ خیر و شر کی تقدیر کے بھی منکر ہیں۔ اُن کا مشہور مقولہ ہے "الامر انف" وہ انسان کو اپنے افعال کا خالق مانتے ہیں۔ جس میں مشیت الٰہی کو کوئی دخل نہیں۔ نیک کرے یا بد سب کچھ اپنی ذمہ داری پر کرنا ہے۔

(۴) امام حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب کردری حنفی صاحب فتاوی بزازیہ متوفی ۸۲۷ھ، کتاب مناقب امام اعظم (طبع حیدر آباد ص۱۰۱) میں فرماتے ہیں۔

فان قلت لیس لابی حنیفۃ کتاب مصنف. قلت ہذا کلہ کلام المعتزلہ و دعواھم انہ لیس لہ فی علم الکلام تصنیف و غرضھم بذلک نفی ان یکون "الفقہ الاکبر" و"کتاب العالم و المتعلم لہ"، لانہ صرح فیہ باکثر قواعد اہل السنۃ والجماعۃ، و دعواہم انہ کان من المعتزلہ و ذلک الکتاب لابی حنیفۃ البخاری و ہذا غلط صریح فانی رایت بخط العلامۃ مولانا شمس الملۃ والدین کردری البرالتقینی ھذین الکتابین کتب فیھما انھما لابی حنیفۃ، و قد تواطاء علی ذلک

(ترجمہ) سوال، امام ابوحنیفہ نے کوئی تصنیف یادگار نہیں چھوڑی۔ جواب۔ یہ فرقہ معتزلہ کا افترا ہے ان کا دعوے ہے کہ علم عقائد میں امام کی کوئی تصنیف نہیں۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ کتاب "فقہ اکبر" اور "کتاب العالم والمتعلم" کا انتساب امام کی طرف باطل کر دیا جائے۔ اس لئے کہ ان ہر دو کتابوں میں اہل سنت کے اکثر عقائد کی تصریح کی گئی ہے۔ رہا معتزلہ کا یہ دعویٰ کہ امام صاحب معتزلی تھے۔ اور فقہ اکبر ابوحنیفہ بخاری کی ہے غلط

جماعۃ کثیرۃ من المشائخ۔　　محض ہے۔ کیونکہ مَیں نے یہ ہردو کتابیں مولانا شمس الدین کردری کے قلم سے لکھی ہوئی دیکھیں۔ آپ نے صاف لکھا ہے کہ ہردو کتابیں امام ابوحنیفہ کی ہیں۔ اس کے علاوہ اکثر مشائخ حنفیہ وغیرہ کا اتفاق چلا آتا ہے۔ کہ یہ تصنیفات امام ابوحنیفہ کی ہیں"۔

(۵) امام برہان الاسلام زرنوجی تلمیذ صاحب الہدایۃ اپنی کتاب "تعلیم المتعلم" میں لکھتے ہیں۔

ینبغی للطالب ان یحصل کتاب الوصیۃ التی کتبہا ابوحنیفۃ لیوسف بن خالد عند الرجوع الی اہلہ۔ وقد کان استاذنا برہان الائمۃ علی بن ابی بکر (صاحب الہدایۃ) امرنی بکتابتہ عند الرجوع الی بلدی فکتبتہ۔ فوائد بہیہ صد ۱۴۲	(ترجمہ) برہان الاسلام زرنوجی (شاگرد مولف ہدایہ) فرماتے ہیں۔ " طالب علم کو چاہئے کہ امام اعظم رح کی کتاب الوصیۃ حاصل کرے جو آپ نے یوسف بن خالد کے لئے لکھی۔ جبکہ وہ فارغ ہوکر گھر جارہا تھا۔ میرے استاذ مکرم برہان الائمہ

علی بن ابی بکر مولف ہدایہ نے مجھے بھی حکم دیا کہ مَیں اس کتاب کو نقل کرلوں۔ جبکہ مَیں تحصیل تمام کے بعد واپس وطن جارہا تھا چنانچہ مَیں نے وہ کتاب لکھ لی"۔

ان تمام تصریحات سے غرض یہ ہے کہ حضرت امام اعظم رح نے فراست باطنی سے فتنہ اعتزال کو ابتدا ہی سے بھانپ لیا تھا۔ کہ یہ فتنہ ایک نہ ایک دن قیامت بن کر رہے گا۔ اس لئے آپ نے اس کے استیصال کے لئے کتاب فقہ اکبر، کتاب عالم و متعلم (طبع حیدرآباد)

کتاب وحیتہ، (طبع دائرۃ المعارف) وغیرہ لکھ کر اعتزال کی جڑوں پر کاری ضرب لگائی۔ یہی وجہ ہے کہ معتزلہ۔ جن کا اکثر حصّہ فقہ میں حنفی ہے۔ فقہ اکبر وغیرہ کو امام موصوف کی تصانیف نہیں مانتے۔ لیکن یہ انکار دراصل روز روشن کی تکذیب ہے۔

البتہ اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ فقہ اکبر کے موجودہ نسخہ کی زبان۔ بخلاف کتاب عالم ومتعلم، وکتاب وصیتہ کے۔ قرن اول کی زبان سے مختلف ہے۔ کسی متاخر نے غالباً اس میں تصرف کیا ہے۔ جیسے امام محمد کی کتابوں سے فقہاء حنفیہ نے یہی سلوک کیا۔ کہ اُن کے مطالب کو اپنے الفاظ میں ادا کیا۔ اور مجتہد کے الفاظ متروک قرار دیئے۔ فوا اسفاتم وا اسفا۔

وجہ تسمیہ | یہاں تک ہم مسئلہ یہ بیان کر رہے تھے۔ کہ کن اسباب کے تحت علم کلام کی تدوین ہوئی۔ اور یہ کہ اس فن کے بانیٔ اول امام الائمہ ابوحنیفہ ہیں۔ مگر اُس وقت فن کا نام فقہ ہی تھا۔ معروف فن فقہ اور علم عقائد کے مابین اصطلاحات حادثہ کی حد فاصل قائم نہیں ہوئی تھی۔ کہ یکایک بشر بن غیاث مریسی متوفی ۲۱۸ھ نے۔ اور قاضی احمد بن ابی دؤاد متوفی ۲۴۰ھ نے مذہب کی سطح راکد میں عجیب وغریب تلاطم پیدا کر دیا۔ طاقت اور حکومت کے بل بوتے پر مذہب کی آڑ میں وہ وہ فتنے برپا کئے۔ کہ تصوّر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہیں پہنچ کر علم عقائد کا نام علم کلام پڑتا ہے۔ جیسے تسمیہ کل باسم جزء ہو۔

فتنۂ خلق قرآن | حضرت امام ابوحنیفہؒ متوفی ۱۵۰ھ کی وفات کے

تھوڑے ہی عرصہ بعد لبشر بن غیاث مریسی معتزلی نے ایک نئے فتنہ کا دروازہ کھول دیا۔ حافظ ابن جوزی "مناقب امام احمد" صفحہ ۳۰۲ میں لکھتے ہیں۔" خلیفہ ہارون رشید کہتے ہیں مجھے معلوم ہوا ہے۔ کہ لبشر مریسی خلق قرآن کا قائل ہے۔ بخدائے لایزال! اگر وہ میرے قابو آیا تو قتل کر کے چھوڑوں گا۔ لبشر مریسی عہد ہارون میں تقریباً بیس سال تک روپوش رہا۔ ہارون کی وفات کے بعد میدان میں آیا۔ اور اپنے خیالات کی تبلیغ کرنے لگا۔

ہارون کے بعد امین کے عہد کے حالات بدستور رہے۔ البتہ مامون کی خلافت میں معتزلہ نے اس کو اپنے حلقہ اثر میں لے کر، خلق قرآن کا داعی بنا کر چھوڑا۔

مامون کے دربار میں فلسفہ یونان کی گود میں پل کر یہ فتنہ قیامت بن کر اُٹھا اور خلیفہ معتصم اور واثق کے عہد میں تمام عالم اسلام پہ چھا گیا۔

وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں ہم چاہتے ہیں کہ اس داہیہ کبریٰ کی مختصر تاریخ بیان کر دیں۔ تاکہ سلف صالحین کا جہاد بالقرآن اور عمل بالعزیمۃ دیدہ عبرت کے سامنے آ جائے۔

اس کے علاوہ مبحث مدح وذم کلام، حسن و قبح مروجہ علم عقائد کے لئے بھی یہ تفصیل ایک نہایت ضروری تمہید کا کام دیگی۔

قاضی احمد بن دؤاد، مامون اعظم کا بہت بڑا مقرب تھا۔ علم عقائد میں اس کو خاص مزاولت تھی۔ قاضی موصوف نے یہ فن ہیاج بن علاء سلمی، تلمیذ واصل بن عطا، غزال، مشہور بانیٔ اعتزال متوفی ۱۳۱ھ

سے حاصل کیا۔ اور اس فن میں انتہائی حذاقت پیدا کی۔ پھر اپنے علمی اثر و رسوخ سے مامون پر ڈورے ڈال کر اس کو خلق قرآن کا گرویدہ بنایا۔ چنانچہ مامون نے سب سے پہلے اس خود ساختہ عقیدہ کی تبلیغ و اشاعت کے لئے ۲۱۲ھ میں ہلکا سا قدم اُٹھایا۔ پھر ۲۱۸ھ میں نہایت شد و مد سے اس کی تبلیغ شروع کی۔ مامون اس وقت رَقہ میں تھا۔ اس نے اسحاق بن ابراہیم پولیس کمشنر (بغداد) کو فرمان لکھا کہ تمام علماء شہر کو جمع کر کے۔ جیسے بن پڑے اُن سے خلق قرآن کا عہد لو۔ مزید براں مذکورہ ذیل سات اشخاص کو جن کی سرتابی محقق ہے۔ ہمارے یہاں روانہ کرو۔ محمد[1] بن سعد کاتب واقدی۔ یحییٰ[2] بن معین۔ ابوخیثمہ[3] زہیر بن حرب۔ اسمٰعیل[4] بن داؤد الحوری۔ اسمٰعیل[5] بن ابی مسعود، احمد[6] بن ابراہیم الدورقی۔ ابومسلم مستملی یزید بن ہارون۔ چنانچہ یہ اکابر مامون کے پاس پہنچے۔ اور از راہ تقیہ خلق قرآن کے قائل ہو کر واپس آئے۔ مامون نے اسحاق کو لکھا کہ ان علماء کا جدید عقیدہ دوسرے لوگوں تک پہنچا دیا جائے تا کہ کوئی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہے۔

یحییٰ بن معین فرماتے تھے۔ کہ افسوس ہم نے تلوار کے خوف سے کمزوری دکھائی اور با دل ناخواستہ خلق قرآن کا اعتراف کیا۔ حافظ ابن جوزی نے کمزوری دکھانے والوں کی طویل فہرست دی۔ جن میں یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی جیسے اکابر ہیں۔ بعد میں لکھا کہ امام احمد پر کسی شخص کی کمزوری اتنی گراں نہیں گزری جس قدر یحییٰ بن معین، ابوخیثمہ زہیر بن حرب، ابو نصر تمار کی کمزوری سے امام عالی مقام کو صدمہ پہنچا۔ کیونکہ بخیال امام یہ حضرات اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ تھے کہ امتحان

میں گر جاتے۔

اس کے بعد مامون نے پھر اسحاق بن ابراہیم کو لکھا کہ امام احمد بن حنبل محمد بن نوح بشر بن ولید کندی (حنفی تلمیذ امام ابو یوسف) قتیبہ بن سعید، عبید اللہ بن عمر القواریری، حسن بن حماد سجادہ وغیرہ حضرات کا امتحان لے۔ ان اکابر نے ابتدا میں گول مول جواب دیا۔ مامون نے لکھا کہ جو شخص صاف طور پر خلق قرآن کا اعتراف نہ کرے اس کو فتوے، روایت حدیث، درس کتاب الہیٰ سے روک دیا جائے۔ اس پر بجز امام احمد، محمد بن نوح، سجادہ، قواریری کے، سب نے خلق قرآن کا اعتراف کرلیا۔ اسحاق نے ان باقیماندہ حضرات کو قید خانہ میں ڈال دیا۔ دوسرے روز جب دربار میں لائے گئے تو سجادہ اور قواریری گر گئے۔ اب سوائے امام احمد اور نوجوان محمد بن نوح کے کوئی ثابت قدم نہ رہا۔ مامون کی طلب پر نائب بغداد نے ان ہر دو کو پا بہ جولاں خلیفہ کی طرف رقہ روانہ کیا۔ راستہ میں محمد بن نوح بیمار ہوکر فوت ہوگئے۔ اور عانات میں دفن ہوئے۔ قدرت کی نیرنگیاں ملاحظہ ہوں۔ پیشتر اس کے کہ امام احمد مامون کے دربار میں پہنچیں۔ مامون کا انتقال مقام بذندون میں ہو چکا تھا۔

امام احمد فرمایا کرتے تھے کہ میں نے خدا تعالیٰ سے دو دعائیں مانگیں ہر دو قبول ہوئیں۔ ۱۔ خدا تعالیٰ مجھے مامون کے سامنے نہ لیجائے۔[۲] میں متوکل کا منہ نہ دیکھوں۔

معتصم باللہ اور خلق قرآن | خلیفہ مامون نے انتقال کے وقت ایک وصیت نامہ لکھا۔ جس میں اپنے جانشین معتصم باللہ کو تحریک خلق قرآن

جاری رکھنے کی سخت تاکید کی۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ جب میں طرسوس (رقہ) سے واپس آیا۔ تو اسحاق بن ابراہیم نے رمضان ۲۱۹ھ (مفتاح السعادہ وعند ابن الجوزی ۲۱۸ھ ولعلہ الصحیح) میں مجھے قید خانہ میں ڈال دیا۔ ایک طویل عرصہ تک قید رہنے کے بعد قید خانہ سے نکال کر مجھے نائب بغداد کے سامنے پیش کیا گیا۔ جس نے مجھے کہا۔ احمد! بخدا امیرالمومنین معتصم آپ کا کام تلوار سے تمام نہیں کرینگے۔ بلکہ کوڑے مار مار کر آپ کی کھال اُدھیڑ لی جائیگی۔ حافظ ابن جوزی مناقب میں امام سے ناقل ہیں کہ مجھے قید و قتل کی بالکل پروا نہ تھی۔ مجھے اگر اندیشہ تھا تو بید زنی کا۔ کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ کہیں مار کی تاب نہ لاکر پھسل نہ جاؤں ج صہ ۳۱۶

جب نائب نے دیکھا کہ امام کو کوئی دھمکی راہ راست سے ہٹا نہیں سکتی۔ تو پہلے قید خانہ میں، پھر معتصم کے روبرو، دربار شاہی میں بڑے بڑے جغادری معتزلوں سے مناظرہ شروع کرایا۔ (ابن جوزی صہ ۲۱۹ ببعد) جب اُن کی تمام طاقتیں اس میں عاجز آئیں۔ تو معتصم نے بار بار برسر اجلاس، نہایت بیدردی سے امام کو کوڑوں سے پٹوانا شروع کرایا۔ ایک ایک دن کی تعداد کبھی (۸۰) تک پہنچ جاتی تھی۔ حافظ ابن جوزی ناقل ہیں کہ امام کا جلاد کہتا تھا کہ اگر وہ کوڑے کسی ہاتھی پر برسائے جاتے تو یقیناً مرجاتا (صہ ۳۳۳) ہر جلاد پوری طاقت سے معتصم کے روبرو دو کوڑے لگاکر ہٹ جاتا۔ اور دوسرا تازہ دم آموجود ہوتا۔ پھر ساتھ ساتھ معتصم زور سے مارنے کی تاکید پر تاکید کرتا جاتا۔ جب پہلا کوڑا

لگتا تو فرماتے، بسم اللہ، دوسرے پر لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھتے تیسرے پر فرماتے۔ القرآن کلام اللہ غیر مخلوق، اور چوتھے پر یہ آیت پڑھتے۔ قل لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا۔ یہی حال سارا دن رہتا (ابن جوزی ص۳۳۱) امام کے بدن سے خون کے فوارے جاری ہو جاتے تھے۔ اور اسی حالت میں نماز ادا کر لیا کرتے تھے جیسے حضرت فاروق اعظم نے شہادت کے روز خون بہنے کی حالت میں نماز ادا کی۔

امام احمد سے منقول ہے کہ ایک روز میں بُری طرح پٹ رہا تھا۔ اور پورے (۲۹) کوڑے پڑ چکے تھے۔ کہ میرا ازار بند ٹوٹ گیا اور شلوار نیچے کو سرکنے لگی۔ میں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر کہا۔ اے دوستوں کی صدق و محبت کا کڑا امتحان لینے والے! اور گناہگاروں کی پردہ پوشی کرنے والے خدا! مجھے یہ رسوائی تو نصیب نہ ہو۔ چنانچہ غیب سے سامان مہیّا ہوا۔ اور شلوار اپنی جگہ چست کر دی گئی (ابن جوزی ص۳۳۱)

پھر حیرت ہے کہ امام پٹتے جاتے، اور ساتھ ساتھ فرماتے جاتے۔ خداوندا! میں نے معتصم کو معاف کر دیا۔ کسی نے امام سے اس کا سبب دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے حیا آتی ہے کہ قیامت کے روز سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو میرا استغاثہ اہل بیت نبوت کے کسی فرد کے خلاف ہو۔

امام احمد بن حنبل کے اس شدید امتحان (قید و ضرب) کی مجموعی میعاد (۲۸) ماہ تھی (مفتاح السعادۃ ص۲/۴۴ ابن جوزی ص۳۲۸)

حافظ ابن جوزی فرماتے ہیں :-

مکث احمد فی السجن سنة سبع عشرة وثمانی عشرة و تسع عشرة و اخرج فی رمضان و ضرب فی العشر الاواخر من رمضان سنة ۲۲۰ھ مناقب ص ۳۳۹

(ترجمہ) امام احمد قید خانہ میں ۲۱۷ھ ۲۱۸ھ ۲۱۹ھ تک رہے۔ رمضان شریف میں باہر لائے گئے۔ اور عشرۂ اخیر رمضان ۲۲۰ھ میں کوڑوں سے پٹوائے گئے۔

تشدد اور طاقت کو شکست فاش آخر معتصم باللہ کی طاقت اور اس کا بے پناہ تشدد امام کے پائے ثبات میں لغزش پیدا کرنے سے یکسر قاصر رہے۔ چنانچہ آپ کو مجبوری رہا کیا گیا۔ ورنہ اگر خلیفہ معتصم باز نہ آتے۔ تو امام احمد بھی وہاں سے مرکر ہی ہٹتے۔

حافظ ابن جوزی ناقل ہیں۔

ما رایت یوماً کان اعظم علی المعتصم من ذلک الیوم، واللہ لو لم یرفع عنہ الضرب لم یبرح من مکانہ الا میتاً۔ ص ۳۳۲

(ترجمہ) راوی کہتا ہے کہ وہ روز (امام احمد بن حنبل کی نسبت) معتصم پر زیادہ گراں تھا۔ بخدا اگر معتصم شکست کھا کر باز نہ آتا تو امام بھی وہاں سے مرکر ہی ہٹتے۔" اللہ اکبر، تشدد پسند بھی اپنے تشدد کی لاج رکھ لینے میں کس سرگرمی کا مظاہرہ کیا کرتا ہے۔ ورنہ معتصم جس کے پاس یورپ کو ناک چنے چبانے والی طاقت تھی۔ مار کھانے والے امام احمد کے مقابلے میں بے طرح کیوں گھبراتا۔

امام احمد کو کس چیز نے امام بنایا؟ امام احمد بن حنبل اپنے عہد کے عالی پایہ محدث تھے۔ لیکن اُن کے ہم پایہ بزرگ بھی اس وقت

کثرت سے موجود تھے۔ مثلاً یحییٰ بن معین امام الجرح والتعدیل علی بن المدینی، وغیرہ اکابر مگر اُن کی عظمت کا راز یہ ہے کہ آپ نے رخصت کے بجائے عزیمت کو نصب العین بنایا۔ طاقت و تشدد کے سامنے ذرا نہ جھکے۔ یہی کسر تھی جو دوسرے بزرگوں میں رہ گئی۔ کہ وہ عزیمت کے بجائے رخصت کی طرف مائل ہوئے۔ چنانچہ امام احمد ایک محدث اور حافظ حدیث سے ترقی کر کے سرتاج محدثین اور امام الفقہاء، صاحب مذہب قرار دئے گئے۔ ابن جوزی حافظ ابوزرعہ سے راوی ہیں۔

لم ازل اسمع الناس یذکرون احمد بن حنبل بخیر ویقدمونہ علی یحییٰ بن معین و ابی خیثمۃ غیر انہ لم یکن من ذکرما صار بعد ما امتحن۔ فلما امتحن ارتفع ذکرہ فی الآفاق م ص ۳۳۳-۳۳۸	(ترجمہ) ابوزرعہ حافظ فرماتے ہیں۔ میں ہموارہ لوگوں سے امام احمد کا ذکر خیر سنتا رہتا تھا۔ لوگ یحییٰ بن معین اور ابوخیثمہ پر ان کو ترجیح دیتے تھے۔ لیکن وہ امتحان سے پہلے کچھ اتنی شہرت

کے مالک نہ تھے۔ (معمولی حافظ حدیث تھے۔ جن کی ٹکر کے بزرگ اس وقت کثرت سے موجود تھے) تا آنکہ امتحان میں کسے گئے۔ اور تمام دنیا (موجودہ اور آنے والی نسلیں) اُن کے ذکر خیر سے گونج اُٹھی۔ ولقد صدق من قال

عشق مجنوں کے لئے ناقۂ لیلےٰ کے سوا ∗ شرط یہ بھی ہے کہ اک وادیٔ پرخار بھی ہو

خلیفہ واثق اور احمد بن نصر الخزاعی معتصم کے بعد جب واثق ربیع الاول ۲۲۷ھ میں تخت نشین ہوا۔ تو قاضی احمد بن ابی دؤاد کی

انگیخت پر اس نے بھی ابتلا کا دروازہ کھولا۔ مگر امام احمد سے دست و گریباں ہونا اس کے حوصلہ کی بات نہ تھی۔ وہ جانتا تھا کہ یہ شخص مقام صبر میں انبیاء و صدیقین کے درجہ تک پہنچا ہوا ہے۔ (دیکھو مناقب ابن جوزی صـ۳۲۹) تاہم واثق نے امام احمد کو پیغام بھیجا کہ آپ اس سرزمین کو چھوڑ دیں جس میں مَیں بس رہا ہوں۔ چنانچہ امام احمد واثق کی وفات تک روپوش رہے۔ مناقب صـ۳۴۰ واثق نے اس بارے میں اور سختی سے کام لینا شروع کیا۔ اس زمانہ کے سب سے بڑے محدث احمد بن نصر خزاعی امام کو واثق نے امتحان کے شکنجہ میں کسا۔ اُن کے سامنے بھی خلق قرآن کا مسئلہ پیش کیا گیا۔ جس کو اُنھوں نے نہایت حقارت سے ٹھکرا دیا۔ یہ سُنتے ہی علماء دربار اور خود خلیفہ واثق نے اُن کو واجب القتل ٹھہرایا۔ واثق نے صمصامہ (مشہور تلوار۔ دیکھو فتوح البلدان بلاذری طبع مصر صـ۲۵۴) طلب کی اور ان کو خود اپنے ہاتھ سے شعبان (بقول بعض رمضان) ۲۳۱ھ میں برسر اجلاس ذبح کر ڈالا۔ سر کاٹ کر ان کے گلے میں فتوائے قتل لٹکا کر بغداد کی شرقی جانب میں کچھ دن۔ اور غربی طرف میں کچھ روز لٹکا دیا گیا۔ بعد از ذبح دربار میں اُن کا سر کلمہ شہادت پڑھتا رہا۔ خطیب صـ۱۷۸۔ ابراہیم بن اسمٰعیل کہتے ہیں۔ مجھے معلوم ہُوا کہ احمد کا سر صلیب پر بھی قرآن کریم کی تلاوت کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ مَیں وہاں پہنچا۔ جہاں سر کو صلیب پر لٹکایا گیا تھا۔ فوج اور پولیس کا سخت پہرہ تھا۔ جب رات ہوئی اور خلقتِ خدا سو گئی۔ تو یکایک سر نے یہ آیت تلاوت کرنا شروع

کی - "الم احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا باللہ وہم لایفتنون"
شیخ عبدالعزیز کی، کنانی، "تلمیذ امام شافعی رطبقات السبکی صفحہ ۲۶۵/۱)
نے خلیفہ متوکل سے برسر دربار کہا- امیرالمومنین! مجھے تعجب ہوتا
ہے کہ واثق نے کیوں توبہ نہ کی- حالانکہ اس کے سامنے احمد بن
نصر کا سر دفن ہونے تک قرآن کریم کی تلاوت میں مصروف رہا ھ
مفتاح صفحہ ۴۵/۱

مدت فتنہ خلق قرآن فتنہ خلق قرآن ۲۱۳ھ سے لے کر ۲۳۴ھ
تک برابر جاری رہا (مفتاح صفحہ ۴۶/۲) البتہ واثق کے آخری دور میں
خلیفہ کو ایک ایسے عالم سے پالا پڑا- جس نے اُس کو اُس کے تمام
درباری علماء کو بُری طرح لاجواب کیا- اس مناظرہ کے بعد قاضی
ابن ابی دؤاد، واثق کی نظروں سے گر گیا- اور خود خلیفہ کی شدت
بھی نرمی سے بدل گئی- اس واقعہ کی تفصیل خطیب نے تاریخ میں
اور ابن جوزی نے مناقب صفحہ ۳۰۵ ببعد میں دی ہے- تاآنکہ خلیفہ متوکل
نے اس فتنہ کو حکماً بند کرا دیا-

خلیفہ متوکل کی اس انصاف پروری کی داد دیتے ہوئے بعض
سلف نے کہا ہے کہ خلفاء تین ہیں (۱) ابوبکر صدیقؓ ردت کے
فرو کرنے میں (۲) عمر بن عبدالعزیزؒ مظالم بنی امیہ کے مٹانے میں
(۳) متوکل فتنہ خلق قرآن کو زیر و زبر کرنے میں ھ مفتاح صفحہ ۴۶/۲

اربعہ متناسبہ اور ابتلاء خلق قرآن علماء تاریخ نے لکھا ہے کہ فتنہ خلق قرآن میں ثبات
قدم، فقط چار حضرات کو نصیب ہوئی- جو سب کے سب
باشندگان مرو تھے ۔ (۱) امام احمد بن حنبلؒ (۲) احمد بن نصر خزاعی

(۳) محمد بن نوح بن میمون (۴) نعیم بن حماد خزاعی۔ آپ قید میں فوت ہوئے ھ تاریخ خطیب ص۱۷۷/۵ مناقب ص۲۹۳۔

سبب الحدیث اس تفصیل سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ ان دوروں میں حکومت پر نہ صرف اعتزال چھایا ہوا تھا۔ بلکہ حکومت کا مذہب اعتزال تھا۔ جس کی تبلیغ میں حکومت کی تمام طاقتیں صرف ہو جاتی تھیں۔ علی الخصوص مسئلہ کلام الٰہی اس وقت تمام توجہات کا مرکز تھا۔ موافق و مخالف اسی کو معیار کفر و اسلام ٹھہراتے تھے۔ تاآنکہ ہلال بن علاء رقی فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ نے امت محمدیہ پر چار ہستیوں کے طفیل احسان عظیم کیا۔ اُن میں سے ایک حضرت امام احمد ابن حنبل ہیں۔ اس لئے کہ اگر امام مسئلہ خلق قرآن میں ذرہ بھر کمزوری دکھاتے تو ساری اسلامی دُنیا کافر ہو جاتی ھ (خطیب ص۴۱۰/۱۲)

یہی وجہ ہے کہ علم عقائد کا نام اس دور ابتلاء میں علم کلام پڑ گیا۔ نیز مباحث سابقہ سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ علماء سلف نے علم کلام (عقائد) کے خلاف کیوں زبان کھولی۔ بات یہ ہے کہ معتزلہ کی مہربانیوں سے یہ علم معرض وجود میں آیا۔ اور انہیں کے طفیل پروان چڑھا۔

امام ابو جعفر طحاوی اور علم عقائد حاصل یہ کہ حضرت امام اعظمؒ نے اس فن کی بنیادیں استوار کیں۔ اور اس میں ایسی نادر تصانیف یادگار چھوڑیں جو آنے والی نسلوں کے لئے ہمیشہ چراغ راہ رہیں کہ امام ابو جعفر طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ نے کتاب العقیدہ لکھ کر دنیائے علم کو ایک بار پھر زیر احسان فرمایا۔ طحاوی کی کتاب العقیدہ کس

پایہ کی کتاب ہے۔ علماء وقت نے اس کو کس نگاہ سے دیکھا۔ اس کے متعلق حافظ تاج الدین سبکی شافعی متوفی ۷۷۱ھ کی رائے کافی وافی ہے۔ حافظ موصوف اپنی تصنیف "معید النعم" طبع مصر صـ ۳۲ میں لکھتے ہیں۔

وہذہ المذاہب الاربعۃ۔ وللہ الحمد فی العقائد واحدۃ، الا من لحق منہا بالاعتزال والتجسیم والا فجمہورہا علی الحق یقرءون عقیدۃ ابی جعفر الطحاوی التی تلقاہا العلماء سلفا وخلفا بالقبول ویدینون اللہ بطریق شیخ السنۃ ابی الحسن الاشعری الذی لم یفارقہ الا مبتدع۔

(ترجمہ) بحمد اللہ کہ مذاہب اربعہ باستثنائے اُن افراد کے جو اعتزال یا تجسیم کا شکار ہوئے۔ تمام عقائد میں کلیۃً متفق و متحد ہیں۔ اور سب کے سب امام ابوجعفر حنفی کی کتاب العقیدہ پر عامل ہیں جس کو تمام سلف و خلف نے شرف قبولیت بخشا۔ اور اپنے عقائد کی تصحیح کے لئے اس کو محک قرار دیا۔ نیز سلف شیخ اہل سنت امام ابوالحسن اشعری کے متبع رہے۔ جس کا مخالف کوئی متبدع ہی ہوسکتا ہے۔

دوسرے موقع پر اسی کتاب میں لکھا ہے۔

وہؤلاء الحنفیۃ والشافعیۃ والمالکیۃ وفضلاء الحنابلۃ۔ وللہ الحمد، فی العقائد عقیدتہم واحدۃ۔ کلہم علی رای اہل السنۃ والجماعۃ۔ یدینون اللہ بطریق شیخ السنۃ

(ترجمہ) بحمد اللہ کہ حنفیہ، شافعیہ مالکیہ۔ فضلاء حنابلہ عقائد میں سب کا عقیدہ ایک ہے۔ یہ سب اہل سنت والجماعۃ کی رائے پر ہیں۔ اور شیخ اہل السنۃ امام

ابی الحسن الاشعری لایحید
عنها الا رعاع من الحنفیه
والشافعیة لحقوا بالاعتزال
و رعاع من الحنابلة لحقوا
باہل التجسیم ۔ و برء الله المالکیه
فلم تر مالکیا الا اشعری العقیده
و بالجملہ عقیدة الاشعری
ھی ما تضمنہ عقیدہ ابی
جعفر الطحاوی التی تلقاہا
علماء المذہب بالقبول و
رضوھا عقیدہ ۔ لقد
ختمنا کتابنا جمع الجوامع
بعقیدہ ذکرنا ان سلف الامة
علیها وھی عقیدة ابی جعفر
الطحاوی وعقیدة ابی القاسم
القشیری والعقیدہ المسماة
بالمرشدہ مشترکات فی اصول
اہل السنة والجماعة ھ ص ۹۶

ابوالحسن اشعری کے اصولوں کو
معیار عمل بناتے ہیں۔ اشعری
کی رائے سے کسی نے انحراف
نہیں کیا۔ بجز چند ادنےٰ درجہ
کے حنفیہ اور شافعیہ نے جو
اعتزال میں پھسل گئے یا نہایت
معمولی درجہ کے چند حنابلہ نے
جو تجسیم کا شکار ہوئے۔ یہ بات
قابل داد ہے۔ کہ مالکیہ میں سے
کوئی بھی امام اشعری کی راہ سے
نہ ہٹا۔ آپ کوئی ایسا مالکی نہ دیکھینگے
جو اشعری نہ ہو۔ خلاصہ المرام اینکہ
اشعری عقیدہ درحقیقت وہی ہے
جو امام ابوجعفر طحاوی اُس سے
بہت پہلے پیش کر چکے تھے۔ عقیدۂ
طحاوی کو علماء مذہب نے شرف
قبولیت بخشا۔ اور بڑی خوشی
سے اس کو اپنا عقیدہ تسلیم کیا۔

ہم نے اپنی کتاب جمع الجوامع کے خاتمہ پر ایک ایسا "عقیدہ" لکھا ہے
جس پر تمام اہل سنت متفق تھے۔ اس کا ماخذ ابوجعفر طحاوی کا عقیدہ
قشیری کا عقیدہ اور عقیدہ مرشدہ ہیں۔ یہ ہرسہ عقیدے اصول اہل سنت

میں متفق ہیں ۔"

الغرض امام ابوجعفر طحاوی اور امام ابوالحسن اشعری گو معاصر ہیں۔ جیسے اُن کے سنہ وفات سے ظاہر ہے۔ مگر طحاوی کی امامت اشعری سے تقریباً چالیس سال مقدم ہے۔ کیونکہ اشعری پورے چالیس سال ابوعلی جبائیؒ کے زیر اثر رہکر معتزلی رہے۔ ۳۰۰ھ میں تائب ہوئے۔ بعد ازاں تقریباً تین سال ابوعلی جبائیؒ سے اُن کے مناظرے رہے۔ جبائیؒ کی وفات ۳۰۳ھ میں ہوئی (تبیین از ابن عساکر ص۵۶ ص۹۱)

بنابریں امام اشعری کا عقیدہ و مسلک بتمامہ عقیدہ طحاوی سے ماخوذ اور اسی کی تفصیل و تشریح ہے۔ لہٰذا عقیدہ طحاوی اصل الاصول اور اس کے بعد کے تمام کتب، عقیدہ، اس کے فروع ہیں۔ وللہ الحمد اسی تقدم کی رو سے حافظ عبدالوہاب تاج الدین سبکی نے "معید النعم" میں عقیدہ طحاوی کو مذاہب اربعہ کا امام اور پیشوا تسلیم کیا۔

امام ابوالحسن اشعری اور علم عقائد ابوجعفر طحاوی کی امامت کے بعد امام الاشاعرہ ابوالحسن اشعری متوفی ۳۲۴ھ کا دور آتا ہے پورے چالیس برس آپ نے محمد بن عبدالوہاب جبائیؒ کے سامنے زانوے تلمذ تہ کئے۔ آخر ۳۰۰ھ میں قدرت حقہ نے آپ کو اپنے دامن عاطفت میں لے لیا۔ کما مر۔ آپ نے جبائیؒ کی قرآن دانی پر یہ کبھی نہ بھولنے والی پھبتی کسی۔ " کان القرآن نزل بلغۃ اہل جبا لا بلغۃ اہل العرب " جب اشعری بغداد گئے۔ تو آپ نے کتاب الابانۃ لکھی۔ مورخین کا خیال ہے کہ کتاب الابانۃ اشعری کی سب سے آخری

تصنیف ہے۔ ابوالقاسم عبدالملک بن عیسےٰ بن درباس اپنی کتاب "الذب عن الاشعری" طبع حیدر آباد ص۱۲۵ میں لکھتے ہیں۔

للاشعری کتاب فی السنۃ سماہ کتاب "الابانۃ" صنفہ ببغداد لما دخلہا ھ	(ترجمہ) اشعری نے اہل سنت کی تائید میں کتاب الابانۃ لکھی جبکہ اشعری بغداد تشریف لے گئے ھ

علامہ محمد بن موصلی اصفہانی، معاصر حافظ ابن تیمیۃ۔ مولف کتاب "الصواعق المرسلہ" اپنی کتاب "سیف السنۃ" میں لکھتے ہیں:۔

کتاب الابانۃ آخر کتب الاشعری ھ ضمیمہ ثانیہ الابانۃ طبع حیدر آباد ص۱۵۹ وشذرات الذہب ص۳۰۳/۲	(ترجمہ) کتاب الابانۃ امام اشعری کی آخری تصنیف ہے۔

حافظ ابن عساکر کتاب التبیین میں فرماتے ہیں۔

ولم یزل کتاب الابانۃ مستصوباً عند اہل الدیانۃ وما کان الامام ابو عثمان الصابونی یخرج الی مجلس درسالا وبیدہ کتاب الابانۃ لابی الحسن الاشعری ویظہر الاعجاب بہ ویقول ما ذاالذی ینکر علی من ہذا الکتاب شرح مذہبہ فہذا قول الامام ابی عثمان الصابونی و ہو من اعیان اہل الاثر بخراسان ھ ص۳۸۹	(ترجمہ) کتاب ابانۃ کو تمام متدین علماء نے صحیح تسلیم کیا۔ امام ابوعثمان اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن بن احمد صابونی جب کبھی حلقہ درس میں آتے تو آپ کے ہاتھ میں کتاب الابانۃ دیکھی جاتی۔ آپ اس کو بہت ہی پسند کرتے۔ اور کہتے کہ ایسے شخص کو (حنابلہ ومعتزلہ) مورد الزام ٹھہراتے ہیں جس کے خیالات کی تشریح

یہ کتاب کر رہی ہے - یہ ہے ابو عثمان صابونی کی رائے - جو خراسان کے عالی پایہ محدث شمار ہوتے ہیں -"

ابوالحسن اشعری نے اپنی بقیہ تمام عمر رد اعتزال میں صرف کردی - یہ اسی جہاد کا نتیجہ تھا کہ بقول علامہ شبلی (علم کلام) چوتھی صدی ہجری کے اخیر تک تمام اکابر معتزلہ ایک ایک کرکے ختم ہوگئے - اور اُن کا سیاسی اور جماعتی غرور ہمیشہ کے لئے ٹوٹ گیا -

حنابلہ اور معتزلہ و اشعری

رد عمل کے طور پر معتزلہ کی تاویلات باطلہ کے مقابلہ ظاہر پرستوں کی ایک جماعت کھڑی ہوگئی - یہ جماعت بھی اشعری سے اسی طرح پرخاش رکھتی تھی - جس طرح معتزلہ کو اُن سے خصومت تھی - معتزلہ کی قوت ٹوٹنے پر ان کی جگہ ایک زمانہ تک ظاہر پرست حنابلہ نے لی - حکومت میں طاقت و اقتدار حاصل کیا - اشاعرہ کو یہاں تک دق کیا - کہ

احدث حنبلی علی قبر ابی الحسن الاشعری — (ترجمہ) ایک حنبلی نے امام ابوالحسن کی قبر پر پاخانہ کیا -

ہ تبیین ابن عساکر صـ۴۱۳

اس کے علاوہ حنابلہ نے ان کی قبر کو جلایا ، ویران کیا - ابن عساکر فرماتے ہیں -

و قد ولع بعض جہال الحنابلہ بقبرہ ضرارا و خرب ما بنی علی تربتہ فما ضر ذلک ابا الحسن ولا نقص من قدرہ کما لم یضر عثمان بن عفان	(ترجمہ) بعض جاہل حنابلہ امام اشعری کی قبر کی بے ادبی کرنے کے خوگر ہو چکے ہیں - کئی بار اُنھوں نے آپ کی قبر پر بنا شدہ عمارات کو ویران

من بعض الروافض تحریق قبرہ ھ ص۲۱۳ | کیا۔ لیکن اس سے اشعری کی امامت مسلمہ کو کیا نقصان پہنچ سکتا

ہے۔ جیسے بعض جاہل رافضیوں نے حضرت عثمان کی قبر کو جلا دیا تھا۔ اس سے حضرت عثمان کو کیا نقصان پہنچ سکتا ہے۔

علی ہذالقیاس ابواسمٰعیل عبداللہ بن محمد انصاری ہروی حنبلی مولف "منازل السائرین" نے اپنی مشہور کتاب "ذم الکلام" میں یہ عجیب وغریب فتوے دیا۔ لاتحل ذبائح الاشعریتہ ھ طبقات الشافعیہ کبری از ابن سبکی ص۱۱۷ یعنی اشاعرہ کا ذبیحہ حلال نہیں لیکن اگر تاویلات باطلہ میں غلو برا ہے۔ تو خالص ظاہر پرستی، اور عقل سے مطلقاً سروکار نہ رکھنا بھی اتنا ہی معیوب ہے۔ اس لئے نہ اعتزال کی شوکت رہی۔ اور نہ حنابلہ کی تند مزاجی اور تقشف۔

جلیل الکلام و دقیق الکلام | اشعری کے دور میں معتزلہ کی علمی موشگافیوں کی بدولت علم کلام سمعیات کی سیدھی سادی راہ سے نکل کر فلسفہ یونان کی بھول بھلیوں میں پوری طرح گھر چکا تھا۔ جسم کی حقیقت، جوہر و عرض کے مباحث، اجزا لا یتجزی کا وجود یا نفی وغیرہ بے شمار دقیق مسائل علم کلام کے اجزا بن چکے تھے۔ بنابریں اشعری اور دوسرے علماء وقت کو ایسے دقیق مسائل پر بحث کرنے سے چارہ نہ تھا۔ اسی لئے علم کلام کو اس دور میں ایک اور تغیر سے دوچار ہونا پڑا۔ یعنی یہ علم دو حصوں میں تقسیم ہوگیا۔ جلیل الکلام و دقیق الکلام۔ چنانچہ امام ابوالحسن اشعری نے کتاب المقالات کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ جلیل الکلام حصہ اوّل۔ دقیق الکلام

حصہ دوم ۔

مکانتہ کتاب المقالات | مورخین کا خیال ہے کہ یہ کتاب یقیناً ۲۹۱ھ کے بعد کہیں جا کر لکھی گئی ۔ یہ اس لئے کہ اشعری نے اسی کتاب کے صفحہ ۱۸۵ پر بعض ایسے حوادث بیان کئے ہیں جو قطعاً ۲۹۱ھ میں نمودار ہوئے ۔ ادھر یہ بھی معلوم ہے کہ اشعری نے اعتزال سے ۳۰۰ھ میں توبہ کی ۔ ابن عساکر " تبیین" میں ناقل ہیں ۔

اقام الاشعری علی مذہب المعتزلہ اربعین سنتہ وکان لہم اماماً ثم غاب عن الناس فی بیتہ خمستہ عشر یوماً فبعد ذلک خرج الی الجامع و اعلن بالانخلاع عن الاعتزال ص ۳۹	(ترجمہ) اشعری چالیس سال تک معتزلی رہا ۔ اور معتزلہ اس کو اپنا امام تسلیم کرتے رہے ۔ ایک دفعہ پندرہ دن تک مکان میں غائب رہا ۔ بعدہ جامع مسجد میں

آکر اعتزال سے توبہ کا اعلان کیا ۔

لہذا یہ کتاب اشعری کی کتاب الابانتہ سے پہلے اور ۳۰۰ھ سے بعد تصنیف ہوئی ہو گی ۔

کتاب المقالات کی اشاعت سے پیشتر حافظ ابن حزم کی کتاب " الفِصل" یا عبدالقاہر بغدادی کی کتاب " الفرق" یا شہرستانی کی کتاب " الملل والنحل" کا سہارا لیا جاتا تھا ۔ حالانکہ اشعری سب سے مقدم اور اس فن کا امام ہے ۔ اور اصول مذاہب مختلفہ، ان کی شاخوں سے پوری طرح واقف ہے ۔

اس کے علاوہ کتاب المقالات میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں ہر فرقہ کا مذہب ہو بہو ۔ بلا کم و کاست نقل کر دیا جاتا

ہے۔ نقل مذاہب مختلفہ میں کسی قسم کا تعصب روا نہیں رکھا جاتا۔ اور کسی مخالف پر کسی قسم کی تشنیع نہیں کی جاتی۔ پھر نقل مذہب کے بعد اشعری اس مذہب کے دلائل کے درپے نہیں ہوتے۔ اور نہ اس کی تردید کا خیال کرتے ہیں۔ انہیں وجوہ سے یہ کتاب نقل مذاہب میں بہت زیادہ اہم سمجھی جاتی ہے۔ بنابریں حافظ ابن تیمیہ حنبلی "منہاج السنتہ" میں لکھتے ہیں۔

ومن اجمع الكتب التي رايتها في مقالات الناس المختلفين في اصول الدين، كتاب ابي الحسن الاشعري، قد ذكر فيه من المقالات وتفصيلها ما لم يذكره غيره ھ ص ۵/۳، ثم الاشعري اعلم من هولاء كلهم بذلك نقلا و توجيهاً اھ ص ۶۹/۳ فكتاب المقالات للاشعري اجمع هذه الكتب وابسطها وفيه من الاقوال وتحريرها ما لا يوجد في غيره۔ وقد نقل مذهب اهل السنته والحديث بحسب ما فهمه وظنه قولهم وذكر انه يقول بكل ما نقله منهم۔ وجاء بعده من اتباعه كابن فورك من لم يعجبه ما نقله عنهم، فنقص من ذلك وزاد ھ ص ۲۰۸/۳

(ترجمہ) اصول دین میں مختلف ہونے والوں کے مذاہب کی توضیح میں جامع ترین کتاب جو میری نظر سے گزری ابوالحسن اشعری کی کتاب المقالات ہے۔ اس میں مختلف مذاہب و اقوال کی اس قدر تفصیل ہے جو کسی دوسرے نے ذکر نہیں کی۔ پھر امام اشعری سب علماء کلام سے کسی مذہب کی نقل اور اس کی توجیہہ میں بڑھ کر فاضل ہیں۔ لہٰذا کتاب المقالات اختلاف المذاہب کی تمام کتابوں سے جامع اور مفصل ہے۔ اس میں مذاہب کو اس شستگی سے بیان کیا گیا جو دوسری جگہ نہیں ملتا۔ اشعری نے مذہب اہل سنت

والجماعۃ کو بھی اپنے فہم کے مطابق نقل کیا۔ بعدہٗ کہا کہ مَیں خود اسی کا قائل ہوں۔ جو سلف سے نقل کر رہا ہوں۔ اشعری کے بعد ان کے اتباع میں سے ابن فورک وغیرہ کو اشعری کے بعض منقولات از اہل سنت پسند نہ آئے۔ کیونکہ اہل سنت ان کے قائل نہ تھے۔ اس لئے انہوں نے کچھ کمی بیشی کر دی۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ابن فورک کی طرح اشعری حاذق حدیث و قرآن نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اہل سنت والحدیث کے مذاہب کی نقل میں غلطی کرتے ہیں۔ کما سیجئ تفصیلہ فی کلام ابن تیمیۃ وغیرہ من الاکابر۔

حافظ موصوف کتاب النبوات ص ۱۴۹ میں فرماتے ہیں۔

کتاب مقالات الاسلامیین للاشعری اجمع کتاب رایتہ فی ہذا الفن، قد ذکر فیہ ما ذکر انہ مقالۃ اہل السنۃ والحدیث و انہ یختارہا وھی اقرب ما ذکرہ من المقالات الی السنۃ والحدیث، لکن فیہ امور لم یقلہا احد من اہل السنۃ والحدیث۔ و نفس مقالۃ اہل السنۃ والحدیث لم یکن یعرفہا ولا ہو خبیر بہا۔ وہذا لان اصل اعتماد علماء الکلام لم یکن علی القرآن والحدیث بخلاف الفقہاء فانہم فی کثیر مما یقولونہ انما یعتمدون علی القرآن

(ترجمہ) اشعری کی کتاب المقالات اس فن میں ان تمام کتابوں سے زیادہ جامع ہے جو میری نظر سے گزریں۔ اس کتاب میں اس نے (دوسرے فرقوں کی طرح) اہل سنت و حدیث کا مذہب بھی ہر باب میں نقل کیا ہے۔ اور ساتھ ہی تصریح کی ہے کہ مَیں خود اس مذہب کا تابع ہوں انصاف یہ ہے کہ اشعری نے جو اہل سنت کا مذہب لکھا ہے۔ وہ (گو در حقیقت اہل سنت کا مذہب نہ سہی)، مگر اُن کے مذہب کے

والحدیث فلذا کان اکثر متابعة والاشعری اعلم بمقالات المختلفین من الشہرستانی، ولہذا ذکر عشر طوائف و ذکر مقالات لم یذکرھا الشہرستانی، وہو اعلم بمقالات اہل السنّت واقرب الیہا واوسع علما من الشہرستانی والشہرستانی اعلم باختلاف المختلفین ومقالاتہم من الغزالی ھ

قریب تر ہے۔
لیکن اشعری نے اس کتاب میں اہل سنت کے ذمہ بعض ایسی چیزیں لگائی ہیں جن کے وہ قائل ہی نہ تھے بات یہ ہے کہ اشعری خود اہل سنت و حدیث کے مذہب کو نہیں جانتا۔ اور نہ اس کو اس کی خبر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء کلام کا اصل اعتماد قرآن و حدیث پر نہیں (بلکہ فلاسفہ یونان کی تصریحات پر ہے) ان سے تو فقہاء اچھے رہے۔ کیونکہ اُن کا عام اعتماد قرآن و حدیث پر ہی ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ قرآن و حدیث کی لائن سے کم باہر جاتے ہیں۔

واضح رہے کہ اشعری شہرستانی سے علم اختلاف المذاہب میں بڑھے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اشعری نے (بخلاف شہرستانی) اختلاف المذاہب کے اصول دس فرقے ٹھہرائے ہیں [شیعہ۱۔ خوارج۲۔ مرجیہ۳۔ معتزلہ۴۔ الجہمیہ۵۔ ضراریہ۶۔ حسینیہ۷۔ بکریہ۸۔ والعامۃ۹ [کذا وہو محرف ولعلہ من اصحاب نوری] اصحاب حدیث۱۰، کلابیہ۱۱۔ متبعین عبداللہ بن کُلّاب القطان ھ مقالات ص۵ ج۱]
اس کے علاوہ اشعری نے بعض ایسے مذاہب بھی لکھے ہیں جن کا شہرستانی کے یہاں پتہ بھی نہیں۔ مزید براں اشعری اہل سنت کے مذاہب کا شہرستانی سے بڑھ کر عالم ہے۔ اور خود بھی ان مذاہب کے قریب تر ہے۔ مزید اس کے شہرستانی سے علمیت میں بہت بڑھا ہوا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ

بھی واضح رہے کہ شہرستانی، اختلاف المذاہب ہیں، امام غزالی سے بہت فائق ہے۔"

تنقید بر کتاب المقالات البتہ امام اشعری نے چونکہ کتاب المقالات کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ جلیل الکلام و دقیق الکلام - اس لئے کتاب ترتیب طبعی سے بہت دور جا پڑی ہے جس سے اس کا پڑھانا۔ یاد کرنا مشکل ہو گیا ہے یہ اس لئے کہ کتاب کے ایک حصہ میں فرق مختلفہ کا بیان ہے۔ دوسرے حصہ میں مسائل کا ذکر ہے۔ پھر فرق کے بیان میں مسائل لے آتے ہیں مسائل کے بیان میں فرق کو درج کر دیتے ہیں۔ نیز جلیل کلام کی بحث میں اگر کوئی مسئلہ مجمل ہے تو دقیق الکلام میں اسکی تفصیل کر دیتے ہیں کبھی ایک جگہ کسی مذہب کے قائل کا نام بتلا دیتے ہیں۔ اور دوسرے موقع پر اس کا نام حذف کر دیتے ہیں جس سے مبتدی حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ الغرض کچھ اس طریق سے کتاب لکھی کہ تکرار ہی تکرار ہے۔ ایک ایک بات کو مختلف مواقع پر ذکر کیا ہے۔ اور یہ تصنیف میں بہت بڑا عیب ہے۔ اسی لئے علماء نقد و نظر نے لکھا ہے کہ امام اشعری گو میدانِ مناظرہ کے شہسوار تھے۔ مگر تصنیف و تالیف میں ان کو مہارت نہ تھی۔ خود حافظ ابن عساکر اُن کا زبردست مداح اپنی کتاب التبیین میں یہ لکھتے ہوئے ذرا باک نہیں کرتا۔

کان الاشعری تلمیذاً للجبائی یدرس علیہ ویتعلم منہ و لایفارقہ اربعین سنتہ وکان صاحب نظر فی المجالس وذا اقدام علی الخصوم ولم یکن من اہل التصنیف وکان اذا اخذ القلم	(ترجمہ) امام اشعری جبائی کا شاگرد تھا۔ اسی سے پڑھا اور سب کچھ حاصل کیا۔ چالیس سال تک جبائی سے جدا نہیں ہوا۔ اشعری کو فن مناظرہ میں بڑا ملکہ تھا۔ مدمقابل پر جرارت

يكتب ربما ينقطع وربما ياتي بالكلام غير مرضي- وكان ابو علي الجبائي صاحب تصنيف وقلم و اذا صنف ياتي بكل ما اراد مستقصىً واذا حضر المجلس و ناظر لم يكن بمرضي- وكان اذا دہمہ الحضور فی المجلس يبعث الاشعری ويقول نب عني-

قلت ہذا انما ارید بذلک حالتہ فی الابتداء لا بعد ما من اللہ علیہ من الاہتداء فان تصانیفہ مہذبۃ و تالیفہ و عباراتہ مستجادۃ مستصوبۃ

م صدا۹۱-۹۲

سے چرا دوڑتا تھا۔ مگر تصنیف وتالیف میں ایسا نہ تھا۔ بسا اوقات قلم لے کر لکھنے لگتا تو اظہار مقصد میں مقصر ثابت ہوتا۔ اور بعض اوقات غیر موزوں جملہ لکھ دیتا تھا۔

اشعری کا استاذ ابو علی جبائی مالک قلم اور صاحب تصنیف تھا۔ لیکن اگر کہیں محفل مناظرہ میں مناظرہ کرتا تو نرا نکما ثابت ہوتا۔ چنانچہ جب کبھی اس کو کسی مد مقابل سے مناظرہ کا پالا پڑتا تو اشعری کو بھیجتا اور کہتا کہ تم میری طرف سے نائب ہو۔ میں کہتا ہوں اشعری کی یہ ابتدائی حالت تھی۔ بعد میں جب اعتزال سے توبہ کی اور تحریر کی مشق کی تو اس کی تصانیف شستہ اور اس کی تالیف و طرز بیان عمدہ اور صحیح ہو گئے۔"

کتاب المقالات کے مواضیع | یوں تو کہا جا سکتا ہے کہ اشعری نے اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ جلیل اور دقیق، مگر ہر دو حصوں کے ابواب کی قدرے تفصیل بتلانا بھی مشکل ہے۔ کیونکہ کتاب کیا ہے ایک عجیب و غریب قسم کی کھچڑی ہے۔ خلط مبحث ہے۔ تکرار ہے۔ بے ترتیبی ہے۔ لیکن بحد آخر اتنا کہا جا سکتا ہے کہ جلیل الکلام میں زیادہ اہم مباحث حسب ذیل ہیں۔ مدعیان اسلام فرقوں کی تفصیل اور انکے مذاہب و آراء کا بیان۔ اسی کے تحت میں مسئلہ ذات و صفات، مسئلہ بدا۔ بحث

کلام الٰہی، ارادہ، استطاعت، عصمت انبیا۔ رائے اور قیاس، حقیقت ایمان میں اختلاف مذاہب وغیرہ بے شمار مسائل ذکر کر دئے گئے ہیں۔
اس کے بعد دقیق الکلام میں حقیقت جسم اور اس میں مذاہب۔ جوہر۔ عرض، بقاء اعراض۔ طفرہ۔ حرکت و سکون، تداخل، بروز، کمون وغیرہ سے بحث کی ہے۔

مسئلہ کلام الٰہی اور امام اشعری

مسئلہ کلام الٰہی میں صرف معتزلہ ہی نے غلطی نہیں کی بلکہ اس نازک مرحلے میں تمام فرقے دست و پا شکستہ ہیں (۱) معتزلہ کلام نفسی کے سرے سے منکر ہیں۔ اور کلام لفظی کو صفت الٰہی نہیں مانتے۔ بلکہ کہتے ہیں کہ کلام الٰہی اصوات و حروف ہیں۔ جن کو خدا تعالےٰ کسی دوسری چیز میں مثلاً لوح محفوظ یا جبریل یا رسول یا ہوا میں پیدا کر دیتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ وغیرہ میں اس مذہب پر جو تنقیدیں کی ہیں۔ ان کے پیش نظر ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ معتزلہ درحقیقت یہ کہنا چاہتے تھے کہ قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازخود تصنیف کر لیا۔ مگر تلوار کے خوف سے کہا تو یوں کہا "القرآن کلام اللہ مخلوق" لفظ مخلوق کی شرح خود معتزلہ اس طرح کرتے ہیں کہ جیسے مثلاً زید بچہ تھا۔ خدا تعالےٰ نے اس میں قوت گویائی پیدا کر دی۔ اسی طریق پر گویا جبریل میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی قوت گویائی پیدا کر دی گئی اور بس۔ یہی راز ہے کہ امام احمد وغیرہ نکتہ رس حضرات نے اس مسئلہ کے خلاف انتہائی جہاد کیا اسی بنا پر ہلال بن علا رقی نے کہا اگر امام احمد پا مردی نہ دکھاتے

تو تمام دُنیائے اسلام کافر ہو جاتی - (۲) معتزلہ کے عین مقابل حنابلہ ہیں - جن کے ہاں کلام الٰہی ایسے حروف و اصوات ہیں - جو ذات الٰہی سے قائم ہیں - اس میں اُنھوں نے یہاں تک غلو کیا کہ ان کے بعض جہال نے قرآن کی جلد اور غلاف تک کو قدیم کہہ دیا (۳) حنابلہ کی طرح اشعری اصوات و حروف کو قدیم نہیں کہتے - البتہ معتزلہ کی طرح کلام لفظی کو حادث مانتے ہیں - مگر کہتے ہیں کہ کلام الٰہی درحقیقت کلام نفسی ہے - وہی قدیم ہے اور وہی قائم بذاتہٖ تعالےٰ ہے - غرض اشعری نے سب سے پہلے کلام الٰہی کی تقسیم کی - کلام لفظی اور کلام نفسی - لفظی کو حادث تسلیم کیا اور نفسی کو قدیم مانا - مگر کلام نفسی کی کچھ ایسی تشریح کی - جو بظاہر عقول متوسطہ کی رسائی سے بالاتر ہے - مثلاً کہا ہے کہ (۱) کلام نفسی نہ عربی ہے نہ عبرانی، نہ سریانی - عبرانی یا عربی یا سریانی وہ الفاظ ہیں جو کلام نفسی سے تعبیر کرتے ہیں - خود کلام نفسی واحد محض ہے - جس کے اجزاء و ابعاض نہیں (۲) اس کے علاوہ اشعری کے نزدیک کلام نفسی نہ خبر ہے نہ انشاء نہ امر ہے نہ نہی - البتہ اشیا کے ساتھ تعلق پیدا ہونے پر حسب موقع یہ نام اس کو دئے جا سکتے ہیں - ورنہ حقیقت میں وہ واحد محض اور ان تمام اقسام و اسما سے بالاتر ہے -

راقم حقیر کی نظر سے اس فن کی جتنی کتابیں گزریں تمام تر اس مسئلہ میں میری تشفی کے لئے ناکافی ثابت ہوئیں - جوں جوں مَیں نے اس مسئلہ کے حل کی تلاش کی شکوک بڑھتے گئے - تاآنکہ امام الھند، حکیم الامتہ شاہ ولی اللہؒ دہلوی کی کتاب "قرۃ العینین" میں یہ مباحث

پڑھے۔ بحمداللہ کہ آپ کی تصریحات میرے لئے باعث اطمینان ہوئیں اور امام اشعری کی دقت نظر اور کمال فہم کا مجھے بصدق دل اعتراف کرنا پڑا۔ اور یقیناً سمجھ گیا کہ حافظ ابن تیمیۃ وغیرہ کی تنقیدات اشعری پر درست نہیں ہیں۔

ذیل میں قرۃ العینین کا ضروری حصّہ بلا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔ کیونکہ میرے مخاطب اہل علم ہیں۔ اور فارسی سے عموماً قارئین کرام واقف ہیں۔ امام موصوف فرماتے ہیں۔

(باقی دارد)

مولوی نورالحق

مطبوعات پنجاب یونیورسٹی اورینٹل پبلیکیشنز فنڈ

بہرہ عربی و فارسی و اُردو

۱۔ اقلید الخزانہ یعنی ان کتابوں کی فہرست جو علامہ عبدالقادر بغدادی کی مشہور کتاب خزانۃ الادب میں مذکور ہیں۔ مع حواشی مفیدہ و فہرست مصنفین مرتبہ مولوی عبدالعزیز میمن لکچرر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ طبع لاہور ۱۹۲۷ء تعداد صفحات ۱۹ + ۱۳۰ قیمت غیر مجلد عہ مجلد ۱۲ ؎

۲۔ مجموعہ نغز یعنی تذکرۂ شعراء اُردو (بزبان فارسی) مصنفہ میر قدرت اللہ قاسم و مرتبہ حافظ محمود شیرانی اُردو لکچرر پنجاب یونیورسٹی، جس نسخہ سے یہ کتاب مرتب ہوئی ہے۔ وہ غالباً مصنف کا خود نگاشتہ نسخہ ہے، دو جلد، طبع سنگی نفیس، قیمت مجلد ۱۲؍ ہے، غیر مجلد ۱۰؍ ہے،

۳۔ تتمہ صوان الحکمۃ یعنی تاریخ حکماء اسلام مصنفہ علی بن زید البیہقی (المتوفی ۵۶۵ھ) مرتبہ پرنسپل محمد شفیع ایم۔اے (کنٹب) اورینٹل کالج لاہور، اس موضوع پر عربی زبان میں یہ بہت قدیم اور مفید کتاب ہے اسکا فارسی ترجمہ ایلخانیوں کے وزیر غیاث الدین محمد بن وزیر رشید الدین فضل اللہ کے نام پر درۃ الاخبار کے نام سے کیا گیا اس ایڈیشن میں حصہ اوّل میں متن عربی ہے اور حصہ دوم درۃ الاخبار متن عربی برلن اور استنبول کے چار نسخوں پر مبنی ہے اور متن فارسی ایک قدیم نسخہ سے لیا گیا ہے جو کتابخانہ پنجاب یونیورسٹی میں ہے اور منحصر بفرد ہے، یہ کتاب بہت سے حواشی اور مکمل فہارس کیساتھ کل ۲۶۹ + ۱۳۴ + ۲۰۳ صفحات پر عربی حروف میں لاہور میں طبع ہوئی قیمت ہر دو حصہ (غیر مجلد) گیارہ روپے۔

۴۔ اخبار الدولۃ السلجوقیہ مرتبہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔اے پی ایچ۔ڈی (کنٹب) پروفیسر فارسی پنجاب یونیورسٹی لاہور متن برٹش میوزیم کے نسخہ وحیدہ پر مبنی ہے۔ طبع لاہور بحرف عربی ۱۹۳۳ء تعداد صفحات ۸ + ۲۲۸ = ۲۳۶، مجلد چار روپے ۵ غیر مجلد تین روپے بارہ آنے۔

۵۔ فہارس کتاب عقد الفرید لاحمد بن محمد بن عبد ربہ الاندلسی (المتوفی ۳۲۸ھ) مرتبہ پرنسپل محمد شفیع ایم اے اورینٹل کالج لاہور اس میں فہارس ذیل شامل ہیں جو عقد کے قیمتی مواد کی مراجعت کے لئے غایت درجہ سہولت بہم پہنچاتی ہیں اور ان مواضع کے متعلق متن کی تصحیح بھی کرتی ہیں ؎

(۱) اسماء الشعراء (۲) فہرست القوافی (۳) فہرست اسماء الرجال والنساء والقبائل وغیرہا (۴) فہرست اسماء الامکنۃ والجبال وغیرہ یہ فہرستیں العقد طبع قاہرہ ۱۳۲۱ھ پر مبنی ہیں مگر اور ایڈیشنوں کے صفحات کی فہرست بھی دی گئی ہے تاکہ ہر ایڈیشن کے ساتھ ان فہرستوں کو استعمال کیا جاسکے، تعداد صفحات ۱۶۷ + ۱ طبع کلکتہ ۱۹۳۵ء قیمت مجلد ۱۲؍ روپے ؎

۶۔ امیر خسروؒ کے سوانح زندگی اور انکے مصنفات پر ایک نظر (بزبان انگریزی) مصنفہ ڈاکٹر محمد وحید مرزا (ایم۔اے پنجاب) پی ایچ۔ڈی (لنڈن) پروفیسر عربی لکھنؤ یونیورسٹی قیمت چار روپے یا ۶ شلنگ ؎

اورینٹل کالج میگزین لاہور

عرض واجب

اغراض و مقاصد۔ اس رسالہ کے اجرا سے غرض یہ ہے کہ اساتذہ و تلامذہ میں علوم مشرقیہ کی تحریر کو حتی الامکان تقویت دی جائے اور جہاں تک ہو سکے طلبا میں ان علوم کا شوق پیدا کیا جائے جو سنسکرت۔ عربی۔ فارسی اور دیسی زبانوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں ۔

کس قسم کے مضامین کا شایع کرنا منظور ہے۔ کوشش کی جائے گی کہ اس سلسلہ میں ایسے مضامین شایع ہوں جو مضمون نگاروں کی ذاتی تلاش اور تحقیق کا نتیجہ ہوں غیر زبانوں کے مفید مضامین کا ترجمہ بھی قابل قبول ہوگا اور کم ضخامت کے بعض مفید رسالے بھی بالاقساط شایع کئے جائیں گے +

رسالے کے دو حصے۔ یہ رسالہ دو حصوں میں شایع ہوتا ہے حصہ اول عربی۔ فارسی۔ اردو اور پنجابی بحروف فارسی، حصہ دوم سنسکرت۔ ہندی اور پنجابی بحروف گورمکھی۔ ہر ایک حصہ الگ بھی مل سکتا ہے

وقت اشاعت۔ یہ رسالہ بالفعل سال میں چار بار یعنی نومبر۔ فروری۔ مئی۔ اگست میں شایع ہوگا[1] +

قیمت اشتراک۔ سالانہ چندہ مکمل رسالہ کے لئے ۴ روپیہ ہے۔ ہر حصے کے لئے [illegible] اورینٹل کالج کے طلبا سے چندہ داخلہ کالج کے وقت وصول ہوگا +

خط و کتابت و ترسیل زر۔ خرید رسالہ کے متعلق خط و کتابت اور ترسیل زر صاحب پرنسپل اورینٹل کالج لاہور کے نام ہونی چاہئے۔ مضامین کے متعلق جملہ مراسلات چیف ایڈیٹر کے نام بھیجنے چاہئیں +

محل فروخت۔ یہ رسالہ اورینٹل کالج لاہور کے دفتر سے خریدا جا سکتا ہے +

عملہ تحریر۔ حصہ اردو کی ادارت کے فرائض پروفیسر محمد شفیع ایم۔ اے اورینٹل کالج سے متعلق ہیں اور یہ حصہ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کی اعانت سے مرتب ہوتا ہے +

---

[1] چونکہ اگست میں کالج بند ہوتا ہے اس لئے یہ نمبر بجائے جون یا ستمبر میں شایع ہوتا ہے +